عقیدہ اسلاف اہلِ سنت والجماعت کی ترویج واشاعت کی کاوش

التبیان

حصہ اول

مذہب اہل سنت میں مسائل ایمان وکفر کا بیان

ترتیب وتالیف:

فضیلة الشیخ الحافظ ابوعمرو عبدالحکیم حسان

فاضل جامعة ازهر ومدرس المعاهد العلمیة الشرعیة فی الیمن

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

email:info@muwhideen.tk

web: http://www.muwahidenn.tz4.com

عرض مترجم

ان الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم ﷺ

اسلام عقیدہ وعمل کا حسین امتزاج ہے۔اوراپنے ماننے والوں سے پورے اور مکمل اسلام کو اپنانے کا مطالبہ کرتا ہے۔بعض اوامر واعمال پر ایمان لانے اور بعض پر ایمان نہ لانے کو اسلام پسند نہیں کرتا اور اسی طرح بعض معاملات میں غلو وزیادتی یا رہبانیت اور بدعات اسلام کا امتزاج نہیں۔حقیقی مسلم وہی ہے کہ اگر ایمان وعقیدہ کی بات ہو تو ہر طرح کی کفریہ وشرکیہ آلائشوں سے پاک وصاف ہو،اور عبادت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق کرے۔معاملات کا موقع آئے تو شخصی کردار ایسا صاف ستھرا ہو کہ غیر مسلم بھی اپنی امانتیں سپرد کردیں۔دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی فاتح ومصلح مکہ اور معلم صفہ کی طرح ہو۔اور جب دشمنان اسلام کی طرف سے مسلمانوں پر چڑھائی کی صدا سنائی دے تو امام المجاھدین ﷺ کی طرح سب سے آگے شامل جہاد ہو۔اور مجاہدین اسلام کے سامان سفروحرب کی تیاری اوران کے اہل وعیال کی نگہداشت کا فریضہ بھی برابرادا کرتا ہو۔

میدان جنگ میں دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرلڑنے اور جھپٹنے کی طرح زندگی کے باقی میدانوں میں بھی طاغوت کے بھرپور مقابلہ کی جامع پلاننگ اور افراد کی تیاری بھی محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہی سیکھنی چاہیے۔اورافراد کی تیاری میں دورحاضر کے اختیار کردہ طریق پبلسٹی، پراپیگنڈا،اور پروٹوکول جیسے غیر اسلامی رویے اپنانے اوران پر بے تحاشا اسراف کی بجائے بہترین تربیت واصلاح عقیدہ پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔اگرچہ اس میں افراد تھوڑے ہی ہوں مگر مفید اور دیرپا نتائج اسی میں ملتے ہیں۔اس طرح کفر کو ہر میدان میں شکست دے کر غلبہ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی میں کوشاں رہنا

چاہیے۔

زیرنظر کتاب ''التبیان'' اسی سلسلہ جہاد وافراد سازی کی ایک کوشش ہے۔ ویسے تو آج ہر عنوان پر بے شمار کتب اور لٹریچر، ادارے اور مکاتب فکر موجود ہیں۔ مگر پھر بھی عقیدۂ توحید اور مسائل ایمان وکفر سے متعلق کوئی واضح اور قابل ذکر کتب اردو زبان میں ابھی تک شائع نہیں ہوئیں کہ جو دین کی اساس (بنیاد واصول) کی حیثیت رکھتی ہوں۔ اور اسی طرح جہاد کے موضوع پر اب تک کئی کتب ورسائل شائع ہو چکے ہیں مگر ان کے مصنفین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو عملی طور پر جہاد میں شریک ہوا ہو یا اس نے ہجرت کی ہو۔ یہاں تک عقائد کا تعلق ہے تو ان بنیادی مسائل کو علماء یا عوام الناس میں کہیں بھی موضوع بحث نہیں بنایا جاتا۔ ہر جماعت اور ادارے کے اپنے اپنے مقاصد واغراض اور اھداف ہیں جن کے حصول اور دفاع وفروغ کی خاطر درکار کوششوں کو ہی وہ مکمل اور مطمع اسلام سمجھتے ہیں

چنانچہ اسی بنیادی کوتاہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ہمارے ہمسائے میں مسلمانوں پر کفار یلغار کرتے ہیں تو ہم مزے سے اپنے معمولات چلا رہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بس فرضی ہمدردی کا بھرم رکھنے کی خاطر ہی ان کا نام لیتے اور اپنا کام چلاتے ہیں۔ جبکہ عوام کے سامنے انبیاء اور صحابہ کرامؓ کے واقعات تو بیان کرتے ہیں مگر خود حالات سے چشم پوشی اور مصلحت کا رویہ اپناتے ہوئے راہ تعیش اختیار کرتے ہیں۔

اس کتاب کے امتیاز و مصنف کے بارے میں عرض ہے کہ موصوف نے مصر، یمن اور سعودیہ کے علمی مدارس میں حفظ قرآن واحادیث کے ساتھ اصول حدیث اور عقائد واصول دین کے علوم پر دسترس حاصل کی۔ اور جب روسی استعمار نے افغانستان کے نہتے مسلمانوں پر یلغار کی تو موصوف نے بھی مجاہدین کے ساتھ ہجرتیں کیں اور شانہ بشانہ اس جہاد میں شرکت کی۔ اسلام کی جامع نمائندگی، اعلاء کلمۃ اللہ اور ملت اسلامیہ کے دفاع کے لیے مجاہدین کو اصلاحی وتربیتی دروس دیئے، ذہن سازیاں کیں

۔اور آج تک مجاہدین کے ساتھ میدان جہاد میں دنیا کے سب سے بڑے طاغوت اور اس کے لے پالک حمایتیوں کے خلاف علمی و عملی طور پر برسر پیکار ہیں۔جبکہ زمان قریب میں ہی موصوف اپنے دو حقیقی بیٹوں و دیگر ساتھیوں سمیت ایک معرکہ میں شدید زخمی ہوئے جس میں ان کا ایک بیٹا گرفتار ہو گیا جو ابھی تک لشکر طاغوت کے ہاں اسیر ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔

موصوف نے بیس سالہ محنت و کاش سے عقائد و اصول دین اور جہاد کے آداب سے متعلق تصانیف قلم بند کی ہیں ۔جنہیں امت مسلمہ کے فائدہ کے لیے اب شائع کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے ۔کیونکہ یہ وہ مسائل و اصول ہیں جو ہمارے یہاں بیان نہیں کئے جاتے اور نہ ہی عوام کو ان سے آگاہی ہے۔

دعا ہے اللہ مجاہدین اسلام کی نصرت اور حفاظت فرمائے ،انہیں ثابت قدم رکھے اور کفار کی قید سے رہائی عطا فرمائے ،کفر و طاغوت کو تباہ و برباد و نیست و نابود کرے اور اسلام کو غلبہ عطا فرمائے۔ آمین

مقدمہ

یقیناً تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور ہم اسی سے بخشش مانگتے ہیں ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف ایک اللہ ہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جس طرح ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت آئے تو اسلام پر ہی آئے' ایک اور مقام پر فرمایا ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر ان دونوں سے بے شمار مرد وعورتیں پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت روائی کا ذریعہ بناتے ہو اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے بچو بے شک تمہارا رب تم کو دیکھ رہا ہے'' ایک اور مقام پر یوں فرمایا ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سیدھی سیدھی بات کہو اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ جو آدمی بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا یقیناً وہ عظیم کامیابی حاصل کرے گا''۔

امابعد!

حمد وصلاۃ کے بعد قابل بیان بات یہ ہے کہ آج کل بعض شرعی مسائل میں بہت زیادہ اختلاف ہے جو مسلمانوں میں گروہ بندی، فرقہ واریت کا سبب ہے اسی اختلاف کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں باہم بغض پایا جاتا ہے اسی اختلاف نے مسلمانوں کی عزت اور شان وشوکت خاک میں ملا دی اور نتیجتاً کافران پر مسلط ہو گئے۔

بنیادی طور پر اکثر اختلافی مسائل کا سبب حق سے ناواقفیت اوران اختلافی مسائل میں سلف صالحین کے مذہب سے لاعلمی وجہالت ہے ۔حالانکہ ان مسائل کے بارے میں ہمارے اسلاف نے زبردست بحثیں کی ہیں اوران کےاقوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔لیکن مسلمان دیگر غیرضروری امور میں الجھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ کتاب وسنت پرعمل اورخلوص نیت سے حاصل کردہ دینی علم جوان کواختلاف سے بچاسکتا ہےاس کوترک کر چکے ہیں۔ یہ کتاب مختصر طور پران اختلافی مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس میں تمام سلف وصالحین کا عقیدہ بیان کیا گیا ہےجس کواختیارکرنا ہم سب پرلازم ہے کیونکہ عقیدہ سے جہالت اورایمان کےبعض اہم مسائل کواچھی طرح نہ سمجھنا بہت سارے شرعی احکامات میں خرابی کا سبب بنتا ہے۔

وہ اسباب ومحرکات جنہوں نے مجھےاس جیسےعظیم وطویل موضوع پرقلم اٹھانے پرمجبور کیا ہے حالانکہ میں اپنے آپ کواس قابل نہیں سمجھتا وہ ایسےاہم مسائل ہیں جو بہت زیادہ وضاحت کےمحتاج ہیں۔ میں نے اس بارے میں بہت سے شیوخ وعلماء کرام کی لکھی گئی کتابوں کو دیکھا جن میں سے اکثر اصل مقصد کی تکمیل کے لیے ناکافی ہیں یا پھران میں بہت ساری باتیں غیرواضح ہیں۔اوربعض ایسے ہی اہلسنت کے مذہب کے برعکس ہیں ۔میں نے اس کتاب کو فقط مسلمانوں کی خیرخواہی اوران کے حقوق کی ادائیگی کوآسان کرنے کے لیےتصنیف کیا ہے۔میں نے اس کتاب میں ایمان کےبعض اہم مسائل اور ان سے متعلقہ اصول واحکام کے مسائل کی تشریح بیان کی ہے اورحسب ضرورت اختصاروطوالت دونوں پہلوؤں کواختیارکیا ہے۔

اورمیں نے اس کتاب کونو (۹) ابواب میں تقسیم کیا ہے۔جن کی تقسیم کچھ اس طرح ہے

پہلا باب

اس باب میں مندرجہ ذیل مقدمات بیان کیے گئے ہیں۔

پہلا مقدمہ:- حق کو بیان کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مقدمہ:- علم کی فضیلت اور اقسام اور اس کی فرضیت واہمیت۔

تیسرا مقدمہ:- ایمان وکفر سے متعلق مسائل کی اہمیت وحساسیت اور واجب امور۔

چوتھا مقدمہ:- افتراق امت کی صورت میں اصل حق کو اختیار کرنا لازم ہے۔

دوسرا باب

یہ باب ایمان کے متعلق بعض مسائل کی ابحاث کے لیے خاص ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا مسئلہ:- دل' زبان اور اعضاء کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے ایمان کی حقیقت اور اس کا بڑھنا اور کم ہونا۔

دوسرا مسئلہ:- اجزاء ایمان میں اور اہل ایمان میں باہم درجہ بندی۔

تیسرا مسئلہ:- ایمان کے اجزاء کا بیان۔

چوتھا مسئلہ:- انسان میں اطاعت ونافرمانی، نیکی وبرائی اور اسلام وجاہلیت کے دونوں پہلو پائے جانے کا امکان۔

پانچواں مسئلہ:- کبیرہ گناہ کے مرتکب کے متعلق حکم۔

چھٹا مسئلہ:- کیا کفریہ اقوال یا افعال کے مرتکب کے دلی احوال کا جاننا ضروری ہے؟

ساتواں مسئلہ:- ایمان میں استثنٰی کے متعلق کیا حکم ہے؟

تیسرا باب

اس باب میں حکمی اسلام کے بارے میں مندرجہ ذیل مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

پہلا مسئلہ:- اسلام کی علامات وقرائن (حکمی اسلام کس طرح ثابت ہوگا)

دوسرا مسئلہ:- اسلام میں ظاہر و باطن کا تعلق۔

تیسرا مسئلہ:- ظاہر کے مطابق حکم لگانا ضروری ہے۔

چوتھا مسئلہ:- اثبات ظاہر کا طریقہ اور اگر ظاہر (عمل وقول) ظاہر کے خلاف ہو تو کیا حکم لگے گا۔

چوتھا باب

اس باب میں کفر اور ارتداد سے متعلق مسائل بیان ہوئے ہیں۔

پہلا مسئلہ:- کفر کی تعریف اور اس کی اقسام۔

دوسرا مسئلہ:- ارتداد کی تعریف اور اس کی اقسام۔

تیسرا مسئلہ:- جماعت سے الگ ہونے والے کا حکم۔

چوتھا مسئلہ:- توبہ کروا لینے کے بعد مرتد (مرد یا عورت) کے متعلق حکم۔

پانچواں مسئلہ:- مقدور علیہ اور غیر مقدور علیہ میں فرق۔

چھٹا مسئلہ:- مرتد کے مال میں تصرف۔

ساتواں مسئلہ:- مرتدین کی اولاد کا حکم

آٹھواں مسئلہ:- توبہ کے بعد مرتدین سے معاملہ

پانچواں باب

اللہ تعالیٰ، نبی ﷺ یا دین اسلام کا گالی دینے والے کا حکم اس باب میں ایک مقدمہ بھی ہے جس میں نبی ﷺ کی تعظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں بیان کی گئی ہے۔

پہلا مسئلہ:- جو آدمی اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے یا دین اسلام سے مذاق کرتا ہے اس کے کافر اور واجب القتل ہونے کے دلائل اور اس بارے میں علماء اکرام کے اقوال۔

دوسرا مسئلہ:- غیر صریح (مبہم) گالی کا حکم۔

تیسرا مسئلہ:- جب ذمی آدمی رسول ﷺ کو گالی دے یا اسلام پر طعن کرے تو اس کا حکم۔

چوتھا مسئلہ:- گالی دینے والے کا کافر ہونا اس کے استحلال سمجھنے یا ارادہ کفر پر موقوف نہیں ہے۔

چھٹا باب دوستی اور دشمنی

اس باب میں اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اہمیت پر ایک مقدمہ ہے۔

پہلا مسئلہ:- ایک دوسرے سے دوستی اور دشمنی کی تعریف۔

دوسرا مسئلہ:- مومنین سے دوستی اور کفار سے دشمنی رکھنا ضروری ہے۔

تیسرا مسئلہ:- کفار سے دوستی رکھنے والے کے کافر ہونے کے دلائل۔

چوتھا مسئلہ:- کفار سے دوستی رکھنے والے کے بارے میں علماء کے اقوال۔

پانچواں مسئلہ:- مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دینے والے پر بھی دشمنوں والا حکم لگے گا۔

چھٹا مسئلہ:- قتال قول و فعل دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

ساتواں مسئلہ:- جو آدمی کسی شرعی مقصد کے پیش نظر کفار کے ساتھ ملا ہو اس کا حکم۔

آٹھواں مسئلہ:- مجبوراً مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کا حکم۔

دو فائدے: تقیہ، کفار کے تمام مطالبات کی اطاعت اور وقتی مصلحت میں کیا فرق ہے۔

ساتواں باب حاکمیت

اس باب میں ایک مقدمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق، معاملات اور حکم میں یکتا ہے۔

فصل اول:- ایمان کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ (کتاب وسنت) سے کروانا اور اس پر رضامند ہونا ہے۔

فصل دوم:- حاکمیت وشریعت سازی میں کفریہ علتیں واسباب۔

فصل سوم:- حکام کی اقسام اوران کے متعلق احکام۔

آٹھواں باب

اس باب میں خصوصًا تاویل واکراہ کے عوارض اور مسئلہ تقلید پر بحث مذکور ہے۔

پہلی فصل:- تاویل کی تعریف اوراس کے معتبر ہونے کی شرائط۔

دوسری فصل:- خلاف تاویل کرنے والے کا حکم۔

تیسری فصل:- کیامذہب کا نتیجہ بھی مذہب ہے۔

چوتھی فصل:- تاویلاً کسی کوکافرقرار دینااورحکم اکراہ وجبر کی تعریف اوراقسام۔

پانچویں فصل:- اکراہ کی حداوراس کے معتبر ہونے کی شرائط۔

چھٹی فصل:- کس حالت میں اکراہ درست ہے۔

ساتویں فصل:- مجبور(مکرہ) آدمی کے لیے افضل یہ ہے کہ ڈٹ جائے خواہ اس کوقتل کردیا جائے۔

آٹھویں فصل:- تقلید کی تعریف اوراس کی اقسام۔

نویں فصل:- مقلدین کی اقسام اوران کے احکام۔

دسویں فصل:- عام آدمی کس سے سوال کرے۔

گیارھویں فصل:- جس آدمی کے پاس کتب احادیث ہیں کیا اس کے لیے علماء کے اقوال کی طرف مراجعت سے قبل ان کے مطابق فتویٰ دینا یاعمل کرنا جائز ہے؟

بارھویں فصل:- مقلدین کے ایمان سے متعلق حکم۔

نواں باب

یہ باب جہالت کے عوارض کے ساتھ مختص ہے اور اس میں ایک مقدمہ ہے۔

پہلی فصل :- جہالت کی تعریف۔

دوسری فصل :- عذر جہالت کے ثبوت کے قرآنی دلائل۔

تیسری فصل :- عذر جہالت کے ثبوت میں اہل علم کے اقوال۔

چوتھی فصل :- جہالت کا عذر حصول علم پر عذر قدرت کے ساتھ مقید ہے۔

پانچویں فصل :- ان لوگوں کا رد جو مطلقاً عذر جہالت کے منکر ہیں۔

چھٹی فصل :- حجت کیسے قائم ہوگی اور کون قائم کرے گا۔

ساتویں فصل :- دین سے بدیہی طور پر معلوم شدہ حد۔

آٹھویں فصل :- کفر نوع عموم اور کفر تعیین میں فرق۔

نویں فصل :- کسی کو لعنت دینے کا حکم۔

دسویں فصل :- اھل فترہ اور جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی ان کا حکم۔

مُقَدِّمَۃ

یہ بات انتہائی غور طلب ہے کہ جو آدمی بھی شریعت کے کسی مسئلہ میں جس میں لوگوں کا اختلاف ہے کوئی بحث کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر فریق کے اقوال با دلیل ذکر کرے پھر صحیح دلائل جن اقوال کی ترجیح کا تقاضا کریں اس کو راجع قرار دے۔اور ساتھ ساتھ اس اختلاف کا سبب اور اس کے نتائج سے بھی عوام الناس کو آگاہ کرے، قرآن مجید کی آیت ''سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُھُمْ ''(اور بعض لوگ) کہیں گے وہ تین تھے اور چوتھا کتا اور بعض کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا اور یہ سب اٹکل پچو ہیں اور بعض کہیں گے وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا کہہ دیجئے میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے اچھی طرح واقف ہے ان کو چند لوگ ہی جانتے ہیں تو تم ان کے معاملے میں سرسری سی گفتگو کرنا۔اور ان کے بارے میں ان سے کچھ دریافت ہی نہ کرنا(الکھف:۲۲)۔اس واقعہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس مقام پر ادب اور اس جیسے مسئلہ میں آدمی کو جو انداز اختیار کرنا چاہیے اس چیز کی تعلیم پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تین اقوال نقل کیے ہیں دو کمزور قرار دیدیے اور تیسرے سے خاموشی اختیار کر لی ہے۔یہاں تک امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا، جس چیز میں اختلاف ہو وہاں حکایت کو بیان کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے اس موقع پر تمام اقوال کا احاطہ کیا جائے اور ان میں سے صحیح کی نشان دہی کی جائے اور باطل کا بطلان واضح کیا جائے۔تا کہ بے مقصد اور فضول چیزوں میں جھگڑا باقی نہ رہے جن کی وجہ سے انسان اہم کاموں سے محروم ہو جاتا ہے۔جو آدمی کسی مسئلہ میں اختلاف نقل کرتا ہے لیکن تمام لوگوں کے اقوال کا احاطہ نہیں کرتا یہ انسان نقص پیدا کرنے والا ہے ۔کیونکہ بسا اوقات درست موقف متروکہ اقوال ہی میں ہوتا ہے اسی طرح جو آدمی اختلافی مسائل بیان

کرتا ہے اور بغیر فیصلہ کے چھوڑ دیتا ہے اور صحیح بات کو نمایاں نہیں کر پاتا اس کا یہ عمل بھی ناقص ہے یا اگر قصداً غلط چیز کو صحیح قرار دیتا ہے تو اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔ اگر لاعلمی یا جہالت کی بناء پر ایسا کیا تو اس نے غلطی کی اسی طرح جو آدمی اشیاء کو اپنا ہدف بنالیتا ہے یا کئی ایسے اقوال نقل کرتا ہے جو الفاظ تو متعدد ہیں لیکن حقیقت ایک یا دو اقوال والا مفہوم رکھتے ہیں تو یہ بھی بے مقصد کاموں میں وقت ضائع کرنے والا ہے (اور جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہے) یعنی جھوٹا ہے۔(مقدمہ تفسیر ابن کثیر ج۱/ ۹ دارالفکر راجع مجموع الفتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۱۳/ ۳، ۱۸)

امام قرطبی رحمہ اللہ قرآن مجید کی آیت (جو ہمارے ان چوپاؤں کے پیٹوں میں ہے وہ خالصتاً ہمارے مذکروں کے لیے ہے۔(الانعام ۱۳۹) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عالم کے لیے ضروری ہے کہ مخالف کے اقوال پہچانے اگر چہ اس کو اختیار نہ کرے۔ تاکہ اس کے اقوال کی خرابی اس پر واضح ہو اور دیکھے کہ اس کا رد کیسے ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ان کے مخالفین کے اقوال بیان کیے ہیں تاکہ وہ ان کے اقوال کا فساد پہچان سکیں۔ (تفسیر قرطبی ج۷/ ۹۷ ط: دارالحدیث قاہرہ)

اس کتاب میں مذکور مسائل کی تفصیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ اور اس کتاب میں جو بھی میں نے بیان کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حق ہے اور اگر کوئی کمی کوتاہی یا غلطی ہو تو مجھ ناچیز کی خطاء ہوگی۔ جس پر میں اللہ سے معافی طلب کرتا ہوں اگر اس کتاب میں کوئی بات حق کے خلاف ظاہر ہو تو میں فوراً بتوفیق اللہ اس سے حق کی طرف رجوع کروں گا اگر چہ اس کا اظہار میرے مخالف کی جانب سے ہی کیوں نہ ہو۔

میں بطور مثال ابن الوزیر الیمانی رحمہ اللہ کا قول بیان کرتا ہوں۔ شیخ نے کہا سنت نبوی اور دینی قواعد کے دفاع سے میرا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ اگر اہل علم اس میں کسی کمی وخطا کو پا بھی لیں تو چیز میرے لیے نقصان دہ نہیں کیونکہ میں اس میدان کا بالکل ابتدائی طالب علم ہوں۔

میں نے اپنے ہم عصروں میں کوئی نہیں دیکھا جس نے اپنے آپ کو اس مسئلہ (اہم کام) کے لیے پیش کیا ہو۔ میں نے انتہائی عاجزی سے اپنے آپ کو اس کام کے لیے کھڑا کیا کیونکہ جب پانی نہ ہو تو مٹی سے تیمّم کیا جاتا ہے۔ لیکن جب علماء لوگوں کے ڈر سے حق کا دفاع کرنا ترک کردیں تو بہت سارا سرمایہ (دین) ضائع کردیں گے۔ یہ انتہائی خطرناک چیز ہے کیونکہ لوگوں کی اللہ کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حق کی خاطر لوگوں سے دشمنی مول لیتے ہیں۔ رب کی رضا کا متلاشی کبھی اس بات سے خائف نہیں ہوتا کہ اس کا کلام لوگوں کے لیے ہدف تنقید بن جائے گا بلکہ وہ تو حق کو پسند کرتا ہے جہاں سے بھی مل جائے اور جو بھی رہنمائی کرے اس سے رہنمائی حاصل کر لیتا ہے ۔(اے انسان) تیرا دوست وہ نہیں جو تیری تصدیق ہی کرتا رہے بلکہ تیرا دوست وہ ہے جو تیرے ساتھ سچ بولے (راجع الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم ۱۰،۹)

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ حق کو حق دکھلائے اور اس کی اتباع کی توفیق عنایت فرمائے اور باطل کا بطلان ہم پر واضح کردے اور اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ اور وہ ہمیں معاف کردے اور تمام مسلمانوں کو ایسی چیز پر جمع کردے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف جلد از جلد زبردست مدد فرمائے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ بات کو قبول کرنے والا ہے۔

وصلی اللہ علی محمد و الہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا

اور اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر بہت زیادہ درود و سلام نازل کرے۔

کتبہ

ابو عمرو عبدالحکیم حسان (حفظہ اللہ)

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

پہلا مقدمہ

حق کو بیان کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی ضروری ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور امت مسلمہ کی خیر خواہی دین اسلام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے ۔اور وہ آفات وامراض جو امت مسلمہ کے جسم کو تباہ و برباد کر دیتی ہے ان کے خلاف یہ ایک مضبوط قوت مدافعت ہے بلکہ دین اسلام کا دارومدار ہی اس چیز پر ہے۔اسی لیے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور بھی یہی اشیاء تھیں۔یوں کہہ لیں کہ یہ عمل اسلام میں ایک ایسے مضبوط نظام کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اسلام کی قوت وطاقت محفوظ ہو جاتی ہے اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کے احکامات محفوظ کیے ہیں۔

اس سے روگردانی کرتے ہوئے اس کو ترک کر دیا جائے تو ساری شریعت اسلامیہ معطل ہو کر رہ جائے گی۔اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا پہلا ہدف ہی ضائع ہو جائے گا،اور خانہ جنگی وفساد عام ہو جائے گا ،بستیاں اجڑ جائیں گی اور انسان ہلاک ہو جائیں گے۔

اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے وہی ہمت کرے گا جس کو حق پر قائم ہونے کا عزم واستقلال نصیب ہوگا۔اور اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسانیت حقیر ہوگی،نفس وگراں اشیاء اس کے سامنے بے وقعت ہونگی اور برضا ورغبت واختیار وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔یہی لوگ حقیقت میں انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور دینی شرائع واحکام جن کو لوگوں نے پس پشت ڈال دیا ہے اس کا احیاء کرنے والے ہیں۔حق پر پختگی کی یہ علامت ہے کہ وہ آدمی اخروی فوائد کی طرف امت کی رہنمائی کرے گا اور ان کو ان کے نقصان سے بچائے گا انسان کا حقیقی مخلص دوست وہی ہے جو اس کی اخروی زندگی کو سنوارتا ہے اگر چہ دنیاوی امور میں اس کو خسارہ ہی کیوں نہ ہو اور انسان کا اصل دشمن وہ ہے جو اس کی عاقبت وآخرت کو برباد کرے اگر چہ اس کی وجہ سے کچھ دنیاوی مفاد بھی حاصل ہو جائیں۔اسی وجہ سے ابلیس ہمارا دشمن اور نبیاء علیہم السلام مخلوق میں سب سے بڑھ کر مصلح خیر خواہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا اس نے اپنی قوم کو کہا ”میں نے تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور تمہاری خیر خواہی بھی کر دی ہے کیونکہ میں اللہ کی جانب سے کچھ ایسی چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے“ (اعراف:٦٢)۔حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا ”میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور میں امانت دار ہوں خیر خواہ ہوں۔(اعراف:٦٨)اور امت محمدیہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین ناصح تھے،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں ہر نبی نے اپنی امت کو اس کے فتنہ سے ڈرایا ہے،لیکن میں تم کو اس کی ایک ایسی علامت بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو نہیں بتلائی،وہ کانا ہوگا جبکہ تمہارا رب کانا نہیں①۔صحیح مسلم میں تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ،قرآن مجید،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لیے②۔

ہر صاحب استطاعت آدمی پر کما حقہ لوگوں کی خیر خواہی لازم ہے کیونکہ یہ دین کی اہم اساس ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد علماء امت اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ رہے،اگرچہ اس ضمن میں ان کو بعض لوگوں کی برائیوں اور عیوب کو واضح کرنا پڑا تو انہوں نے اعراض نفسانی سے اجتناب

①: صحیح بخاری،کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث نمبر ۷۱۲۷،۷۱۳۱۔اسی طرح یہ حدیث صحیح مسلم،ابن حبان،ابوداؤد،احمد،ابن ماجہ،مستدرک حاکم ،طبرانی،مصنف ابن ابی شیبہ،مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس،ابن عمر،ابن عباس،جابر بن عبداللہ ابوامامہ الباھلی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔امام ترمذی نے اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور فرمایا کہ اس مسئلہ میں حضرت سعد،حذیفہ،ابوہریرہ،اسماء،جابر بن عبداللہ،ابوبکر،عائشہ،انس فلتان بن عاصم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔

②: صحیح مسلم،کتاب الایمان باب اس چیز کے بیان میں کہ دین خیر خواہی کا نام ہے،امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں یہی عنوان قائم کیا ہے۔اسی طرح اس حدیث کو امام احمد،ابوداؤد،نسائی،ابن حبان،ابوعوانہ بیہقی نے سنن کبریٰ اور الاعتقاد میں،امام شافعی نے اور امام طبرانی نے طبرانی کبیر میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اسی طرح اس حدیث کو امام احمد،ترمذی،نسائی،ابن ابی عاصم نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور امام دارمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور امام احمد،ابویعلیٰ،طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے بالفاظ (راءس الدین النصیحۃ) اسلام کی اصل خیر خواہی ہے کہ عنوان سے اسے روایت کیا ہے۔

کرتے ہوئے امت مسلمہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے اور رب سے اجر کے طالب بنتے ہوئے اپنی کتابوں میں بے شمار جرح وتعدیل کے امور ذکر کیے ہیں۔

نصیحت ایک جامع کلمہ ہے اس کا معنی ہے منصوح لہ (جس کی خیر خواہی کی گئی ہے) کی کامل خیر خواہی کرنا ، یہ مختصر اسماء میں سے ہے ،عربی کلام میں اور کوئی کلمہ ایسا مفرد کلمہ نہیں ہے جو اس (النصیحہ) کے مفہوم کو کامل طور پر ادا کر سکے۔بعض کے نزدیک یہ لفظ (نصح الرجل ثوبہ اذا خاطہ) جب آدمی اپنا لباس مکمل سی لیتا ہے تو اس وقت یہ کلمہ نصح الرجل ثوبہ بولتے ہیں۔اس کلمہ کے ماخوذ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لفظ (نصحت العسل اذا اصفیۃ من الشمع) جب آدمی شہد کو موم سے صاف کر لیتا ہے تو اس وقت بولتے ہیں نصحت العسل۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق نصیحت :- انسان ایک اللہ پر ایمان رکھے،اس سے شریکوں کی نفی کرے ،اس کی صفات میں الحاد سے اجتناب کرے،اللہ کی اکمل واجل صفات کا تذکرہ کرے،اس کو ہر قسم کے نقائص وعیوب سے مبرا اقرار دے،اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرے،اوراس کی نافرمانی سے بچے ،لوگوں سے اللہ کے لیے ناراضگی اختیار کرے ،اللہ کے باغیوں اور منکرین کے خلاف جہاد کرے ،اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کا شکریہ بھی ادا کرے۔

اور اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھے کہ ان تمام امور کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہے وگرنہ اللہ تو اس کی بندگی سے بے پرواہ ہے

قرآن مجید کے متعلق نصیحت :- آدمی قرآن مجید پر ایمان رکھے کہ یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے ،دنیا کا کوئی کلام اس جیسا نہیں ہوسکتا،اس کا احترام کرے،اس کی تلاوت کو اپنا شعار بنائے ،اس کو اچھے اور صحیح انداز سے پڑھے ،اس کے احکام کو سیکھے اور اس پر عمل پیرا ہو،اس کی متعین کردہ حدود کی پاسداری کرے،اس کے محکم پر عمل کرے اور متشابہات سے بچے،اس کا دفاع کرے اور باطل پرستوں

کی تاویلات کارد کرے۔

رسول اللہ ﷺ کے متعلق نصیحت:- انسان نبی ﷺ کی تصدیق کرے اور جو شریعت آپ ﷺ لے کر آئے اس پر عمل پیرا ہو، نبی ﷺ جس کام کا حکم دیں وہ بجالائے،جس سے منع کریں اس سے رک جائے،اگر نبی ﷺ زندہ ہوں تو ان کی معیت میں مخالفین سے جہاد وقتال کرے،آپ ﷺ کی عزیمت وحرمت کا دفاع کرے،اگر نبی فوت ہوگئے ہوں تو تب بھی ان کی عزیمت وتوقیر اور احترام کو ملحوظ رکھے اور ان کا دفاع بھی کرے اور نبی ﷺ کی سنت کا دفاع بھی کرے،آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محبت رکھے۔

ائمہ مسلمین کے متعلق نصیحت:- برحق معاملات پر ان کے ساتھ تعاون کرنا اور اس پر ان کی اطاعت کرنا،نرمی وشفقت کے ساتھ ان کو ان چیزوں سے آگاہ کرنا جن سے وہ بے خبر ہوں،مسلمانوں کے حقوق ان کو یاد دلانا،عوام الناس میں پائی جانے والی برائیوں پر ان کو مطلع کرنا،ان کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کرنا،ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا،ان کی معیت میں جہاد کرنا،زکوۃ وصدقات کا مال ان تک پہنچانا،ان کے خلاف خروج وبغاوت سے اجتناب کرنا۔ائمہ مسلمین سے مراد وہ اصحاب دین ہیں جو امت مسلمہ کی خیر خواہی اور دینی راہنمائی میں اپنی صلاحیتیں صرف کریں اور دنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کریں۔طاغوتی اور سامراجی حکمرانوں،وزراء اور خلاف شریعت فیصلے کرنے والے راہنما اس سے مراد نہیں ہیں۔اور نہ ہی ان کی اطاعت واجب ہے۔

عام مسلمانوں کے حقوق:- عام مسلمانوں کی دنیاوی واخروی مفید امور میں ان کی راہنمائی کرنا ،ان کو اذیت نہ پہنچانا،ان کو دینی معاملات سکھلانے کا اہتمام کرنا،ان کے عیوب پر پردہ ڈالنا،ان کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا،وعظ ونصیحت میں ان کا خیال رکھنا،اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر ان کو رغبت دلانا۔ان کے ساتھ تمام امور میں محبت وشفقت کو ملحوظ رکھنا۔اسی طرح مسلمانوں

کی خیر خواہی میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ ان کو فسادیوں، گمراہ اور بدعتیوں سے بچایا جائے اور ان کے عیوب معتدل انداز میں ان پر واضع کیے جائیں خواہ وہ اس قسم کے نظریات وافکار کے قائل ہوں یا کسی مخصوص فقہ وآراء کی طرف منسوب لوگ ہوں①۔

احادیث صحیحہ اور اہل علم کے اقوال میں یہ بات عیاں طور پر ملتی ہے کہ فسادیوں اور بدعتیوں کے عیوب کو بیان کرنا جائز ہے۔اسی طرح جو کوئی اخبار واحادیث کو بیان کرتا ہے وہ بھی اس لائق ہے کہ اس کے حالات کو پرکھا جائے کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کا حصہ ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا فلاں فلاں آدمی کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ وہ ہمارے دین سے بالکل جاہل ہیں②۔راوی لیث بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں آدمی منافق تھے نبی ﷺ نے لوگوں کو ان کے شر سے بچانے کے لیے ان کی حالت کو اس انداز میں بیان کیا۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آئی میں نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ مجھ کو معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ تو کنگال آدمی ہے اور ابوجہم رضی اللہ عنہ اپنے کندھے سے اپنی لاٹھی نیچے نہیں رکھتا (یعنی عورتوں کو بہت زیادہ مارتا ہے)③۔اور نبی ﷺ نے اس فاطمہ ؓ سے کہا کہ تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا میں ایک غلام سے نکاح کرلوں ،تو پھر دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لے اس میں تیرے لیے خیر ہوگی ،تو فاطمہ رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا جس میں واقعی خیر ثابت ہوئی ۔اگر ایک عورت کی خیر خواہی دنیاوی معاملہ (نکاح) میں متعلقہ لوگوں کے عیوب بیان کرنے کا تقاضا کرتی ہے تو کیا اسلام پوری امت مسلمہ کے دینی معاملہ میں بعض

① تفسیر قرطبی ج۸/ ۲۲۷۔

② صحیح بخاری، کتاب الادب باب مایجوز من الظن حدیث نمبر ۶۰۲۷ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

③ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، طبرانی، بیہقی، موطا امام مالک اور امام شافعی نے اس حدیث کو اپنی کتاب الرسالہ میں ذکر کیا ہے۔

لوگوں کے عیوب بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا؟ (یقیناً دیتا ہے)۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ بتقاضائے خیر خواہی ضعفاء (ضعیف راویوں) پر جرح کرنا جائز ہے تاکہ ان سے احادیث وروایت لینے سے بچا جائے۔ کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوجہم رضی اللہ عنہ تو اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا ہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ویسے ہی فقیر آدمی ہے اس طرح احادیث وروایات بیان کرنے والے بعض افراد کے مخفی عیوب اگر بیان نہ کیے جائیں تو اس طرح حلال چیزیں حرام اور حرام چیزیں حلال ہو جائیں گی اور شریعت اسلامیہ چکنا چور ہو جائے گی لہٰذا یہ لوگ زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے عیوب ونقائص بیان کیے جائیں۔

عام مسلمانوں کی غیبت کی ممانعت:- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا'' تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو' (الحجرات)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان ''اے وہ مسلمانوں جنہوں نے زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کیا حالانکہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور ایک دوسرے ے عیوب تلاش نہ کرو①۔

---

① اس حدیث کو امام احمد ابویعلی نے روایت کیا ہے علامہ ہیثمی نے فرمایا رجالہ ثقات اور قضاعی نے مسند شہاب میں بیہقی نے شعب الایمان میں اور طبری نے صریح السنۃ میں امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں ابوبرزہ الاسلمی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وہ مسلمانوں جنہوں نے زبان سے قبول اسلام کا اقرار کیا اور ابھی تک ان کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا، تم مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور نہ ان کے عیوب تلاش کرو، جو کسی مسلمان کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب لوگوں پر نمایاں کر کے اس کو گھر کی چار دیواری میں رسوا کر دیتا ہے۔ اسی طرح امام ابویعلی موصلی، براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند حسن روایات میں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے پکار کر کہا، اے ان لوگوں کی جماعت جو زبان سے اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا، تم مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور نہ ان کے عیوب تلاش کرو کیونکہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ اس کے عیوب لوگوں پر واضح کر کے اس کو گھر کی چار دیواری میں ہی ذلیل کر دیتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبۃ اللہ کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا اے کعبہ تو کتنی عظمت والا ہے تو کتنی حرمت والا ہے لیکن اللہ کے ہاں ایک مومن کی حرمت تجھ سے کہیں بڑھ کر ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے، اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام قبول کر چکے ہو اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تم مسلمانوں کو ملامت وعار نہ دلاؤ، اور نہ ان کی غلطیاں تلاش کرو۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اگر تو مسلمانوں کے عیوب تلاش کرے گا تو قریب ہے کہ تو ان کو فساد میں مبتلا کر دیگا۔ (ابوداؤد، ابن حبان)

ایک حدیث میں لفظ قصیر (جھوٹا ہونا) بطور عیب اور دوسری میں بطور وصف بیان ہوا ہے:-

جس غیبت سے منع کیا ہے اس سے مراد کسی کے عیوب نقائص کو بطور خیر خواہی نہیں بلکہ اس کو رسوا کرنے کے لیے بیان کرنا ہے۔ دینداری اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی خائن کی خیانت ،فاسق کی بات اور جھوٹے آدمی کی گواہی سننے سے بچے۔ بعض دفعہ ایک ہی لفظ کے حالات کے مطابق دو مفہوم بھی ہوتے ہیں بعض دفعہ ایک کلمہ کہنے سے بندہ گنہگار ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کی ادائیگی سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اور پھر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک عورت کو چھوٹے قد والی کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے غیبت کی ہے ①۔ پھر خطیب نے اپنی سند کے ساتھ امام زہری سے بیان کیا کہ اس نے کہا مجھ کو ابن ابی رہم غفاری نے خبر دی کہ اس نے اپنے باپ ابورھم رضی اللہ عنہ سے سنا اور ابورھم رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی وہ (ابورھم رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک پر گئے یہاں تک کہ اس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے غفار قبیلہ کے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور میں نے آپ کو بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ما فعل النفر ابیض ؟ قد آور سرخ رنگ والے بڑے بڑے پیٹوں والوں کو کیا ہوا؟ میں نے ان کے پیچھے رہنے کا سبب بھی بیان کیا تو آپ نے پوچھا ما فعل السودا لجعد القطاط ، چھوٹے چھوٹے گھنے سیاہ بالوں والوں کو کیا ہوا② ؟ پھر باقی حدیث بیان کی۔ ان دونوں حدیثوں میں لفظ قصر مستعمل ہے یعنی

---

① ابوداؤد مسند احمد، ابن ابی الدنیا فی کتاب الغیبہ ،ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

② اس حدیث کو امام احمد نے امام طبرانی نے طبرانی کبیر میں ابن حبان نے امام بخاری نے الادب المفرد میں معافری نے السیر النبویہ میں احمد بن عمرو الشیبانی نے احادیث احاد ومثانی میں روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں ان احادیث کی اسناد میں ابن اخی ابی رھم (ابورھم کا بھتیجا) میں اس کو نہیں پہچانتا یہ کون ہے ثطاط کا مفہوم ، بوجھل پیٹ والے یا وہ آدمی جس کے داڑھی یا ابروں کے بال ہلکے ہوں ، یہ بھی کہا جاتا ہے کھبڑے پیٹ والا سست آدمی جس کے داڑھی کے بال کم ہوں ، یفقو لی یعنی جس کے رخسار پر ہلکی ہلکی داڑھی ہو ، یہ بھی کہا گیا کہ جس کے آبروں کے بال ہلکے ہوں ، امام اعرابی فرماتے ہیں ⇦

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں چھوٹے قد والی عورت کے لیے اور اس حدیث میں چھوٹے بالوں والوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ دونوں جگہ معنی مختلف ہے کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس کی عیب جوئی و مذمت تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پہچان و توصیف یہ کلمہ استعمال کیا ہے۔

پھر خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے انہوں نے عروہ بن زبیر سے وہ علقمہ بن وقاص سے وہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے **متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لینا:-** جب کچھ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا تو اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکل جاتا اس کو ساتھ لے جاتے۔ پھر لمبی حدیث بیان کی اس میں فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے میرے بارے میں مشورہ لیا، اسامہ رضی اللہ عنہ چونکہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بالکل پاک دامن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت بھی زیادہ ہے، اس لئے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ آپ کی بیوی ہیں ہم نے ان کو اچھی اور بہتر ہی دیکھا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عورتوں کی کوئی کمی نہیں، باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لونڈی بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ لیں یہ آپ کو صحیح حقیقت بیان کردے گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور پوچھا تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے

⇐ ہلکے ہلکے آبروں والے کو ثط کہتے ہیں، ابن درید فرماتے ہیں جس کی داڑھی کے بال ہلکے ہوں اس کو اثط نہیں بلکہ ثط کہتے ہیں، اگرچہ عام لوگوں نے اس کو اثط ہی کہا ہے، ابن بری جوالبیھقی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا کہ لفظ اور رجل ثط صحیح اثط بولنا غلط ہے۔ اور حدیث عثمان میں ہے کہ عامر عبد قیس کو لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ چھوٹی داڑھی والا غیر مستقل مزاج آدمی ہے۔ اور ابورہم کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنوغفار کے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں سوال کیا تو کہا جن کی ٹھوڑیوں کے نیچے ہلکے ہلکے بال ہیں ان کو کیا ہوا؟ ایک حدیث میں وہ چھوٹے قد اور ہلکی ہلکی داڑھیوں والوں کو کیا ہوا۔ اسی طرح یہ محاورہ ما فعل الحمر الثطاط اس لمبے آدمی کو کہا جاتا ہے ثطاط یہ ثط کی جمع ہے (لسان العرب/ ۲۶۷، ۲۶۸) الجعد القطاط بہت گھنے گھنگریالے بالوں کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ آدمی یا عورت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے رجل قطط بہت چھوٹا آدمی، امراۃ قطط بہت چھوٹی عورت، القطاط یہ قط کی جمع ہے، اس کی مزید جمع قططوں قططات بھی مستعمل ہے۔ الجعد اس کی جمع جعودۃ ہے بمعنی سخت گھنگریالے بالوں والا ہونا شعر قط وقطط چھوٹے بال اسی طرح جعد بھی قصیر کے معنی میں۔

آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں نے آج تک ان میں کوئی ایسا معاملہ نہیں دیکھا جس پر ان کو عیب دار گردانا جا سکے، صرف اتنا ہے کہ چھوٹی عمر ہے بعض دفعہ آٹا گوندھتی ہے تو پرندے وغیرہ اس سے کچھ کھا جاتے ہیں①۔ نبی ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ، اسامہ رضی اللہ عنہ، بریرہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے سوال پر ان کے پاس آپ ﷺ کی بیوی کے بارے میں جو علم تھا اس کا اظہار ان پر فرض تھا۔ اس طرح جس آدمی کے پاس بھی احادیث و آثار کے ناقلین کے بارے میں کوئی علم ہو کہ جس کے اظہار سے ان کی روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہو تو وہ اس کو ضرور بیان کرے ۔کیونکہ اس کو عوام الناس تک پہنچانا تو دین الٰہی کی مدد کرنا ہے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر جھوٹ باندھنے کو روکنا ہے وہ ناقلین کتنے بھی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں یہ چیز ضروری ہے، اس چیز کا انکار جاہل ومنکر کے سوا کوئی نہیں کرتا②(اگر آپ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں پوچھا جا سکتا تھا تو کیا ان کے بارے میں نہیں پوچھا جا سکتا۔ اس طرح رسول ﷺ سے جتنا قریب کا تعلق عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے ان کا نہیں ہو سکتا۔

ابوسفیان کی بیوی کا شکایت کرنا اور دو حریفوں کے درمیان کنویں کے جھگڑے کا معاملہ

ھند بنت عتبہ نے نبی ﷺ کو کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے③۔ یہ بات چونکہ استفتاء وسوال کے ضمن میں تھی اس لئے نبی ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ یہ حدیث بھی اس بات کی صریح دلیل کہ صحیح

---

①: بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، ابن حبان، حاکم، ابویعلی، طبرانی۔

②: الکفایہ فی علم الروایۃ ج۱/۴۰-۴۲۔

③: صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ھند بنت عتبہ نے نبی ﷺ کو کہا ابوسفیان بخیل آدمی ہے مجھے اور میرے بچوں کو جتنے خرچہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہیں دیتا اور پوچھا کہ اس کو بتائے بغیر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں آپ ﷺ نے فرمایا جائز طور پر تجھے اور تیرے بچوں کو جتنی ضرورت ہے اتنا لے لے یہی حدیث مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی، دارمی، ابوعوانہ، ابویعلی، طبرانی، شافعی میں بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

شرعی مقصد کے تحت کسی کا عیب بیان کرنا جائز ہے ۔اشعث بن قیس ؓ نے اپنے حریف کے بارے میں نبی ﷺ کو کہا کہ یہ فاجر آدمی ہے اسی طرح حضرمی نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے مدمقابل کے بارے میں کہا یہ فاجر آدمی ہے اس کے لیے قسم اٹھانے میں کوئی عار نہیں ۔نہ اس کو یہ پرواہ ہے کہ اس نے کس چیز کی قسم اٹھائی ہے① ۔اسی قسم کی ایک حدیث اماں عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو نبی ﷺ نے اجازت عنایت فرمائی اور کہا عشری قبیلہ کا یہ بدترین آدمی ہے، لیکن جب وہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے بڑی تحمل مزاجی ونرمی سے گفتگو کی ،اماں عائشہ کہتی ہیں (جب وہ چلا گیا) میں نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ آپ ﷺ نے اس کو بدترین بھی کہا اور باتیں بھی بڑی نرمی سے کیں ہیں ،تو نبی ﷺ نے فرمایا اے عائشہ ؓ بدترین وہ آدمی ہے جس کو لوگ اس کی بے حیائی کی وجہ سے بچتے ہوئے چھوڑ دیں② ۔

خطیب بغدادی ؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں نبی ﷺ کا (بئس اخوالعشیر ۃ) کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ سائل کو کسی آدمی کا عیب بیان کرنا جس سے دینی وعلمی فائدہ ہو بیان کرنا

---

①: شفیق بن سلمہ عبداللہ ابن مسعود ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے ناجائز طور پر کسی مسلمان کا مال لیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا ،اشعث بن قیس نے آکر پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود ؓ نے تم کو کیا بیان کیا ہے؟ شفیق کہتے ہیں ہم نے بتادیا اشعث نے کہا یہ فرمان میرے بارے میں نازل ہوا میرا ایک کنواں میرے چچازاد بھائی کے پاس ہے اس نے واپس کرنے سے انکار کردیا ۔نبی ﷺ نے مجھے کہا کوئی دلیل پیش کرو کہ یہ کنواں تمہارا ہے وگرنہ اس سے قسم لی جائے گی میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کی قسم کا کیا اعتبار وہ تو قسم اٹھا کر میرا کنواں لے جائے گا کیونکہ وہ ایک فاجر وفاسق آدمی ہے ۔اس موقع پر نبی ﷺ نے یہ فرمان سنایا۔من اقطع مال امری مسلم بغیر حق لقی اللہ عزوجل وھو علیہ غضبان ،اور نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی ،ان الذین یشرون بعھد اللہ وہ لوگ جو اپنی قسموں وغیرہ سے خریدتے ہیں اسے مسند احمد ابوداؤد نے روایت کیا یہ الفاظ مسند احمد کے ہیں ،مسلم ،طبرانی ،ابن حبان ،بیہقی ،ترمذی میں وائل بن حجر سے انہی الفاظ میں یہ روایت منقول ہے ،ایک آدمی حضر موت کا اور دوسرا آدمی کندہ کا دونوں نبی ﷺ کے پاس آئے ،حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ کی زمین پر اس نے قبضہ کرلیا ہے ۔کندی نے کہا کہ یہ میری زمین ہے میں اس میں کاشت کاری کرتا ہوں اس کا اس میں کوئی حق نہیں نبی ﷺ نے حضرمی کو کہا کیا تیرے پاس کوئی دلیل ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ قسم اٹھائے گا ۔حضرمی نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ فاجر آدمی ہے یہ قسم اٹھانے سے گریز نہیں کرے گا نہ اس کو یہ پرواہ ہوگی کہ کس چیز پر قسم اٹھا رہا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لیے بس یہ قسم ہی ہے ،اس نے قسم اٹھائی اور چلتا بنا ،جب وہ پلٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے فقط دوسرے کا مال ہتھیانے کے لیے قسم اٹھائی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں گے ۔

②: صحیح بخاری ،کتاب الادب لایجوز من اغتیاب اھل الفساد ،الادب المفرد ،مسلم ،مسند احمد ،جامع الترمذی ،ابوداؤد ،بیہقی ۔

ضروری ہے یہ غیبت نہیں۔کیونکہ اگر غیبت ہوتی تو نبی ﷺ کبھی یہ کلمہ نہ بولتے بلکہ اور انداز سے بات کرتے۔اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے یقیناً لوگوں میں مذموم و بدترین برائی بے حیائی ہے۔اس سے بچو نہ کہ اس کا نام لے کر اس کی وضاحت کرتے رہو۔اسی طرح اس حسن حدیث میں ہمارے لئے ائمہ محدثین غیر عادل آدمی کے بارے میں جرح کے کلمات کہتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ مخفی نہ رہے اور لوگ اس کو عادل سمجھ کر اس کی روایات قبول نہ کرتے جائیں،جب کسی معاملہ کا انکشاف ہمارے اس مذکور طریقے کے مطابق ہوگا تو وہ غیبت نہیں①۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا اسی طرح علانیہ فسق و برائیوں میں ملوث آدمی کی عدم موجودگی میں اس کا تذکرہ کرنا غیبت مذمومہ میں شامل نہیں ہے۔

علماءفرماتے ہیں ہر اس صحیح شرعی مقصد کے تحت جن سے کسی چیز کے حصول تک پہنچا جائے اس میں غیبت جائز ہے۔جیسا کہ کسی کا ظلم بیان کرنا،برائی کو مٹانے کے لیے مدد طلب کرنا،کسی کتاب پر فتویٰ طلب کرنا،باہمی جھگڑا کا فیصلہ کرنا،برائی سے بچانا اسی طرح اس میں راویوں پر جرح اور ان کے بارے میں گواہیاں بھی شامل ہیں۔اسی طرح کوئی بڑا ذمہ دار جس کے تحت مظلوم پس رہا ہو،اس کے بارے میں بتلانا۔یہاں تک ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اگر کسی دینی طالب کو دیکھتا ہے کہ وہ فسق و بدعت کی طرف مائل ہو رہا ہے اور خدشہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء کریں گے تو اس کی حالت بیان کرنا ضروری ہے۔اسی طرح ان لوگوں میں وہ آدمی بھی شامل ہے جو علانیہ فسق و بدعت کا مرتکب ہے②۔

امام غزالی رحمہ اللہ وہ امور جن میں غیبت کی اجازت ہے ان کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،ایسا شرعی مقصد جس تک کسی کی برائی واضح کیے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہو اس میں غیبت گناہ شمار نہیں ہوتی اور یہ کل

①:الکفایہ فی علم الروایۃ ج۱/۳۹۔

②:فتح الباری شرح صحیح البخاری للحافظ ابن حجر العسقلانی ج۱۰/۴۷۲۔

چھ چیزیں ہیں۔ یہاں تک شیخ نے فرمایا ان میں چوتھی قسم مسلمان کو برائی سے ڈرانا ہے اگر آپ کو معلوم ہے کہ کوئی عالم کسی بدعتی و فاسق آدمی کے بارے میں متردد ہے (اس سے قریبی اور گہرے معاملات رکھتا ہے) اور اس سے یہ خدشہ ہو کہ لوگوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے تو اس آدمی کی بدعت و فسق کی پرزور مذمت کرنا آپ پر لازم ہے①۔

غیبت کی بعض صورتوں کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! معلوم ہونا چاہیے کہ شرعی مقصد کے لیے غیبت کرنا جائز ہے جبکہ اس کے بغیر اصل مقصد تک پہنچنا ممکن نہ ہو، اس کے چھ اسباب ہیں (۱) دست درازی (ظلم) کا ہونا یہاں تک کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا چوتھا سبب مسلمانوں کو برائی سے ڈرانا اور ان کی خیر خواہی کرنا اور اس کے متعدد طریقے ہیں۔ مثلاً حدیث کے سلسلہ سند کے مجروح راویوں اور واقع کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے گواہوں پر جرح کرنا یہ مسلمانوں کے اجماع سے جائز بلکہ بوقت ضرورت واجب ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص کسی طالب علم کو دیکھے کہ وہ شریعت کا علم حاصل کرنے کے لیے بدعتی یا فاسق کے پاس جاتا ہے اور وہ یہ اندیشہ محسوس کرے کہ طالب علم کو اس بدعتی یا فاسق سے نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بدعتی کا حال بیان کر کے اس طالب علم کی خیر خواہی کرے، بشرطیکہ مقصد صرف خیر خواہی ہو.....②۔

غور کیجئے کسی مسلمان کے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ جب کسی مسلمان کو کسی بدعتی یا فاسق کے ساتھ گہرے معاملات کرتا دیکھے تو اس کو اس خطرہ پر آگاہ نہ کرے۔ اور جب وہ ایسا کرے گا تو لازمی طور پر اس یہ بات اس بدعتی یا فاسق تک پہنچے گی (بسا اوقات بدعتی وغیرہ بھی تو مسلمان ہو سکتا ہے) لیکن وہ اس کو ناپسند کرے گا۔ لیکن جب غیبت کسی کی بھلائی و خیر خواہی کے طور پر کی جائے اور مقصد بھی خالصتاً خیر خواہی کرنا ہو تو اس شرط پر ٹھیک ہے کیونکہ خیر خواہی نہ کرنا غیبت سے بھی کہیں بڑا جرم ہے۔

---

①: احیاء العلوم الدین للغزالی رحمہ اللہ ج ۳/ ۱۶۱، ۱۶۲۔

②: ریاض الصالحین للنووی/ ۵۷۵، ۵۷۸۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کئی بدعتی علماء ایسے ہوتے ہیں جن کی تحریر میں ہی کتاب وسنت کی مخالف ہوتی ہے، اور کئی بدعتی عابد بھی ایسے ہوتے ہیں جن کی عبادات ہی کتاب وسنت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ان علماء وعابدین کی حالت بیان کرنا اور لوگوں کو ان سے ڈرانا ضروری اور واجب ہے اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔

یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کہا گیا کہ ایک آدمی نماز، روزہ اور اعتکاف کا پابند ہے اور دوسرا بدعتیوں کا رد کرتا ہے ان میں آپ کو کون سا زیادہ پسند ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نماز، روزہ واعتکاف والے کی عبادت تو اس کی اپنی ذات کے لیے ہیں اور جو بدعتیوں کا رد کرتا ہے وہ تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کر رہا ہے لہٰذا یہ افضل ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خیر خواہی کا فائدہ دینی لحاظ سے تمام مسلمانوں کو ہوتا ہے اور یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے۔

اللہ کے دین، منہج وشریعت کا دفاع اور اس کو دشمنوں اور ظالموں سے بچانا باجماع مسلمین فرض کفایہ ہے۔اگر اللہ تعالیٰ ان فسادیوں کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کو کھڑا نہ کرتا تو یہ دین تباہ وبرباد ہو جاتا اور تباہی میدان کارزار کے دشمنوں کی تباہی سے بھی زیادہ سنگین تباہی ہے کیونکہ وہ پہلے کسی قوم پر غالب آتے ہیں اور بعد میں ان کے دین کو برباد کرتے ہیں۔

جبکہ بدعتیوں کے دین پر تو ان کے پیروکار ہی ہوتے ہیں اور بدعتی لوگ تو خود ہی اندر رہتے ہوئے دین کو برباد کرتے اور دلوں کو خراب کرتے ہیں①۔یہاں تک کہ یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں سنت کا دفاع افضل ترین جہاد ہے اور مجاہد کبھی تو اپنے عمل میں مخلص وعادی ہوتا ہے اور کبھی گناہ گار وفاجر ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے دین کی مدد گناہ گار لوگوں یا ایسے لوگوں سے بھی کرتا ہے جن کا اس میں کچھ بھی حصہ نہیں ہوتا②۔

---

①: مجموع الفتاوىٰ ج ۲۸/ ۲۳۱،۲۳۲۔

②: بخاری، مسند احمد، نسائی، طبرانی، بیہقی، یہ حدیث مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوعوانہ، سنن الدارمی اور طبرانی صغیر میں بھی ہے لیکن صرف (رجل الفاجر) گناہ گار آدمی۔

اجتہاد اور تاویل میں غلطی کرنے والے کی اصلاح ضروری ہے:- اسی لیے تو حدیث میں آیا ہے کہ امیر اچھا ہو یا برا اس کی معیت میں جہاد کر کیونکہ عملاً جہاد کرنے والا آدمی لازمی طور پر قابل قدر ہے، اگر وہ مخلص ہو کر کرے گا تو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے قابل قدر ہوگا کیونکہ اس نے دین اسلام کی مدد کی ہے۔اسی طرح وہ آدمی ہے جو سنت رسول ﷺ و دین اسلام کی مدد کرتا ہے ①۔

اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی حدیث بیان کرنے میں یا فتویٰ و قیاس میں زھد و عبادت میں غلطی کرتا ہے اس کی حالت کو بیان کرنا ضروری ہے خواہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہو۔اگرچہ مجتہد غلطی کے باوجود بھی اجر کا مستحق ہے لیکن کتاب وسنت سے ثابت شدہ بات کو بیان کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔خواہ وہ انسان کے اپنے قول و عمل ہی کے خلاف کیوں نہ ہو اور معروف مجتہدین کا مذمت کے انداز میں تذکرہ جائز نہیں ہے ②۔

اسی لیے ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث (کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک کام کے لیے بھیجا اور وہ کچھ مال لے کر آیا اور کہنے لگا یہ میرے لیے ھدیہ ہے تو آپ ﷺ بڑے غصے میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کیا وہ اپنی ماں اور باپ کے گھر میں بیٹھا یہ دیکھ رہا تھا کہ فلاں اس کو ہدیہ دے گا) کے فوائد میں فرمایا کہ اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ جو آدمی کسی ایسے تاویل کرنے والے کو دیکھے کہ اس سے تاویل میں ایسی غلطی ہوئی ہو کہ اگر وہ لوگوں میں معروف ہو جائے تو لوگوں کو اس سے نقصان ہوگا تو اس آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اس غلطی کو واضح کرے تاکہ اس سے دھوکہ کھا جانے والوں کو ڈرایا جا سکے ③۔

بدعتی گمراہ اور قرآن وحدیث کے معانی میں تحریف کرنے والوں کے عیوب بیان کرنا ضروری ہیں اس چیز کو بیان کرتے ہوئے ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں سے ہے اور فرمایا یہ

---

①: مجموع الفتاویٰ ج ۴/۱۴۔

②: مجموع الفتاویٰ ج ۲۸/۲۳۳۔

③: فتح الباری ج ۱۳/ ۱۶۷۔

مُلحدین، فلسفی، رافضی، قدری، جہمی، اور ان کے متبعین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں کذاب لوگوں کی گھڑی ہوئی احادیث کے مفہوم پر روایات بناتے ہیں لہٰذا کتنی ہی آفات ہیں جو ان گروہوں کی وجہ سے اسلام پر آئیں ۔ یہ دونوں گروہ اسلام کے دشمن اور صراط مستقیم کے خلاف مکروفریب کرنے والے ہیں، سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ اگر آپ ان محرفین کا حسن کلام، بیان فصاحت، باطل معانی، فاسد تاویلات دیکھیں تو حیرت میں پڑ جائیں گے اور زمین میں دفن ہونے کی تمنا کریں گے ۔ بعض اوقات تو آپ تعجب کریں گے اور بعض پر ہنسیں گے اور کوئی روئیں گے، اور جانوروں سے بدتر اس مخلوق نے اسلام اور وحی الٰہی پر جو ستم ڈھائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ تکلیف محسوس کریں گے ۔

ان ظالموں کے عیوب کو اور ان کے قواعد وضوابط کے فساد و بطلان کو بیان کرنا افضل ترین جہاد ہے نبی ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا جب تک رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتا رہے گا جبریل امین علیہ السلام تیرے ساتھ ہے ① اور آپ ﷺ نے فرمایا ان کی مذمت بیان کر جبریل علیہ السلام تیرے ساتھ ہے ۔ اور نبی ﷺ نے دعا کی ''اے اللہ اس کی مدد فرما جب تک یہ تیرے پیغمبر کا دفاع کرتا ہے ② ۔ اور نبی ﷺ نے اس کی مذمت کا ان اثر بیان کرتے ہوئے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں

---

①: صحیح بخاری و مسند احمد میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا تو مشرکین کی ھجو کو بیان کرتا جا جبریل علیہ السلام تیرے ساتھ ہے ابن حبان و حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن روایت نہیں کیا ۔ طبرانی کبیر میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا تو جب ان کی ھجو کرتا ہے جبریل علیہ السلام تیرے ساتھ ہوتا ہے ۔ سنن کبریٰ بیہقی، مسند احمد، سنن النسائی، فضائل صحابہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یوم قریظہ کے دن نبی ﷺ نے حسان رضی اللہ عنہ کو کہا مشرکین کی مذمت کر یقیناً جبریل علیہ السلام تیرے ساتھ ہے ۔ ابن ابی شیبہ میں امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا اس نے بھی آپ کی مخالفت کی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حسان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو میں نے نبی ﷺ نسے سنا ہے شعر گوئی میں اللہ تعالیٰ نے حسان رضی اللہ عنہ کی جبریل امین علیہ السلام سے مدد کی ہے ۔

②: امام بخاری، نسائی، احمد، بیہقی، سعید ابن مسیّب سے بیان کرتے ہیں اس نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے پاس سے گزرے حسان رضی اللہ عنہ مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے حسان رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس وقت بھی مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا جب رسول ﷺ زندہ تھے پھر حسان رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو نے نبی ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ اے اللہ جبریل علیہ السلام کے ذریعے اس کی مدد فرما ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں سنا ہے یہی حدیث طبرانی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور مسلم، ابن حبان، بیہقی، طبرانی میں بھی لیکن وہاں ابن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے ۔

محمد ﷺ کی جان ہے (ھجو) ان پر تیروں سے بھی زیادہ سخت ہے①۔ان چیزوں کا بیان جہاد فی سبیل اللہ سے کیسے نکل سکتا ہے ۔جب کہ یہ تمام باطل تاویلات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ ،سلف صالحین رحمہم اللہ اور محدثین رحمہم اللہ کے خلاف ہیں۔اوران باطل تاویلات کا بانی کتاب وسنت کی نصوص کے بارے میں بدگمان ہوتا ہے اوراس کی تاویلات ان منافقین ملحدین سے ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ پر اور اسلام پر طعن کرتے ہیں کیونکہ اس کی کلام سے یہ بات بالکل عیاں ہورہی ہے کہ اللہ کا کلام (معاذ اللہ) جھوٹ ،محال ،کفر وضلالت ،تشبیہ تمثیل اور تخیلاتی ہے ۔پھران الفاظ کو ایسے القاب میں پیش کرنا جس سے اس کلام اللہ کو قصے کہانیاں وغیرہ سمجھا جائے ۔جبکہ ایک ناصح جس کا مقصد صرف خیر خواہی ہو اس کا کلام کبھی بھی ایسا نہیں ہوسکتا اور قرآن وسنت کا دفاع انسان کے لیے ایک نافع اور مقبول ترین عمل ہے②۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے حقیقی خیر خواہی اور ممنوع غیبت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا غیبت ونصیحت میں یہ فرق ہے کہ نصیحت وخیر خواہی کا مقصد مسلمان کو بدعتی ،فتنہ پرور، دھوکے باز اور فسادی سے ڈرانا ہوتا ہے یہاں تک کہ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا جب اللہ اوراس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کی خیر خواہی کے طور پر غیبت ہو تو وہ دیگر نیکیوں کی طرح قرب الٰہی کا ذریعہ ہے③۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ سے تین سوال اوران کے جواب (ا) کہ نبی ﷺ نے فرمایا فاسق کا تذکرہ غیبت

---

①:سنن نسائی، ابن خزیمہ، بیہقی ،ابویعلی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں فتح مکہ سے پہلے نبی ﷺ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے یہ پڑھ رہا تھا، خلو بنی الکفار عن سبیلہ   الیوم نضربکم علی تنزیلہ   ضربا یزیل الھام عن مقیلہ   ویزھل الخلیل عن خیلہ   اے کافروں کی اولاد نبی ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، آپ ﷺ کے نزول کے باوجود آج ہم تم کو ایسا ماریں گے جس سے تمہاری کھوپڑیاں گردنوں سے اڑ جائیں گی اور دوست دوست سے بھاگ جائے گا۔عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن رواحہ تو حرم میں نبی ﷺ کی موجودگی میں شعر پڑ رہا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دے مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ کلام ان پر تیرں سے بھی زیادہ سخت ہے اس کو المقدسی نے المختار میں نقل کیا ہے حدیث صحیح ہے ابن حجر نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں اس کو حسن قرار دیا ہے یہ حدیث تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ صحیح ابن ماجہ مسند ابی یعلی بیہقی میں بھی مذکور ہے۔

②:الصواعق المرسلة علی الجھمیة والمعطلة لابن القیم ج۱/۳۰۰،۳۰۲۔

③: کتاب الروح لابن القیم/۳۲۲ط:مکتبة المدنی

نہیں ہے۔(۲)فسق کی حد کیا ہے؟(۳)ایسا آدمی جو دو ایسے آدمیوں کے بارے میں جھگڑتا ہے جن میں ایک شرابی یا شرابی کا مجلسی یا حرام کھاتا ہے یا ناچ گانا ورقص وسرور وغیرہ کی مجالس میں جاتا ہے،اور دوسرا آدمی اس کے ان بداعمال کی وجہ سے اسے سلام نہیں کہتا،تو کیا ایسے آدمی کو سلام نہ کہنے والے پر کوئی گناہ ہے؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فاسق وفاجر کی غیبت کا جواز بیان کرتے ہوئے اور نصیحت اور غیبت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیطان بعض لوگوں کو ان کے مخالفین کی دشمنی خیرخواہی کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔اور پھر فرمایا لاغیبۃ لفاسق یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔انہوں نے فرمایا کیا تم فاجر آدمی کے عیوب سے اعراض کرتے ہو اس چیز کو لوگوں کے سامنے بیان کرکے ان کو اس سے ڈراؤ۔ایک دوسری حدیث میں ہے جس نے حیاء کی چادر اتار دی اس کی کوئی غیبت نہیں۔اس بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان دونوں قسم کے افراد کی غیبت جائز ہے۔ایک تو وہ آدمی جو علانیہ گناہ کا مرتکب ہے مثلاً ظالم ہے یا بے حیاء،یا کتاب وسنت کے برعکس بدعت کا مرتکب ہے،جب کوئی برائی نظر آئے تو حسب استطاعت اس کا خاتمہ ضروری ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،جو کوئی تم میں سے برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر اتنی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے①۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا اے لوگو! تم قرآن پڑھتے ہو اور اس میں آیت ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

①:امام مسلم،نسائی،ابوعوانہ،بیہقی نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں نماز عید سے قبل خطبہ کا آغاز سب سے پہلے مروان نے کیا تو ایک آدمی نے کھڑا ہوکر کہا خطبہ سے پہلے نماز ہے۔اس نے کہا وہ باتیں متروک ہو چکی ہیں،ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اس آدمی نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے ،اگر اتنی استطاعت بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے یہ کمزور ترین ایمان ہے۔سنن ابی داؤد،مسند احمد،سنن ابن ماجہ،مسند ابی یعلی،میں یہ حدیث طارق بن شہاب سے مروی ہے وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں اس نے فرمایا عید کے دن مروان نے منبر منگوایا اور نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کر دیا ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے تو نے منبر منگوایا حالانکہ (خطبہ عید کے لیے) منبر نہیں منگوایا جاتا اور تو نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کر دیا۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اس نے اپنا حق ادا کر دیا،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اور وہ اس کو ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو ختم کر دے اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو اس کو دل سے برا جانے یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ‘‘ اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں (المائدہ ۱۰۵)۔ بھی پڑھتے ہو لیکن اس کو غلط جگہ استعمال کرتے ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے لوگ جب برائی دیکھتے ہوئے بھی اس کو بدلنے کی کوشش نہ کریں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو کوڑا تمام لوگوں پر برسا دے①۔ جو آدمی بھی برائی اختیار کرتا ہے اس کی مذمت و تردید ہر آدمی پر ضروری ہے بلکہ اگر وہ اس کو ترک نہ کرے تو ایسے آدمی سے کنارہ کشی کرنا ضروری ہے سلف صالحین کے قول کا بھی یہی مفہوم ہے، لیکن اگر کوئی آدمی مخفی طور پر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو دوسرے آدمی کو چاہیے کہ اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اس کی اصلاح کرے، اور اگر وہ باز نہ آئے تو خیر خواہی کرتا ہوا اس سے علیحدگی اختیار کرے اس وقت تک کہ وہ جب تک اس سے تائب نہ ہو جائے۔ (دوسری قسم) جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے اپنے نکاح، یا کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں یا کسی چیز پر کسی کو گواہ مقرر کرنے کے بارے میں اس سے مشورہ طلب کرتا ہے تو مشورہ دینے والے کے لیے ضروری ہے جس کے بارے میں مشورہ لیا گیا ہے اسکی مکمل صورت حال کو واضح کرے۔ جیسا کہ حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو ابوجہم رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح بھیجا تو نبی ﷺ نے کہا کہ ابوجہم رضی اللہ عنہ تو عورتوں کو بہت مارتا ہے اور معاویہ فقیر و کنگال ہے اب ان پیغام نکاح دینے والوں کی حالت کو نبی ﷺ نے اس عورت پر واضح کر دیا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے قول ’’تم برے آدمی کے عیوب سے کیوں

---

①:: ایک روایت میں ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت پڑھی (یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم) پڑھی اور فرمایا لوگ اس آیت کا غلط مفہوم لیتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا لوگ جب کسی ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہیں روکیں گے یا برائی دیکھ کر اس کو مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے تو اللہ سب پر اپنا عذاب نازل کر دے گا۔ سنن ابی داؤد میں اسماعیل سے مروی ہے اس نے کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا تم اس آیت (یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم) کو پڑھتے ہو اور اس کا معنی غلط لیتے ہو ہم نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا لوگ جب ظالم کا ظلم بھی دیکھ لیں مگر اس کو ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے، اسی طرح سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ بھی ہیں وہ قوم جس میں رب کی نافرمانی ہوگی اور وہ اس کو مٹانے پر قادر ہونے کے باوجود اس کو مٹاتے نہیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل کر دے امام ابوداؤد فرماتے ہیں امام شعبہ نے اس بارے میں فرمایا اس سے مراد ایسی قوم ہے جس کی اکثریت معصیت میں مبتلا ہے۔

اعراض کرتے ہواس کولوگوں کے سامنے بیان کر کے لوگوں کواس سے ڈراؤ'' کی بھی یہی دلیل ہے کیونکہ دینی معاملات میں خیر خواہی دنیاوی معاملات سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔جب نبی ﷺ نے دنیاوی معاملہ میں عورت کی خیر خواہی کی ہے تو دین کا معاملہ اس سے بہت بڑا ہے۔اسی طرح جس آدمی کا بے نماز و بدکار آدمی سے میل جول ہے اوراس کوڈر ہے کہ وہ اپنے دین کوتباہ و برباد کرلے گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس آدمی پر اس کی برائی واضح کردے اوراس سے میل جول سے بھی اجتناب کرے۔اگر کوئی بدعتی آدمی کتاب وسنت کے مخالف عقائد ومنہج کا علمبردار ہے اوراس سے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خدشہ ہوتو اس کی گمراہی کولوگوں پر کھولنا ضروری ہے تاکہ عوام الناس اس (گمراہی) سے بچ سکیں۔

یہ تمام کام اس وقت جائز ہیں جب مقصد فقط اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہولیکن اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے اپنی ذاتی دشمنی ورنجش کی بناپر کوئی ایسا کام کرتا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ خیر خواہی کررہا ہے تو یہ انسان حقیقت میں شیطانی عمل کررہا ہے، کیونکہ اعمال کا اعتبار تو نیتوں پر ہوتا ہے اور جیسی آدمی کی نیت ہوگی ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔بلکہ خیر خواہ کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اللہ اس انسان کی اصلاح فرمادے۔اوراس کے ضرر سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوجائیں اوراس مقصد کی تکمیل کے لیے اسکوموزوں اورسہل انداز اختیار کرنا چاہیے①۔

میں کہتا ہوں: سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ شریعت کے دفاع اور مسلمانوں کی دینی دنیاوی معاملات میں خیر خواہی کرتے ہوئے بعض لوگوں کے عیوب بیان کرنا جائز ہے بلکہ بسا اوقات تو ضروری ہے اسی قسم سے وہ لوگ جو مسائل دینیہ میں گمراہ ہوئے یا خطا کر گئے خصوصاً وہ لوگ جو اصول میں غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔بعض اوقات خطا کار آدمی بہت متقی اور پرہیز گار ہوتا ہے تو ایسا آدمی بھی جن مسائل میں غلطی کرجائے تو اس کی عبادت، ریاضت اور زہد وورع اس کی خطا کے بیان میں مانع

①: مجموع الفتاوی ج ۲۸/ ۲۱۹، ۲۲۱۔

نہیں ہونا چاہیے ۔کیونکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول سے اس چیز کی اہمیت واضح ہو چکی ہے ۔بہت سارے حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں کچھ لوگوں کے عیوب کو بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ قرآن مجید کی آیت ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ'' کچھ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں (البقرہ ۸) ۔کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی رذیل خصلتوں کو واضح کیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان ان کو اپنا سمجھتے ہوئے کسی بڑے فتنے کا شکار نہ ہو جائیں ۔کیونکہ یہ لوگ حقیقت میں کافر ہیں اس آیت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ باطل پرستوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا کبیرہ گناہ ہے①۔

یہ عمدہ بحث ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ایمان وکفر کے مسائل میں سستی اور کوتاہی اختیار کیے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہمیں اس چیز کا علم نہ بھی ہو تو ہمارے لیے کچھ مضر نہیں بقول ابن کثیر رحمہ اللہ یہ لوگ باطل پرستوں کے بارے میں حسن ظن رکھ کر بہت بڑے فساد کا شکار ہو چکے ہیں۔

یہ لوگ ان کو مسلمان گردانتے ہیں اور لوگوں کو ان کے قریب کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ ان باطل پرستوں کے بارے میں حسن ظن اختیار کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت جیسی خطرناک چیز میں واقع ہو جاتے ہیں ۔اگر لوگ مخطی کی خطاء اور گمراہ کی گمراہی کو اس کے علم وفضل کی بناء پر ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کو واضح کرنا ترک کر دیں گے تو دنیا میں حق کا حق ہونا اور باطل کا بطلان کبھی ثابت نہیں ہو سکتا ۔اگر کوئی آدمی اللہ کی رضا و مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے اس بارے میں مزید تفصیلات چاہتا ہے تو جرح وتعدیل کی کتب کا مطالعہ کرے کیونکہ یہ ضعیف ومتروک راویوں کے اسماء حالات اور ان کے بارے میں سخت ترین جرحی کلمات سے بھری پڑی ہیں۔

حالانکہ یہ لوگ بھی زاہد عابد اور متورع انسان تھے لیکن اس کے باوجود کسی عالم نے ان کے نام

---

①:تفسیر ابن کثیر ج۱/۴۷ ط: دار الفکر۔

،القاب یا وجہ بیان کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا کیونکہ یہ غیبت نہیں بلکہ حقیقت میں ایمان والوں کا فریضہ خیر خواہی ہے①۔ بلکہ اگر خیر خواہی کے لیے کسی عام یا بدعتی آدمی کی خطا پر اس کی نشان دہی بھی کرنا پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ بھی ایک ایسی عبادت ہے جس کا اجر ضرور ملے گا ۔ان شاءاللہ

نضر بن شمیل رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے امام شعبہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا آؤ ہم رب کی رضا کے

---

①: بے شمار علماء نے جرح وتعدیل پر کتابیں لکھی ہیں لیکن کسی نے بھی رواۃ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے اور دین حنیف کو اغیار کی آلائشوں سے بچانے کے لیے کبھی کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔ میں بطور نمونہ امام سیوطیؒ کی عمدہ تصنیف تدریب الراوی کا اقتباس پیش کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں النوع الحادی وستون ۔فصل نمبر ۶۱ ضعفاء وثقات کی پہچان ۔صحیح وضعیف کی پہچان کی یہ ایک اہم قسم ہے اس فن پر بے شمار محدثین کی کتابیں موجود ہیں ۔بعض نے فقط ضعفاء پر کتاب لکھی ہے جیسے امام بخاری ،نسائی عقیلی ودارقطنی وغیرہ ہیں ۔اور بعض نے فقط ثقات پر کتب تصنیف کی ہیں جیسے ابن حبان کی کتاب الثقات اسی طرح امام ساجی ،ابن حبان ،ازدی ،ابن عدی وغیرہ کی کتب ہیں ۔یہاں تک کہ اس نے کہا بعض کتابوں میں ضعفاء وثقات اکھٹے مذکور ہیں جیسے امام بخاری کی (تاریخ الکبیر والصغیر) ابن ابی خیثمہ کی کتاب التاریخ یہ زبردست مفید کتب ہے اسی طرح امام ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل اور ابن سعد کی طبقات ابن سعد اور امام نسائی کی التمییز وغیرہ۔شریعت کی حفاظت ودفاع کے لیے جرح وتعدیل کا ہونا بہت ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان جاءکم فاسق'' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کے آئے تو اس کی تحقیق کرو متکلم کے لیے اس فن میں پختگی ضروری ہے کیونکہ بہت لوگ ثقہ کو مجروح قرار دے کر غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تعدیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ان عبداللہ رجل صالح' عبداللہ نیک آدمی ہے اور جرح کرتے ہوئے فرمایا بئس اخوالعشیر ہ اور آپ ﷺ نے فرمایا فاجر کی برائی بیان کر کے لوگوں کو اس سے ڈراؤ۔ بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور بعد والوں نے لوگوں پر کلام کیا ہے بقول صالح بن جزرہ سب سے پہلے امام شعبہ نے پھر اس کی اقتداء کرتے ہوئے یحیٰ بن سعید قطان نے اور پھر احمد بن حنبل نے اور پھر ابن معین نے راوی پر کلام کیا ہے صالح جزرہ کا مطلب ہے کہ منظّم طریقے سے یہ کلام سب سے وغیرہ وغیرہ نے شروع کیا ابوبکر بن خلاد نے یحیٰ بن سعید کو کہا تجھے اس بات سے ڈر نہیں لگتا کہ لوگوں کی احادیث کو تو نے ترک کر دیا ہے اللہ کے ہاں وہ تیرے خلاف جھگڑیں گے؟ یحیٰ بن سعید نے کہا یہ لوگ میرے خلاف جھگڑیں گے تو مجھے اس بات سے زیادہ محبوب نہیں کہ نبی ﷺ میرے خلاف جھگڑا کریں اور کہیں تو نے میرے احادیث کا دفاع کیوں نہیں کیا؟ ابوتراب نخشی نے امام احمد بن حنبل کو علماء کی غیبتیں نہ کرنے کو کہا امام احمد نے کہا تجھ پر افسوس ہو یہ ان کی غیبتیں نہیں خیر خواہی ہے۔بعض صوفیوں نے عبداللہ بن مبارک کو کہا غیبت نہ کیا کر مبارک نے کہا اپنی زبان بند کر اگر ہم یہ بیان نہ کریں تو حق وباطل میں تمیز کیسے ہوگی ۔ہاں متکلم کیلئے پختگی ضروری ہے امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے فرمایا مسلمانوں کی عزتیں جہنم کے گھڑے ہیں ہیں جن کے کنارے دو جماعتیں کھڑی ہیں ایک محدثین کی اور دوسرے حاکم ،ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا اس آگ میں گرنے کے پانچ اسباب ہیں (۱) ذاتی اغراض وخواہشات یہ بدترین چیز ہے اور متاخرین کی تاریخ میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے (۲) عقائد میں مخالفت (۳) اہل علم اور صوفیہ کے درمیان اختلاف (۴) علم کے مراتب سے جہالت کے سبب یہ صنف زیادہ متاخرین میں پائی جاتی ہے، جو پہلے لوگوں کے علوم میں مشغول ہو گئے جس میں حق وباطل علم حساب وھندسہ،طب،احکام،نجوم وغیرہ سب کچھ شامل ہے مگر متاخرین نے اصول علم کو چھوڑ کر نجوم کو پکڑ لیا (۵) عدم ورع کی وجہ سے توہم پرستی ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں ایک باب معاصرین کی بعض دوسرے معاصرین پر جرح اور ان پر واضح کیا کہ اھل علم صرف واضح قبول کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی للسیوطی ج ۲/ ۳۶۸،۳۷۰)

لیے غیبت کریں (یعنی احادیث کے راویوں کی تحقیق کریں)②۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''الکفایہ فی علم الروایہ'' میں احادیث کے ضعیف راوی کی غیبت کے جواز پر سلف کے مذاہب پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اس کو بیان کرنے پر ہی ہم اپنے مسئلہ کا اختتام کرتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کچھ احادیث بیان کرنے کے بعد صلت ابن طریف سے بیان کیا کہ اس نے حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا اگر میں علانیہ برائی کرنے والے کے عیوب بیان کروں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی ؟حسن رحمہ اللہ نے کہا نہیں پھر (خطیب نے) اپنی سند کے ساتھ حسن رحمہ اللہ سے بیان کیا اہل بدعت کی کوئی غیبت نہیں یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے امام شعبہ، سفیان، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جو احادیث میں اتہام بازی سے کام لیتا ہے یا احادیث کی حفاظت نہیں کرتا تو انہوں نے کہا اس کا معاملہ لوگوں کے سامنے بیان کرو۔

مسلم بن حجاج کہتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن علی کہتے ہیں ہم کو عفان نے بیان کیا اس نے کہا ہم اسمعیل بن علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی سے کوئی چیز بیان کی میں نے کہا یہ تو پختہ راوی نہیں ہے اس آدمی نے مجھے کہا تو نے اس کی غیبت کی ہے اسمعیل بن علیہ نے کہا اس نے غیبت نہیں بلکہ فیصلہ دیا ہے کہ وہ پختہ آدمی نہیں ہے۔

پھر خطیب رحمہ اللہ نے اپنی سند کو عبدالرحمٰن بن یوسف بن قراش تک بیان کیا اس نے کہا محمد ابن خلف نے بیان کیا ہم ابن علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی نے لیث بن ابی سلیم کے بارے میں سوال کیا، حاضرین میں سے ایک نے کہا لیث بن ابی سلیم تو قابل اعتماد آدمی ہی نہیں تو اس کی حدیث کو کیا کرنا

①: سیرۃ اعلام النبلاء للذھبی ج ۷/۲۲۳۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فوت شدگان کا بے مقصد فحش الفاظ میں تذکرہ یا ان پر ناجائز طعن کرنا جس کا کوئی شرعی فائدہ بھی نہ ہو یا ان کے عزیز و اقارب کو تکالیف دینا مقصد ہو تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فوت شدگان کو گالیاں نہ دو وہ تو انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ سنن نسائی میں سعید بن جبیر سے مروی ہے وہ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فوت شدگان کو برا بھلا نہ کہا کرو تم زندوں کو تکلیف نہ دو (نوٹ) ہماری مذکورہ بحث اور اس بات میں نمایاں فرق ہے۔

تو ایوب کی حدیث کے بارے میں سوال کیوں نہیں کر لیتا؟ سائل نے کہا کیا تو ایک عالم دین کی غیبت کرتا ہے؟ ابن علیہ نے کہا اے جاہل انسان یہ غیبت نہیں امانت ہے اور تیری خیر خواہی ہے۔ پھر خطیب نے اپنی سند عبدالرحمٰن بن مہدی تک بیان کی اس نے کہا میں شعبہ کے ساتھ جا رہا تھا اس حال میں کہ ایک آدمی اس کو کچھ بیان کر رہا تھا شعبہ نے کہا اس نے جھوٹ بولا ہے اور اگر میرے لیے خاموش رہنا جائز ہوتا تو میں ضرور خاموش رہتا۔ پھر خطیب نے اپنی سند حماد بن زید تک بیان کی اس نے کہا میں اور عباد بن عباد اور جریر بن حازم نے شعبہ بن حجاج سے ایک آدمی کے بارے میں کلام کی کہ آپ ہمیں اس کے بارے میں بتائیں کیونکہ وہ ضعیف معلوم ہوتا ہے۔

ابوبکر بن خلاد کہتے ہیں میں نے یحیٰی بن سعید کو کہا کیا تجھے اس چیز سے ڈر نہیں لگتا کہ تو نے جن لوگوں کی احادیث کو چھوڑ دیا ہے وہ اللہ کے ہاں تجھ سے جھگڑا کریں گے؟ یحیٰی بن سعید نے کہا اللہ کے ہاں یہ میرے خلاف جھگڑیں میں اس کو پسند کرتا ہوں نہ کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے جھگڑیں اور مجھے کہیں تجھے پتہ تھا کہ فلاں آدمی جھوٹا ہے پھر تو نے اس سے کیوں حدیث بیان کی؟

امام ابن مبارک رحمہ اللہ کو کچھ صوفیوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا تو غیبت کرتا ہے؟ اس نے کہا خاموش ہو جا یہ بیان نہ کریں تو حق و باطل میں تمیز کیسے ہو گی۔

ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو سے مروی ہے اس نے کہا میں نے ابومسھر سے سنا اس سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو احادیث میں اغلاط، وہم وتصحیف وتحریف کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس نے کہا اس کے معاملے کو بیان کرو میں نے ابومسھر کو کہا کیا آپ اس کو غیبت نہیں سمجھتے؟ اس نے کہا نہیں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے اس نے کہا ابوتراب نخشی میرے باپ (احمد رحمہ اللہ) کے پاس آیا تو میرے باپ نے کہا فلاں ضعیف ہے فلاں ضعیف ہے اور فلاں ثقہ ابوتراب نے کہا' استاد جی کیا یہ غیبت نہیں؟ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو یہ غیبت نہیں خیر خواہی

ہے۔

محمد بن بندار السباک الجرجانی سے مروی ہے اس نے کہا میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا مجھے یہ چیز بہت ناگوار گزرتی ہے کہ میں کہوں فلاں ضعیف ہے فلاں جھوٹا ہے تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میں اور تو خاموش ہو جائیں تو عوام الناس کو کون بتلائے گا کہ صحیح کیا اور ضعیف کیا ہے؟

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ایسے مرجئہ نظریات کے حامل یا ایسے شیوخ کے پاس جاتے ہیں جن میں کچھ امور خلاف سنت پائے جاتے ہیں آیا میں ان پر خاموشی اختیار کروں یا ان سے محفوظ رہوں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ بدعت کا داعی یا علمبردار ہے تو پھر اس سے بچنا بہت بہتر ہے①۔

شرعی فائدہ کے بغیر غیبت کی ممانعت اور مسلمان کی عزیمت کے دفاع کا بیان:-

بہت سارے مسلمان لاپرواہی میں اپنے مسلمان بھائیوں کے عیوب بیان کرتے ہیں ہر مجلس میں غیبتیں عام ہوتی ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ حالانکہ جس مسلمان کے پاس کسی دوسرے بھائی کا کوئی عیب بغیر کسی شرعی مقصد کے بیان کیا جائے اس کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ایک آدمی نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا وہ تو منافق ہے اسکو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی محبت نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کر دیا کہ یہ بات نہ کہو②

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی نے کعب مالک کے بارے میں کہا اس کو مال کی کثرت نے روک لیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے بہت غلط بات کہی ہے اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم ہم نے تو اس کو بہتر ہی دیکھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر خاموش ہو گئے③۔

---

①:: الکفایہ فی علم الروایة ج۱/۴۲ تا ۴۶۔

②: صحیح البخاری، مسلم، مسند احمد، مسند ابی یعلی، نسائی فی عمل الیوم واللیلة

③:: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے کی احادیث بخاری ومسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، ابن حبان، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی، مستدرک حاکم، سنن دارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام مالک اور طبرانی کبیر میں مذکور ہیں۔

احادیث میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کر دے گا①۔

امام مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں جس نے اپنے مسلمان بھائی کا غیبت اور دیگر تکلیف دہ امور سے دفاع کیا تو اللہ اس کو اس کے عمل کا بدلہ جہنم سے آزادی کی شکل میں دیں گے ۔کیونکہ مسلمان کی عزت اس کے خون کی طرح ہے جس نے اس کو برباد کیا گویا اس نے اس کو قتل کر دیا تو جس نے مسلمان کی عزت بچالی تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو آگ سے آزادی کی شکل میں بدلہ دیں گے یا آخرت کے لیے اس کے درجات میں بلندی کر دی جائے گی کلمہ من عموم سے یہ بات واضح ہوئی کہ وہ آدمی کافر یا فاسق نہ ہو کیونکہ طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: وکان حقا علینا نصر المومنین، صرف ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے②۔

---

①:: اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے امام ابن القطان فرماتے ہیں اس حدیث کا درجہ صحت ساقط ہونے کا سبب یحییٰ بن بکیر کا والد مرزاق نیمی ہے جو مجہول الحال ہے امام احمد نے ان الفاظ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے جس آدمی نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ پر حق ہے کہ جہنم کی آگ سے دور کر دے بیہقی وطبرانی میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اپنے بھائی کی ذات سے غیبت کا دفاع کیا اللہ پر حق ہے کہ اس کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرمایا ہے اس کی سند میں ضعف ہے امام منذری نے ترغیب وترھیب میں فرمایا، اس حدیث کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن ابی الدنیا اور طبرانی نے۔ (دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ٦/ ٤٩، کشف الخفاء ج ٢/ ٣٢٧)

②: فتح القدیر ج ٦/ ١٣٥، ١٣٦۔

دوسرا مقدمہ

علم کی فضیلت اس کی اقسام اور وہ علم جو حاصل کرنا واجب ہے

علم کی فضیلت : اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو کتاب وسنت کے ساتھ مبعوث فرما کر امت پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ۝ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیۡکُمۡ وَ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِ**'' اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔ جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جس سے تم بے علم تھے۔ اس لیے تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور تم کفر نہ کرو (البقرۃ)۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے ان میں اپنا رسول بھیجا تا کہ وہ ان (بندوں) کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے دلوں کو ایمان کی روشنی کے ساتھ زندہ کرے اور شرک وکفر کی گمراہی سے ان کو نجات دے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''**لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ**'' (بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان میں سے ایک رسول ﷺ ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے (آل عمران: ١٦٤)۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ**

عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ''(اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے(البقرۃ: ۲۳۱)۔

ایک تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:'' هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ''(وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے(الجمعۃ ۳)۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا جب انہوں نے کہا'' رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ'' (اے ہمارے رب! ان میں انہیں سے ایک رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے(البقرہ: ۱۲۹)۔

کتاب و سنت میں اس علم نبوی ﷺ اور اس کے اہل علماء کی فضیلت کے متعلق جو کہ نبوت کی میراث ہے بہت سے دلائل وارد ہوئے ہیں ① یہاں ہم اختصار کے ساتھ بیان کریں گے اور جو شخص مزید تفصیل سے آگاہی چاہتا ہو وہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب (فضل العلم) اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب مفتاح دارالسعادۃ کا مطالعہ کرے، کیونکہ ہمارے علم کے مطابق یہ دونوں کتابیں علم کی فضیلت پر لکھی جانے والی بہترین کتابوں میں سے ہیں۔واللہ اعلم۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی گواہی کو اپنی اور ملائکہ کی گواہی کے ساتھ ملایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ''(اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے

---

①: یہ لفظ ایک حدیث رسول ﷺ سے اخذ کیا ہے جسے ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، والدارمی، والبزار نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ہیثمی نے کہا اسے راویان ثقہ ہیں اور ابن الجوزی نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد صالحہ ہیں۔اور بخاریؒ نے اس حدیث کے ساتھ باب العلم قبل القول والعمل باندھا ہے۔

ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا وآخرت کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں(آل عمران:۱۸)۔اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے متعلق اپنی گواہی کو فرشتوں اور علماء کی گواہی کے ساتھ ملایا ہے اور یہ گواہی بہت بڑی گواہیوں میں سے ہے، کیونکہ یہ گواہی ایک عظیم چیز توحید پر ہے جو کہ دین اسلام کی بنیاد واساس ہے اور گواہی دینے والے رب العزت عزوجل اور فرشتے ہیں۔

علم کے شرف وفضل اور اہل علم کے بلند مرتبہ ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ ان کی گواہی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملایا گیا ہے۔امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی مشہود علیہ یعنی اپنی وحدانیت کے بلند مرتبہ ہونے پر لی ہے،جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِماً بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ''(اللہ تعالیٰ،فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا وآخرت کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔(آل عمران:۱۸)یہ آیت کریمہ کئی ایک وجوہ سے علم اور اہل علم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

①: تمام انسانیت سے صرف علماء سے گواہی لی گئی۔

②: اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی کو اپنی گواہی کے ساتھ ملایا۔

③:ان کی گواہی کو فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملایا۔

④:اس بات سے علماء کی پاکیزگی وتعدیل ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے صرف عادل لوگوں ہی سے گواہی طلب کرتے ہیں۔

جیسا کہ نبی ﷺ سے منقول ایک معروف اثر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس علم کو ہر آئندہ جماعت سے اس کے عادل لوگ ہی لیں گے جو اس سے (حد سے) بڑھنے والوں کی تحریف ،اور باطل کے

جھوٹ باندھنے اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے①۔

(۵): اللہ تعالیٰ کا ان کو علم کے ساتھ موصوف کرنا ان کے اختصاص (خصوصیت) پر دلالت کرتا ہے اور ان کا علم غیر عارضی ہے۔

(۶): اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس خود گواہی دی اور وہ عزیت والا و برتر گواہ ہے۔ پھر اس نے اپنی بہترین مخلوق فرشتوں سے گواہی طلب کی اور اپنے بندوں میں صرف علماء سے گواہی طلب کی اور لہٰذا اہل علم کے فضل وشرف میں یہی بات کافی ہے۔

(۷): اللہ تعالیٰ نے جس امر پر ان کی گواہی لی وہ ایک عظیم اور بہت بڑا حکم ہے اور وہ ہے (لا الـــہ الا اللہ) کی گواہی۔ چونکہ مشہود بہ ایک امر تھا۔ اس لیے مخلوق کے اکابر اور سادات کی گواہی لی گئی②۔

دوسری دلیل: نبی ﷺ نے علم کے علاوہ کسی اور چیز میں اضافہ کی دعا نہیں کی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ''وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا'' کہہ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما (طٰہٰ: ۱۱٤)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے فرمان (وقل رب زدنی علما) اے پروردگار کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو علم کے سوا کسی چیز میں اضافے کے مطالبہ کرنے کا نہیں کہا۔ یعنی دنیا کی کسی اور چیز مال ومتاع وغیرہ میں اضافہ کی کوئی دعا کرنے کا حکم نہیں دیا③۔

تیسری دلیل: علم کی بدولت درجات کی بلندی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ''یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ'' اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو

---

①: یہ حدیث عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو ابن العاص اور ابو ہریرہ اور جابر بن عبداللہ اور سامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے لیکن بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث مرسل یا معضل ہے۔ ابن القطان نے کہا کہ اس میں ابراہیم العرمی غیر معروف ہیں، اسے ابن معین ،ابوحاتم ،ابن حبان ،ابن عدی نے ضعیف کہا ہے حافظ العراقی نے کہا کہ اس حدیث کے کئی راوی ہیں مگر سب ضعیف ہیں (تدریب الراوی ج۱/۳۰۲) (مفتاح دارالسعادة ج۱/۱٦۳)

②: مفتاح دارالسعادة ابن قیم رحمہ اللہ ج۱/ ۴۸، ۴۹۔

③: فتح الباری ج۱/۱۷۰۔

علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کرے گا(المجادلة ۱۱)۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن عالم کے جاہل مومن پر درجات بلند کردے گا۔اور درجات کی بلندی اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے،جبکہ اس سے مراد کثرت ثواب ہے جس کی وجہ سے درجات بلند ہوتے ہیں۔اور دنیا میں یہ رفعت و بلندی حسی طور پر جنت میں بلند مرتبے کی صورت میں ہوگی①۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ روایت بیان کی ہے کہ نافع بن عبدالحارث نے عسفان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ۔جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ پر امیر مقرر کیا ہوا تھا،تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے وادی والوں پر کس کو امیر بنایا ہے؟انہوں نے کہا ابن ابزیٰ کو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ابن ابزیٰ کون ہے؟انہوں نے کہا کہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے غلام کو ان پر امیر بنایا ہے انہوں نے کہا کہ وہ کتاب اللہ کے قاری ہیں اور ترکہ (علم وراثت) کو خوب باٹنا جانتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا سنو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے سبب سے کچھ لوگوں کو بلند کرے گا اور کچھ لوگوں کو گرادے گا②۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں مرتبے کے اعتبار سے سب سے بلند وہ لوگ ہوں گے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام اور علماء ہیں③۔

چوتھی دلیل: دین نہ سیکھنے والا بھلائی سے محروم ہوتا ہے: امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں

①:فتح الباری ج۱/۱۴۱۔

②:اس حدیث کو مسلم،ابوداؤد،ترمذی،احمد،بیہقی نے روایت کیا ہے۔

③:جامع البیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر ج۱/۳۵۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے ①۔

یہ حدیث اپنے منطوق کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدمی کا دین کی سمجھ بوجھ (علم وفقہ) رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے اور یہ حدیث اپنے مفہوم کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص دین کی سمجھ بوجھ (علم ومعرفت) نہیں رکھتا اور نہ ہی احکام شرح کو سیکھتا ہے وہ تمام بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا یعنی قواعد اسلام اور اس کی فروعات کے علم کو نہیں سیکھتا وہ تمام خیر و بھلائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ایک دوسری ضعیف سند سے روایت کیا ہے جس کے آخر میں یہ اضافہ ہے جو شخص دین کی سمجھ حاصل نہیں کرتا اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس حدیث کا معنی درست ہے کیونکہ جو شخص امور دینیہ کی معرفت نہیں رکھتا نہ وہ فقیہ ہے نہ فقہ کا طالب، تو اس کے متعلق یہ کہا اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں کیا گیا بالکل بجا اور درست بات ہے۔ یہ حدیث علماء کی تمام لوگوں پر فضیلت اور علم دین کی تمام علوم پر فضیلت کو ظاہر کرتی ہے ②۔

پانچویں دلیل: علم انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں او زمین کی ہر مخلوق دعا کرتی ہے: امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کے راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

---

①::اسے بخاری، مسلم، احمد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ترمذی، احمد اور ابن حبان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

②: فتح الباری ج ۱/ ۱۶۵۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کے رستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے رستے پر چلائے گا، فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں عالم کے لیے آسمان اور زمین کی ہر چیز حتیٰ کہ مچھلیاں بھی جو پانی میں بخشش طلب کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسا کہ چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے بلاشبہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء دینار و درہم کا ورثہ چھوڑ کر نہیں گئے، انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔ لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ پالیا①۔

یہ حدیث علم اور اہل علم کی فضیلت پر کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے:

(ا): طلب علم جنت کی طرف جانے والے رستوں میں سے ایک رستہ ہے۔

(ب): عالم کے لیے آسمان وزمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے۔

(ج): علم نبوت کی میراث ہے۔

رسالت کی تبلیغ یں علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، امام قرطبی رحمہ اللہ علم اور اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیان ہے کہ فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں اور احترام واکرام کا اظہار کرتے ہیں، ایسا وہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے صرف اہل علم کے لیے کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں پر آدم علیہ السلام کے متعلق لازم کیا تو انہوں نے اس ادب کو قبول کر لیا لہٰذا جب بھی انہیں کسی بشر کے متعلق علم کا پتہ چلتا ہے تو یہ علم اور اہل علم کی تعظیم اور ان کی رضامندی کی خاطر اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں اور احترام واکرام کا اظہار کرتے ہیں۔ جب طالب علم کی یہ شان ہے تو علماء ربانیین کا مرتبہ کس قدر بلند ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کردے بے شک وہ بڑے فضل والا عظیم ہے②۔

①: ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اسے روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

②:: تفسیر قرطبی ج ا/ ۲۸۸، ۲۸۹۔

امام قرطبی رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان یعنی فرشتے اپنے پروں کو رکھتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ دو معنوں کی متحمل ہے:

(ا) فرشتے اپنے پروں کو طالب علم پر لطف ومہربانی کرتے ہوئے رکھتے ہیں جیسا کہ اولاد کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ '' اوراحترام اورمحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنے رکھنا یعنی ان کے ساتھ لطف وکرم سے پیش آنا(بنی اسرائیل:۲٤) ۔

(ب) پروں کو رکھنے سے مراد ان کو بچھانا ہے کیونکہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں اور بلاشبہ فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں، یعنی فرشتے جب کسی طالب علم کو دیکھتے ہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے لیے کسب علم کررہا ہے اوراس کی خاطر اس نے اپنے تمام احوال کو وقف کررکھا ہے، تو وہ اس کی رحلت اوراس کو اٹھانے کے لیے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں، اور یہ بات مسلّم اورعیاں ہے کہ اگروہ پیدل ہوتو اسے تھکاوٹ نہیں ہوتی ، دوردراز کی مسافتیں اس کے لئے قریب ہوجاتی ہیں اور عام طور پر مسافر جن مصائب سے دوچار ہوتا ہے مثلاً بیماری، مال کا ضیاع اور گمراہی وغیرہ ان سے طالب علم محفوظ ومامون ہوتا ہے①۔

چھٹی دلیل: علم ہی نوراورحیات ہے اور جہالت تاریکی وموت ہے: علم زندگی اورنور ہے اوراس کی ضد جہالت وموت کی تاریکی ہے۔اورشر وبرائیوں کا سبب حیات اورنور کا نہ ہونا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا '' ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کوزندہ کردیا اورہم نے اس کوایک ایسا نوردے دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جوتاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا(الانعام:۱۲۲)۔

①:تفسیر قرطبی ج۸/۲۹٦۔

یعنی جہالت کی وجہ سے اس کا دل مردہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے علم کے ذریعہ زندہ کیا اور اسے ایمان کی روشنی نصیب کی جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَ یَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ '' اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھر گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا اللہ بخشنے والا مہربان ہے (الحدید:۲۸)۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓؤُھُمُ الطَّاغُوْت یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ''(ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں (البقرة۲۵۷)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ '' آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں بے شک آپ راہ راست کی رہبری کررہے ہیں (الشوریٰ:۵۲)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ علم ایک روح ہے جس کے ذریعہ سے حیات ونور اور روشنی واجالا حاصل ہوتا ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلین یعنی حیات اور نور کو جمع فرما دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ''البتہ تحقیق

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست (صراط مستقیم) کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے (المائدہ ١٥،١٦)۔

ساتویں دلیل: طلبِ علم بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے: طلب علم کے راستے میں جہاد ہے اور جہاد چاہے تلوار کے ساتھ ہو یا برہان و حجت کے ساتھ اسے جہاد فی سبیل اللہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے فرمان ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' فرماں برداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرماں برداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تم میں سے اختیار کرنے والوں کی (امیر کی) (سورۃ النساء:٥٩)۔

اس آیت کی تفسیر کی گئی ہے کہ علماء اور امراء کی فرماں برداری کرو کیونکہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں یہ لوگ (یعنی امراء) اپنے ہاتھوں سے جہاد کرتے ہیں۔ پس علم سیکھنا اور سکھانا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں یہ لوگ (یعنی امراء) اپنے ہاتھوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ پس علم سیکھنا اور سکھانا اللہ کی راہ میں ایک بہت بڑا جہاد ہے

کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کو طلب کرنے والا صبح وشام اللہ کی راہ میں جہاد کرنے ولے کی طرح ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جو شخص علم سیکھتے یا سکھاتے فوت ہو گیا وہ شہید ہے۔ سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے علم حاصل کیا گویا کہ اس نے اللہ سے بیعت کی ہے ۔ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص صبح وشام علم حاصل کرنے کو جہاد تصور نہیں کرتا ایسے شخص کی عقل ناقص ہے۔ (ابن قیم رحمہ اللہ)

آٹھویں دلیل: علم کا سلطان یعنی عالم ہی یعنی عالم ہی حقیقی سلطان اور غالب ہوتا ہے: یہ علم کا غلبہ ہاتھ کے غلبے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حجت علمیہ کا نام

سلطان رکھا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لفظ سلطان قرآن مجید میں ہر جگہ حجت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ’’ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ھُوَ الۡغَنِیُّ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِھٰذَا ‘‘ وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں (یونس:٦٨)۔یعنی تمہارے پاس تمہارے دعوی کی کوئی دلیل و حجت موجود نہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ’’ اِنۡ ھِیَ اِلَّآ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡھَآ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ‘‘ دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری (نجم:٢٣)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل و برہان نازل نہیں کی بلکہ یہ تمہارے اور تمہارے آباؤاجداد کا کرشمہ ہے تم نے اپنی طرف سے ان معبودوں کو نام دے دیئے ہیں۔مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجیت علمیہ کا نام سلطان اس لیے رکھا ہے کہ یہ اپنے صاحب کے تسلط کو واجب کرتی ہے اور جاہلوں پر اس کو غالب مقتدر بنا دیتی ہے۔بلکہ علمی غلبہ ہاتھ کے غلبے کی بہ نسبت زیادہ بڑا ہے اسی وجہ سے لوگ ہاتھ کے تابع ہونے کی بجائے حجت کے مطیع ہوتے ہیں بلاشبہ دل حجت کے مطیع ہوتے ہیں اور یہ دل ہاتھ و جسم کے لیے حاکم و افسر ہے اور یہ اعضاء مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں، حجت دل کو قیدی بنا کر اس کی قیادت کرتی ہے اور مخالف کو ذلیل و رسوا کرتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں علم کو لازم پکڑو بلاشبہ اس کو اللہ کی راہ کے لیے حاصل کرنا عبادت ہے کیونکہ اس کی معرفت سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور اس کے متعلق بحث کرنا جہاد ہے اور اسے ایسے شخص کو سکھانا جو بے علم ہے صدقہ ہے، اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح ہے، اسی کے ساتھ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے، اسی کی وجہ سے اللہ کی تمجید اور توحید کا پتہ چلتا ہے علم کے

ذریعے اللہ تعالیٰ اقوام کو بلند فرماتے ہیں، اوران کو لوگوں کا پیشوا و مقتدا بناتے ہیں جن سے وہ راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اپنی آراء سے باز آجاتے ہیں①۔

ابو الاسود الدؤلی فرماتے ہیں کہ بادشاہ لوگوں پر حکمران ہیں اور علماء بادشاہوں پر حکمران ہیں②۔

اشعث بن شعبہ المصیصی کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ مقام رقہ میں ان کی جاریہ (لونڈی) بھی کہ موجود تھی اتفاق سے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی تشریف آوری رقہ میں ہوئی، امامؒ کی آمد پر ایک شور وغل کی آواز بلند ہوئی تو جاریہ نے پوچھا ادھر کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حافظ الحدیث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ رقہ میں آئے ہیں اہل شہران کے استقبال میں بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ جاریہ نے کہا اللہ کی قسم بادشاہ تو ان کو کہتے ہیں کہ ان کے سامنے ہارون کی بادشاہت ہیچ ہے کیونکہ امام رحمہ اللہ کی تعظیم و تکریم میں آدمی کتنی بے تابی سے دوڑ رہے ہیں اور ہارون کی آمد پر آدمی صرف پولیس و حکام کے ڈر سے آتے ہیں③۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی قراءت نفلی نماز سے بہتر ہے اور علم حاصل کرنا نفلی نماز سے افضل ہے④۔

علم کے چار مراتب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کر کے آگے دوسروں تک پہنچایا بہت سے عالم بات کو اپنے سے بڑے عالم کی طرف پہنچاتے ہیں، اور بہت سے فقہ کے حامل دوسرے فقیہ کے بیان کرنے سے استفادہ کرتے ہیں⑤۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس

①:: رواہ ابن عبدالبر عن معاذ رضی اللہ عنہ مرفوعاً والموقوف اصح۔

②: ابن عبدالبر۔ ③: سیر اعلام النبلاء للذھبی رحمہ اللہ ج ۸/۳۸۴۔

④:: الحلیہ ابی نعیم ج ۹/۱۱۹۔

⑤:: اسے ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، ابوداود، شافعی، حاکم اور دارمی نے مختلف الفاظ کے ساتھ زید بن ثابت، عبداللہ ابن مسعود معاذ ابن جبل، جبیر ابن مطعم اور انس رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حاکم نے کہا بخاری اور مسلم کی شرط پر حدیث صحیح ہے۔

کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علم کے کچھ مراتب ہیں جن میں پہلا علم کو سننا اور دوسرا اس کو سمجھنا یعنی جب کوئی شخص علم کو سنے تو اسے اپنے دل میں اچھی طرح محفوظ کرلے یہاں تک کہ وہ اس کے دل میں اس قرار پکڑلے جیسے کوئی چیز برتن میں قرار پکڑتی ہے اور اسے اتنا ذہن نشین کرے کہ وہ اس کے ذہن سے کبھی بھی نہ نکلے جس طرح کہ اونٹ یا دیگر چوپاؤں کو اچھی طرح باندھ دیا جائے تو وہ بھاگ نہیں سکتے اسی وجہ سے عقل وفہم کو علوم کے مطابق ادراک پر زیادہ اہمیت حاصل ہے تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ علم کو اچھی طرح محفوظ از بر کرلیا جائے کہ وہ کبھی بھی نہ بھولے، چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس علم کی امت میں تبلیغ واشاعت کرے تاکہ امت میں اس کی ترویج سے اس کا ثمرہ ومقصود حاصل ہو۔علم کو سیکھنے سکھانے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے ایسے میں اس کی چمک دمک مزید دوبالا ہوجاتی ہے۔پس جو شخص ان چاروں مراتب پر عبور رکھتا ہو وہ اللہ کے نبی ﷺ کی اس مذکورہ حدیث دعوت نبوی ﷺ کا مصداق ہے۔

علم کے اقسام اور اس کی فرضیت

علم کی دو قسمیں ہیں (۱)علم نافع (۲)غیر نافع

① **علم نافع**: وہ علم ہے جو مکلّف سے مطلوب ہو اور بالجملہ اسے حاصل کرنا شرعی طور پر مستحب وواجب ہو۔

② **علم غیر نافع**: وہ علم جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(ا) اس کو حاصل کرنے سے مکلّف کو دین ودنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

(ب) یا وہ اس وجہ سے غیر فائدہ مند ہے کہ شرعی طور پر اس کو حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہو۔اس تقسیم کی صحت پر بہت دلائل ہیں جیسا کہ جادو سکھانے کے متعلق اللہ کا فرمان ہے ’’وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا

یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ ''(یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے (البقرہ:۱۰۲) ۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بعض لوگ ایسے علوم سیکھتے ہیں جو انہیں دنیا و آخرت میں نفع کی بجائے نقصان پہنچاتے ہیں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو سودمند نہ ہو اور اس دل سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس پر خشیت طاری نہ ہو اور اس نفس سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو قبول نہ ہو①۔ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث اور اس کے عنوان کی دیگر احادیث کو ایک باب کے تحت نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ سنت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک فائدہ منداور دوسرا غیر فائدہ مند غیر فائدہ مند علم سے اللہ کی پناہ پکڑنی چاہیے اور فائدہ مند علم کا سوال کرنا چاہیے۔ ہر وہ علم شرعاً غیر مطلوب ہے جو مکلّف کی دنیا و آخرت کے لیے غیر مفید ہو بلکہ ایسا علم حاصل کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ قابل نفرت اور مذموم تکلف ہے جو عمر اور کوشش وسعی کو ضائع کر دیتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ''(عبس ۳۱)۔کی شرح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے منبر پر سورہ عبس پڑھی اور جب مذکورہ آیت پر پہنچے تو کہا فاکھة کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ ابا کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے تیری عمر کی قسم اے ابن خطاب! یہ تو تکلف ہے یہ اسماعیلی کی روایت ہے اور ہم اس بحث کے مکلّف نہیں جس کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا۔اسی کے ہم معنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اثر منقطع ہے کیونکہ ابراہیم تیمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں

---

① :: اس کو مسلم، نسائی، بیہقی، ابن حبان، ابن ماجہ، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے، حاکم نے کہا کہ بخاری و مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ مختصر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لمبی دعا سے جس کے الفاظ یہ ہیں۔''اللھم انی اعوذبك من العجز والكسل والجبن والبخل والهرم وعذاب القبر ، اللھم آت نفسی تقواها وزكها انت خير من زكاها انت وليها ومولاها ، اللھم انی اعوذبك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها ''اور صیغہ امر کے ساتھ وارد ہوئی''سلوا الله علما نافعا وتعوذوا بالله ن علم لا ينفع ''یعنی اللہ سے سوال کرو علم نافع کا اور پناہ مانگو علم غیر نافع سے۔

پایا①۔ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی تائید میں چند منقطع روایات ذکر کرنے کے بعد ان کا ایک دوسرے کو قوی کرتا ہے②۔کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ابتدائی چاند کے متعلق سوال کیا کہ یہ ابتدا میں چھوٹا اور پھر بڑا کیوں ہوتا ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی ''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ''(لوگ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے(البقرۃ:١٨٩)۔لوگوں نے جس چیز کے متعلق سوال کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دینے کی بجائے انہیں اور ہی جواب دیا کیونکہ ان کا سوال ہی ایسا تھا جس کا سائلین کو کچھ فائدہ نہ تھا نہ ہی غیر سائلین کو کچھ فائدہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کو ایسی چیز کی طرف پھیر دیا جو ان کے دین و دنیا کے لئے فائدہ مند تھی۔بالجملہ ہر وہ علم جس سے مکلّف کو دین و دنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو شرعاً غیر مطلوب ہے۔اور ممنوع علم، ہر وہ علم ہے جو کسی بھی وجہ سے کتاب و سنت کے مخالف ہو جیسا کہ کفار کے علوم ہیں جن کے ساتھ وہ رسولوں سے معارضہ کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے''فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ''(پس جب بھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے۔بالآخر جس چیز کو مذاق میں لڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی(مومن:٨٣)۔

جن علوم کو حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے ان میں فلسفہ و منطق علم کلام بھی داخل ہے۔مسلمانوں کے اندر یونانی علوم فلسفہ وغیرہ رواج پا چکے ہیں۔یہ ان میں سب سے زیادہ مضر ہیں۔یہ بات جان لیجئے کہ لوگوں کا عام طور پر علم کے مسائل میں اور بالخصوص اصول دین کے مسائل میں گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے کلام اللہ اور کلام الرسول ﷺ میں تدبر و تفکر کرنے کی بجائے علم

①:تفسیر ابن کثیر ج۴/۴۴۳۔

②::فتح الباری ج۱۳/۲۷۱۔

فلسفہ کے ساتھ مشغولیت اختیار کرلی ہے۔حالانکہ یہ ان کے لیے نقصان دہ بات ہے اور اس علم سے ان کو عمر کے ضیاع اور حیرانی و پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

علم کلام اور فلسفہ کی مذمت میں اہل علم کے اقوال: علم کلام کی مذمت میں اہل علم اور خود اہل کلام کے بہت سے اقوال ہیں ابوعمرو عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالاعلیٰ نے کہا کہ میں نے امام شافعی سے اس دن سنا جس دن حفص الفرد نے ان سے مناظرہ کیا اس نے مجھ سے کہا اے ابوموسیٰ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے نامہ اعمال میں سوائے شرک کے ہر قسم کا گناہ ہو اس سے بہتر ہے کہ بندہ اللہ کو ملے اور اس کے پاس علم کلام سے کوئی چیز ہو۔میں نے حفص سے ایسی کلام سنی ہے کہ اسے بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں①۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا صاحب علم کلام کبھی بھی فلاح نہیں پائے گا اور جو شخص اہل کلام کے ساتھ منسلک ہے اس کے دل میں کینہ بغض وعدوات ضرور ہوگی۔مزید فرماتے ہیں کہ تمام شہروں کے اہل الفقہ والآثار کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل کلام بدعتی اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں اور تمام کا اس بات پر بھی اتفاق واجماع ہے کہ ان کا طبقہ علماء میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ علماء فقط اہل الاثر والفقہ فی الحدیث ہیں جو کہ اتقان اور تمییز وفہم میں متفاضل ہیں۔ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابن خویز منداد المالکی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک اہل کلام خواہشات پرست ہیں۔متکلم چاہے کوئی بھی ہو اشعری ہو یا غیر اشعری وہ خواہش پرست اور بدعتی ہے اسلام میں اس کی گواہی کبھی قبول نہیں ہوگی ، بلکہ اسے اس کی بدعت کی سزا دی جائے گی اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔اگر وہ توبہ قبول کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

---

①:یہ قول شافعی (بیۃ اعلام النبلاء) ج ۱۰/۱۱۱ اور بیہقی نے اسے ذکر کیا شافعی نے کہا کہ میں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا کہ اہل کلام ایسے ہو سکتے ہیں۔اور شافعی نے حفص الفرد کے ساتھ مناظرے کے بعد کہا کہ اگر بندہ اللہ کے ہاں اس حال میں جائے کہ اس کے نامہ اعمال میں پہاڑوں جیسے گناہ ہوں اس سے بھی بھاری ہے یہ بات کہ اس کے نامہ اعمال میں علم کلام کا ایک حرف ہو۔

ابن ابی العزالحنفی رحمہ اللہ اہل کلام کے حکم کے بیان میں کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں جوتے ماریں جائیں اور ان پر ڈنڈے برسائے جائیں انہیں بازاروں میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ یہ اس شخص کوسزادی جارہی ہے جس نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا اور علم کلام کی جانب متوجہ ہوا نیز امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (ترجمہ اشعار) قرآن حدیث اور فقہ السنہ کے علاوہ تمام علوم کھیل ہیں۔علم تو وہ ہے جس میں (حدثنا) ہےاس کے علاوہ جوبھی ہےشیطانوں کےتوہمات کا مجموعہ ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ نے بشر مریسی سے کہاعلم کلام جہالت کا کرشمہ ہےاور علم کلام سے ناواقف ہونا عین علم ہےاور جوشخص اس علم کی باریکیوں سے واقف ہوتا ہے وہ زندیق ہے۔نیز فرماتے ہیں جس نے بھی علم کلام پڑھاوہ زندیق بن گیا۔

ابن ابی العزالحنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے فتاوی میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے شہر کے علماء کے بارے میں وصیت کرے تو اس میں متکلمین داخل نہیں ہونگے۔اسی طرح اگر کوئی انسان وصیت کرتا ہے کہ اس کی وہ کتابیں وقف ہیں جن میں علم کلام موجود ہے تو علماء کا فتویٰ ہے کہ ان کتابوں میں سے جو کتابیں علم کلام پر مشتمل ہیں وہ وقف نہیں ہونگی ان کوفروخت کرنا جائز ہوگا اسی کے ہم معنی کلام فتاوی ظہیریہ میں موجود ہے۔

آگے ایک مقام پرفرماتے ہیں کہ تمام اہل کلام سلف کے درجات،ان کےعلوم کی گہرائی،ان کے قلت تکلف اور کمال بصیرت کی معرفت سے محجوب ہیں۔ابن رشدالحفید جوکہ فلاسفہ کے مذہب اوران کے مقالات کے سب سے زیادہ عالم ہیں اپنی کتاب (تہافت التہافت) میں لکھتے ہیں کہ جس نے الٰھیات کے متعلق کوئی بات کہی اس کی کوئی بات بھی معتبر نہ سمجھی جائے۔اسی طرح آمدی جوکہ اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بڑے بڑے مسائل سے واقف تھےاس مسئلہ میں حیران وپریشان تھے۔

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے آخرعمر میں مسائل کلام کوترک کردیا اوراس کے طرق سے اعراض

کر کے احادیث رسول ﷺ کو اپنا شعار بنالیا اور اس حال میں فوت ہوئے کہ صحیح بخاری ان کے سینہ پر تھی۔

اسی طرح ابوعبداللہ بن عمر الرازی اپنی کتاب (اقسام اللذات) میں یہ اشعار بیان کرتے ہیں ،(ترجمہ اشعار) عقل کے آگے بڑھنے کی انتہا رک جانا ہے اور اھل کلام کی سعی وکوشش کا منتھیٰ ضلالت وگمراہی ہے ہماری روحیں ہمارے جسموں میں وحشت زدہ ہیں اور ہماری دنیا کا حاصل تکلیف و وبال کے سوا کچھ نہیں۔اور ہم نے لمبی عمر بحث وتکرار کر کے سوائے قیل وقال جمع کرنے کے کچھ نہیں پایا ۔لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے علم کلام کے طرق اور فلسفی مناھج میں خوب غور وخوض کیا لیکن مجھے کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے میری تشفی ہوتی اور پیاس بجھتی۔میں نے تمام طرق سے قریب ترین طریقہ قرآن کا طریقہ پایا اثبات میں یہ آیت پڑھو۔''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى '' وہ رحمان ہے عرش پر مستوی ہے (طہ :۵) ۔''اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ''تمام ترستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں(فاطر: ۱۰) ۔اورنفی میں یہ آیت پڑھو''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ''اس جیسی کوئی چیز نہیں(شوریٰ : ۱۱) ۔''وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا''(مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہوسکتا(طہ: ۱۱۰) ۔پھر کہتے ہیں جس نے میرے تجربے کی طرح تجربہ کیا وہ جان لے گا جو کچھ میں جان گیا ہوں۔

اسی طرح شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی کا حال ہے وہ کہتے ہیں کہ انہیں فلاسفہ اور متکلمین کی مجلس میں سوائے حیرت وندامت کے کچھ نہ ملا۔

اسی طرح ابوالمعالی الجوینی کہتے ہیں اے میرے ساتھیو! علم کلام کے ساتھ مشغول نہ ہونا کاش اگر معلوم ہوتا کہ علم کلام مجھے یہاں تک پہنچادے تو میں کبھی بھی علم کلام کے ساتھ مشغول نہ ہوتا اور یہ اپنی موت کے وقت یہ کہتے ہیں میں بہت بڑے سمندر میں غوطہ زن ہوا اور میں اہل اسلام اور ان کے علوم کو ترک کر کے اس چیز میں داخل ہوا جس سے انہوں نے مجھے منع کیا تھا۔اور اب حال یہ ہے کہ اگر اللہ کی رحمت شامل نہ ہوئی تو ابن الجوینی کیلئے ویل وہلاکت ہے۔افسوس میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر مر رہا ہوں

یا یہ کہا کہ میں نیشا پور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں①۔

علم نجوم، کہانت وسحر کی مذمت: میں کہتا ہوں یہ تھے اہل علم وفضل کے اقوال اور خود اہل کلام کے اقوال جو اس علم کی مذمت پر دلالت کرتے ہیں جس کا نام وہ علم الکلام اور فلسفہ رکھتے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے تو جھوٹ وکذب سے کام لیتے ہوئے اس کا نام علم اصول الدین یا علم العقائد بھی رکھا ہے، اسی طرح وہ علوم جو بے فائدہ ہیں بلکہ دین ودنیا کے لیے مضر ونقصان دہ ہیں انہی میں سے علم نجوم، علم کہانت، اور جادو کا علم ہے اللہ تعالیٰ نے سے منع کیا ہے اور ان کی حقیقت کو اپنی کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ وَ مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَکْفُرْ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ'' اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں پڑھتے تھے سلیمان علیہ السلام نے تو کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے وہ خاوند بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں کاش یہ جانتے ہوتے (البقرة: ۱۰۲)۔

---

①: شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۷۵، ۷۶، ۲۰۸۔

علماء نے علم کہانت وسحر اوراس کے اہل کی گمراہی کے بیان میں بڑا طویل کلام کیا ہے جادوگر کے کافر ہونے کے متعلق ان کی رائے میں اختلاف ہے جمہور کا قول ساحر وجادوگر کے قتل کا ہے (بطور ڈانٹ ڈپٹ یہی کافی ہے) اوراس شخص کے لیے جو دل سے متوجہ ہوکر کان لگائے اور وہ حاضر دماغ ہو۔

علم نافع: فائدہ مند علم

فائدہ مند علم وہ ہے جو مکلّف کو دین ودنیا میں فائدہ پہنچائے۔اور یہ کتاب وسنت ان کی فروعات اوران سے متعلقہ علوم مثلاً علم النحو ،لغت ،اصولِ فقہ،اوراصول حدیث وغیرہ کا علم ہے یہ وہ علم ہے جس کی طلب پر شرح نے ابھارا ہے/ترغیب دی ہے اوراس کی مدح وتعریف کی ہے بلکہ ان کو حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ان کے متعلق دلائل کو ہم نے پہلے علم کی فضیلت کے باب میں ذکر کیا ہے۔ان علوم کی تحصیل کی سعی وکوشش اورعمروں کو صرف کرنا واجب وضروری ہے۔کیونکہ احکام شریعت کے ساتھ احسن انداز میں وہی شخص قائم ہوسکتا ہے جسے اس کے متعلق صحیح علم ہوگا بلاشبہ علم صحیح عمل صحیح کی فرع ہے۔اس علم کی تحصیل کی خاطر علماء وفضلاء نے دور دراز کی مسافتیں طے کیں اوراس میں پیش آنے والی صعوبتوں کو برداشت کیا①۔

①:امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب العلم میں علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنے کے دو باب باندھے ہیں۔پہلے باب میں طلب علم کی غرض سے خارج ہونے کا اور دوسرے باب میں کوئی درپیش مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے سفر کرنا۔اور بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے الحرابن قیس کے ساتھ مناظرہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی کون تھا تو اس مناظرے سے یہ اقتباس ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لوگوں میں موجود تھے جب اس سے کسی نے سوال کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام کیا تیرے سے زیادہ علم والا بھی اس وقت دنیا میں موجود ہے۔تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں کیونکہ میں تو نبی علیہ السلام ہوں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر خضر کی تلاش اور سفر کی آزمائش پیش فرمادی،تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ میں خضر کی زیارت کیسے کرسکتا ہوں تو اللہ نے کہا فلاں جگہ سفر کرو وہ وہاں تجھے ملے گا بخاری کتاب الادب المفرد، احمد، ابویعلی اورطبرانی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ میں نے سنا کہ شام میں ایک آدمی ہے جو حدیث جانتا ہے مگر میں اس حدیث کو نہیں جانتا تو جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس خاص سفر کے لیے ایک اونٹ خریدا اور تقریباً ایک ماہ سفر کیا تو وہ آدمی عبداللہ بن انیس تھا۔تو ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے تو میں یہ معلوم ہونے کے بعد خوفزدہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں آپ سے حدیث سنے بغیر ہی مرجاؤں ،تو انہوں نے عبداللہ بن انیس سے ملاقات کرکے انہیں گلے لگایا اور بہت خوش ہوئے۔بخاری رحمہ اللہ اور دوسروں نے روایت کیا عقبہ بن الحارث رحمہ اللہ شام میں تھے کہ ان کی شادی ہوئی تو ایک لونڈی نے تعجب سے کہا کہ یہ تیری بیوی تو تیری رضاعی بہن ہے اس سے تیرا نکاح نہیں ہوسکتا تو اس درپیش مسئلہ پر عقبہ رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ کا سفر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا تھا اور نکاح ختم کردیا۔

اور جس شخص نے اسے حاصل کیا اور علم وعمل کے ساتھ اس پر قائم رہا تحقیق وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا۔شاطبی رحمہ اللہ علم نافع کے بیان میں فرماتے ہیں کہ فائدہ مند علم وہ ہے جو شرعاً معتبر ہو یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس (علم) کی اور اس کے اہل کی مطلقاً مدح وتعریف کی ہو اور وہ علم عمل پر ابھارنے اور رغبت دلانے والا ہو جو صاحب علم کو کسی صورت میں بھی من مانی نہ کرنے دے بلکہ وہ صاحب علم کو علم کے تقاضے کے مطابق اپنے قوانین میں خوشی وناخوشی مقید کرے①۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علم نافع کے بیان میں فرماتے ہیں کہ علم سے مراد علم شرعی ہے جو مکلّف پر واجب دینی امور عبادات ومعاملات کی معرفت کا فائدہ دیتا ہے۔اور اللہ واللہ کی صفات،اس کے احکام کے قیام اور اس کے نقائص وعیوب سے پاک ہونے کی معرفت کا علم ہے اور اس کا مدار تفسیر وحدیث وفقہ ہے②۔

علم نافع اور اس کی اقسام کے متعلق عبدالرحمٰن بن حسن آلِ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی معرفت واعتقاد واجب ہے اور وہ سابق الذکر کو متضمن ہے اور اس کی تین اقسام ہیں جنہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے (الکافیہ الشافیہ) میں اس طرح ذکر کیا ہے،(ترجمہ اشعار)

علم کی تین قسموں کے سوا کوئی چوتھی قسم نہیں ہے اور حق بڑا واضح ہے۔ا۔اللہ کی صفات کا علم ۔۲۔اللہ کے افعال کی معرفت ۔۳۔اور اسی طرح رحمٰن کے اسماء حسنیٰ کو جاننا،امر ونہی اس کا دین ہے جس کی جزا دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد ملے گی③۔

---

①:الموافقات الشاطبی ج۱/۶۹۔

②:فتح الباری ج۱/۱۴۱۔

③:الکلمات النافعہ المکفر ات الواقع/۴۷۔

علم میں فرض عین اور فرض کفایہ کا بیان

پیچھے ہم نے علم کی اقسام جن کا تعلق شرعی طور پر فائدہ مند، طلب و رغبت والا علم اور غیر فائدہ مند شرعاً غیر مطلوب علم کے ساتھ ساتھ ذکر کر دیا ہے۔لیکن وہ علم جسے جاننا ضروری اور واجب ہے اس علم کی اقسام اور مکلفین کے احوال کے لحاظ سے مختلف صورتیں ہیں۔انواع العلم کے اعتبار سے علم کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں،

① (فرض عین) وہ علم ہے جس سے جہالت پر مکلّف کو معذور سمجھا جائے گا، بلکہ اگر وہ اس پر قادر و متمکن ہے تو اسے حاصل کرنا اس پر واجب و فرض ہے اور علم کی یہ قسم بڑے بڑے فرائض کو شامل ہے، جیسے شہادتین کی شرط، عبادات، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کی شروط اور ان کے واجبات کہ جنہیں اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے۔اسی طرح اعمال جو مکلّف کے شغل کا باعث ہیں جیسے خرید وفروخت اور اجارات وغیرہ ان احکام کی معرفت مکلّف پر واجب ہے مکلّف کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان اعمال کے متعلق اللہ کا حکم جانے بغیر ان کے ساتھ شغل اختیار کرے کیونکہ بہت سے ایسے دلائل ہیں جو اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ کسی چیز کے متعلق قول عمل سے قبل اسے جاننا واجب وضروری ہے۔

ان دلائل میں اللہ کا یہ فرمان ہے'' وَ لاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِکَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً ''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو کیونکہ کان آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے (بنی اسرائیل: ٣٦)۔دوسرے مقام پر اللہ فرماتے ہیں''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی (سورۃ محمد:١٩)۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت پر یہ باب باندھا ہے (باب

ہے قول وعمل سے قبل جاننے کا)اسی طرح کسی عمل کو اس کا حکم جانے بغیر کرنا اللہ کے دین اور احکام شریعت میں جرأت کرنے ،اور بغیر علم کے اللہ پر کسی بات کو لگا دینے کے مترادف ہے ۔اور ایسا کرنا کتاب وسنت کی رو سے حرام وممنوع ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ''قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ '' آپ ﷺ فرما دیجئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہوں اور پوشیدہ ہوں اور جو ہر گناہ کی بات کو،اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس بات کو تم جانتے نہیں(اعراف:۳۳) ۔اس کے علاوہ ایسے کئی دلائل ہیں جو قول وعمل سے قبل علم کے وجوب اور بغیر علم کے اللہ کے ذمہ کوئی بات لگانے کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں ۔ایسے ہی جو شخص صاحب عیال ہے یا اس کے پاس لونڈیاں ہیں تو انہیں احکام شرع کی تعلیم اور اسلام کا ادب سکھانا اس پر واجب ولازم ہے ۔اسی طرح جو شخص کسی ان ہونی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اہل علم سے استفسار کرے ،سوال وجواب کرے ۔اور یہ طلب علم کے وہ احکام ہیں جن کو جاننا بہت ضروری ہے،امراء وحکام پر یہ واجب ہے کہ وہ لوگوں کے لیے احکام شریعت کی تعلیم کا بندوبست کریں انہیں تعلیمی سہولتیں فراہم کریں اور سلف صالحین کے مذہب کی ترویج واشاعت اور بدعات وخرافات کے قلع قمع کا انتظام کریں اور یہ ذمہ داری علماء اور طلباء علم کو سونپ دی جائے اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے' یہ امراء پر واجب امور میں سے ایک امر ہے اور اس کا مزید بیان اہل علم کے اقوال میں آئے گا ۔انشاء اللہ

فرضیت علم سے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان :- امام شافعی رحمہ اللہ فرضیت علم کے بیان میں فرماتے ہیں کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ۔

① ایک عام علم۔ جو کسی بھی عاقل و بالغ پر مخفی و پوشیدہ نہیں جیسے پانچوں نمازیں، اللہ کے لیے ماہ رمضان کے روزے رکھنا، اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا، اور اموال سے زکوٰۃ ادا کرنا، بلاشبہ اللہ نے زنا، قتل، چوری اور شراب نوشی کو حرام کر دیا ہے، اور ہر وہ چیز جو اس معنی میں آتی ہے جس کا اللہ نے بندوں کو مکلّف بنایا ہے کہ وہ اس کو سمجھیں، اس پر عمل کریں اور اپنے نفسوں اور اموال سے اس کو ادا کریں، اور جو چیز ان پر حرام کی گئی ہے اس سے باز آجائیں۔ علم کی یہ تمام قسم کتاب اللہ میں مدلل بالنص موجود ہے اور اہل اسلام کے نزدیک یہ عام ہے۔ وہ اس کو اپنے اسلاف سے نقل کرتے ہیں اور اس کو رسول اللہ ﷺ سے حکایت کرتے ہیں، اور وہ اس کے حکایت کرنے اور اللہ کے بندوں پر واجب ہونے میں تنازع نہیں کرتے، اس علم کی خبر میں غلطی اور تاویل ممکن نہیں اور نہ ہی اس میں جھگڑا کرنا جائز ہے①۔

فرضیت علم سے متعلق خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا بیان :-

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب (الفقیہ والمتفقہ) میں نبی ﷺ کے فرمان کو متعدد روایات کے ساتھ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا (علم حاصل کرنا ہر مومن پر فرض ہے کہ اسے روزہ، نماز، حرام، حدود اور احکام کی معرفت ہو) نبی ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے نبی ﷺ نے فرمایا دین میں سمجھ حاصل کرنا ہر مسلمان کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فقہ کو حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں②۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ رسول

---

①: الرسالہ لامام شافعی/ ۳۵۶۔

②: اس حدیث کو ابن ماجہ، بیہقی، ابویعلی، اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں عبدالعزیز ابن ابی ثابت ضعیف راوی ہے اور طبرانی کی روایت میں عثمان ابن عبدالرحمان القرتبی کے متعلق بخاری نے کہا کہ وہ مجہول ہے۔ بیہقی نے کہا کہ حدیث کا متن صحیح ہے اور سند ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے لیکن الحافظ جمال الدین المزی کہ حدیث کی ۵۰ اسناد ہیں جو اسے حسن کے درجے پر پہنچاتی ہیں، اور اسے جمع کیا ہے السیوطی نے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

اللہ ﷺ کے اس قول سے مراد توحید ہے اور بلاشبہ اس (توحید) کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اوراس سے جہالت کا عذر قابل قبول نہ ہوگا اوراس کا وجوب (فرضیت) بغیر کسی خصوص کے عمومی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جب کہ کسی بھی گوشہ وطرف سے انہیں علم سے کفایت کرنے والا نہ ہو۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیکن وہ اصول جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کی توحید، اس کی صفات اوراس کے رسولوں علیہم السلام کی تصدیق ہوتی ہے ان کو جاننا ہر ایک پر واجب اور فرض ہے، اوراس میں بعض مسلمانوں کی بعض کی طرف نیابت درست نہیں ہے۔اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے قول (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) یعنی ہر ایک پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے۔جس سے اس کی جہالت پر علم کا غلبہ ہو جائے۔خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حسن بن ربیع سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اس حدیث کی تفسیر کیا ہے؟(علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) انہوں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوئی کام کرنے سے پہلے اسے سیکھے اور پھر اس پر عمل کرے کیونکہ اس علم کو جاننا لوگوں پر واجب وفرض ہے۔اوراس کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر کسی آدمی کے پاس مال نہیں ہے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے احکام سیکھے لیکن جب اس کے پاس سو درہم ہو جائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ معلوم کرے اس پر کتنی زکوۃ ہے، اس کی ادائیگی کب ہوگی؟ اوراس کا مصرف کون سا ہے؟ اسی طرح تمام فرض اعمال کا حکم ہے۔خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اسی طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک تاجر کو حکم دیا کہ وہ تجارت کرنے سے پہلے تجارت کا علم سیکھے، خطیب نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہنے لگا اے امیر المومنین! میں تجارت کا ارادہ رکھتا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تجارت کرنے سے پہلے قبل اس کا علم سیکھو، کیونکہ جو سمجھ بوجھ کے بغیر تجارت کرتا ہے وہ سود کی دلدل میں اس طرح پھنستا ہے کہ اس میں آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔خطیب

نے اپنی مسند کے ساتھ عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد پر علم حاصل کرنے کے واجب ہونے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اتنا علم ضرور حاصل کرے جس سے وہ نماز قائم کر سکے اور روزہ ،زکوۃ اور دیگر شرائع اسلام کو ادا کر سکے۔اس کے بعد خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے جس قدر اجتہاد کی طاقت رکھتا ہے اس حساب سے وہ اس چیز کی معرفت حاصل کرے جو اللہ نے اس پر فرض کی ہے اور ہر عاقل و بالغ مسلمان ہو مذکر ہو یا مونث ،آزاد ہو یا غلام اس پر فرض ہے کہ وہ نماز روزہ اور طہارت کے متعلق علم حاصل کرے اور ہر مسلمان پر اس علم کی معرفت واجب ہے۔اسی طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء،شرمگاہیں ،خون واموال کے متعلق جانے کہ اس کے لیے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔یہ تمام امور ایسے ہیں جن سے جہالت درست نہیں اور ان پر فرض ہے کہ انہیں سیکھیں یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہوں تو مسلمان ہو یا بالغ ہونے کے بعد جس وقت وہ مسلمان ہوں اس وقت انہیں سیکھیں ،اور امام وقت عورتوں کے خاوندوں اور غلاموں کے سرداروں کو انہیں تعلیم دینے پر مجبور کرے۔اور امام پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اکٹھا کرے اور جاہلوں کو تسلیم کرے اور عورتوں کے خاوندوں کو تعلیم دینے کے لیے ان کی گروہ بندی کرے،اور بیت المال سے ان کے لیے وظیفہ مقرر کرے،اور جاہلوں کو تعلیم دینا علماء پر واجب ہے تاکہ حق اور باطل کی تمیز ہو سکے①۔

فرضیت علم سے متعلق ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا بیان:- ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایک وہ علم ہے جو ہر شخص پر خاص طور پر فرض متعین ہے،اور ایک وہ علم ہے جسے فرض کفایہ کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے اگر بستی سے کوئی شخص اس علم کو حاصل کر لے تو باقی افراد پر اس کی خصوصیت ساقط ہو جاتی ہے۔یہ بات کرنے کے بعد آگے فرماتے ہیں بندوں پر فرض جملہ فرائض میں سے بعض امور ایسے ہیں جن سے جہالت کسی صورت قابل قبول نہیں ہو گی جیسے زبان کے ساتھ

①:الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی ج۱/۴۳۔

گواہی دینا اور دل کے ساتھ اقرار کرنا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک، شبیہ اور تمثیل نہیں ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ہر کسی نے اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے لیکن خود فوت نہیں ہوتا۔ اور جس مسلک پر اہل سنت والجماعت ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ ازل سے اپنے اسماء وصفات کے ساتھ متصف ہے، اس کی اولیت کی ابتداء ہے نہ اس کی آخرت کی انتہا ہے، وہ عرش پر مستوی ہے، اور اس بات کی گواہی دینا کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اس کے رسول ﷺ ہیں اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہیں، اور بلا شبہ اعمال کی جزاء وسزاء کے لئے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور ایمان واطاعت سے سعادتمندی حاصل کرنے والے آخرت میں ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اور کفر وانکار کر کے بدبخت بننے والے بڑھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اس کے بعد انہوں نے اسلام کے فرائض، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور منہیات زنا، سود، شراب نوشی، خنزیر، ناحق مال کو غصب کرنا، رشوت، ظلم اور مومن جان کو بغیر حق کے قتل کرنے کی حرمت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس جیسی دیگر اشیاء کا بھی ذکر کیا ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے کلام کیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہوا ہے①۔

فرضیت علم سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ کا بیان:- امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عاقل آدمی بالغ ہو جائے یا روشن دن کی طرح جوان ہو جائے تو سب سے پہلا واجب شہادت کے دونوں کلموں کو سیکھنا اور ان کے معنی کو سمجھنا ہے اس سے مراد اس کا (الا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کہنا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایسے شہر میں رہتا ہے جہاں علم کلام (فلسفہ ومنطق) کا زور اور بدعت کا بول بالا ہو تو اسے چاہیے کہ بلوغت کی ابتداء ہی میں حق کی تلقین کرے تاکہ وہ ان کے شر سے بچ جائے اور اگر اس کے ذہن میں باطل خیالات پیدا ہوں تو وہ اپنے دل سے ازالہ کرے، اور بسا اوقات ایسا کرنا مشکل ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی مسلمان تاجر ہے اور اس کے شہر میں سودی کاروبار ہے تو سود سے بچنا اس پر

---

①: جامع بیان العلم وفضلہ ج۱/۹۔

واجب ہے۔اور یہ اس پر سود کے متعلق فرض علم کا حصول حق ہے اور اس کا معنی ہے واجب عمل کی کیفیت کا علم رکھنا کیونکہ جس نے واجب کو وجوب کے وقت جان لیا گویا اس نے فرض عین علم کو پہچان لیا①۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرض عین یہ ہے کہ مکلّف کا اس چیز کو سیکھنا جس کے بغیر واجب ادا نہیں ہوسکتا جیسے وضو، نماز، اور اس جیسی دیگر عبادات کی کیفیت ہے۔اور بعض جماعتوں نے اس پر وہ حدیث محمول کی ہے جو مسند ابی یعلی رحمہ اللہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں لیکن اس کا معنی درست ہے اور متاخرین نے اس حدیث کو فرض کفایہ پر محمول کیا ہے۔اسلام کے واجبات اور اس سے متعلقہ عقائد وغیرہ میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کی تصدیق کی جائے اور بغیر کسی شک کے اس جازم وسلیم اعتقاد رکھا جائے اور جسے یہ علم حاصل ہو جائے اس پر متکلمین کی دلیلوں کو سیکھنا لازم نہیں یہی صحیح ہے کہ جس پر سلف، فقہاء اور ہمارے اصحاب میں محققین متکلمین کا اتفاق ہے②۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تفصیلات کی معرفت سب پر فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے۔یعنی کتاب وسنت میں تدبر کرنا، سمجھنا اس کی حفاظت کرنا اور بلاشبہ یہ اس چیز کی تبلیغ میں داخل ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور بعض امور ایسے ہیں جنہیں جاننا ضروری صرف کبار علماء پر واجب ہے کیونکہ جو شخص دین کی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری اس شخص کی نسبت کہیں کم ہے جو نصوص کا تفصیلی علم رکھتا ہے اور فقہی باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے③۔مزید فرماتے ہیں کہ عام لوگوں میں سے ہر ایک پر واجب نہیں کہ ہر کوئی اس چیز کا علم حاصل کرے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اس پر اس کی معرفت حاصل کرے جس سے آپ نے منع کیا اور ہر چیز کو پہچانے جس کی آپ

---

①: احیاء علوم الدین ج ۱/ ۲۵۔

②: المجموع النووی ج ۱/ ۲۴۔

③: مجموع الفتاوی ج ۳/ ۳۱۲۔

نے خبر دی ہے بلکہ اس پر اتنا جاننا واجب ہے کہ کون کون سی چیز اس کے لیے حرام ہے اور جس شخص کے پاس مال نہیں تو اس پر واجب نہیں کہ زکوۃ کی تفصیلات معلوم کرتا پھرے ①۔ اور مزید فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں بھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو بھلائی واچھائی کی معرفت ہو کیونکہ جو خود بے علم ہے وہ آگے کسی کو کیا بتلائے گا اور اسی طرح کسی برائی سے منع کرنے سے قبل انسان کو برائی کی اچھی طرح پہچان ہو کیونکہ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا اللہ نے ہم پر واجب قرار دیا ہے۔ اور بلاشبہ کسی چیز سے محبت ونفرت اسی وقت ہوتی ہے جس اس کے متعلق علم ہو ②۔

ابو بطین کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا حدود کے اسماء کی معرفت واجب ہے کیونکہ انہی سے انسانیت کی مصلحت کا قیام ہے خصوصی طور پر ان حدود کے اسماء کو جاننا جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہیں جیسے شراب نوشی اور سود حدود ہیں اور یہ حدود اس میں تمیز کرتی ہیں کہ کون حدود میں داخل ہے اور کون داخل نہیں ہے۔ اور اس کی صفات پر دلالت کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ حدود سے بے علم وجاہل ہے۔ ابو بطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکلّف پر فرض ہے کہ وہ عبادت کی حد اور اس کی حقیقت کو پہچانے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، اور شرک کی حد اور اسکی حقیقت کو جانے جو کہ تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ پیچھے جو بحث گزری ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علم میں ایک قسم فرض عین ہے اور اس کا جاننا ہر مکلّف پر واجب وفرض ہے۔ اور اس میں کوئی کسی کا قائم مقام نہیں بن سکتا اور اس میں سب سے اہم حدود کا معنی ومفہوم اور اس کی معرفت، شہادتین کی شروط اور اس کے تحت جو مسائل داخل ہیں مثلاً ایمان وتوحید وغیرہ کی معرفت وپہچان ہے۔ بالخصوص ان شہروں میں جہاں اہل بدعت اور اہل

---

①: مجموع الفتاوی ج ۷/ ۱۹۶۔

②: مجموع الفتاوی ج ۱۵/ ۳۳۷۔

باطل پھیلے ہوئے ہیں مکلّف اس علم کی اشاعت کرے یہاں تک کہ وہ حق و باطل میں فرق واضح کرے اور یہ سب کچھ اس کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔

فرض کفایہ:- فرض عین کی بحث میں جن واجبات کا ذکر ہوا ہے ان کے سوا جو عمومی واجبات ہیں کہ جن کا مطالبہ تو تمام مکلفین سے ہوتا ہے لیکن اگر چند آدمی انہیں کرلیں تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی بھی انہیں سرانجام نہ دے تو تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔اور جن کا تعلق مکلفین کے احوال کے ساتھ ہے انہیں سیکھنا اوران پر عمل کرنا واجب ہے اور عاجز پر غیر واجب ہے۔اور یہ وہ اعمال ہیں جن کے لیے قوت وقدرت درکار ہوتی ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ ہے، ایسے ہی جہاد یا قضاء کی ولایت کی طرح جو شخص ولایت شرعیہ کا والی بنے اس پر واجب ہے کہ وہ احکام شریعت سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اس کا عمل پختہ ہوجائے ،اور کتاب وسنت سے ثابت شدہ چیز کی مخالفت نہ کرے ،اور نہ ظلم و جور کو اپنا شیوہ بنائے۔

فرض عین کے بیان میں امور کا بیان پیچھے گزر چکا ہے ان کے علاوہ جو زائد امور ہیں وہ فرض کفایہ میں شامل ہیں۔اور یہ اعمال واقوال کے ساتھ خاص ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر مسلمانوں کا ایک گروہ اسے انجام دے دے تو بقیہ افراد سے اس کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، اور اسے نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوتے اگر چہ خطاب کا تعلق تمام کے ساتھ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی تعلیم تمام مسلمانوں پر لازم قرار دی جائے تو ان کی معیشت ستیاناس ہوجائے اور ان کے حالات بگڑ جائیں گے۔

علماء فرض کفایہ کی مثال نماز جنازہ اور اس طرح کے دیگر اعمال کے ساتھ دیتے ہیں جو ابتدا میں تمام لوگوں پر فرض ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی اسے انجام نہ دے تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔اور اگر چند افراد اسے ادا کریں تو یہ تمام کی طرف سے ادا ہوجائے گا۔

فرض کفایہ سے متعلق امام شافعی وامام غزالی اور امام قرطبی رحمہم اللہ کے اقوال:- امام شافعی رحمہ اللہ فرض کفایہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ فرض کفایہ وہ ہے کہ جس میں چند افراد فرائض کی فروعات اور ان سے مختص احکام کہ جن کے متعلق قرآن مجید میں بلکہ اکثر کے متعلق حدیث میں بھی نص موجود نہیں ہوتی دیگر افراد کی نیابت کرتے ہیں۔آگے ایک مقام پر فرماتے ہیں،اسی طرح جہاں مقصود فرض کفایہ ہواور چند مسلمان اس کوادا کریں تو بقیہ افراد کی نیابت ہوجائے گی اور اگر کوئی بھی ادانہ کرے تو تمام کے تمام گنا گار ہوں گے①۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرض کفایہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان علوم کے ساتھ ہے کہ اگر پوری بستی میں سے کوئی بھی انہیں حاصل نہ کرے تو ساری بستی گناہ گار ہوگی اور اگر ایک آدمی ان علوم کوسیکھ لیتا ہے تو باقی تمام افراد سے گناہ ساقط ہوجائے گا۔آگے فرماتے ہیں اوراس کی چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم:- اصول کا علم جو کہ چار ہیں:

① کتاب اللہ۔

② سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

③ اجماع امت

④ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم۔

دوسری قسم:- فروعات کا علم،اس سے مراد اصول سے مستنبط مسائل کا مفہوم جن سے عقول راہ نمائی حاصل کرسکیں۔

تیسری قسم:- وہ مقدمات جو سابقہ علوم کے لیے بطور آلہ استعمال ہوتے ہیں جیسے علم لغت اور علم نحو وغیرہ۔

---

①:الرسالہ/۳۵۸۔

چوتھی قسم:- آثار واخبار کی تنقیح کا علم جسے علم الرجال اور ان کے اسماء وانساب کا علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء اوران کی صفات کا علم وغیرہ①۔

امام قرطبی رحمہ اللہ علم کی اس قسم کے متعلق کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان میں ایک قسم فرض کفایہ ہے جیسے حقوق کو حاصل کرنا، حدود کو قائم کرنا اور جھگڑے کا فیصلہ کرنا وغیرہ یہ درست نہیں کہ تمام لوگ اس علم کو سیکھیں کیونکہ اس سے ان کے حالات خراب ہوجائیں گے اوران کی معیشت تباہ وجائے گی تو درمیانی راستے کواپنانا ضروری ہے وہ یہ کہ کچھ لوگ جنہیں ان علوم کے حاصل کرنے میں آسانی ہو، اور اللہ نے بھی انہیں رحمت وحکمت سے نوازا ہو وہ ان علوم کو حاصل کریں اور بقیہ افراد اپنے کام کاج کریں②۔

ایمان وکفر کے مسائل سے متعلق گفتگو:- میں کہتا ہوں سابقہ بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حق کی معرفت، توحیداور ایمان کے مسائل اہل سنت کے مذہب کوسیکھنا خصوصی طور پر ان کو جاننا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔اور بالخصوص آج کے دور میں کیونکہ اکثر علاقوں میں بدعت کا دور دورہ ہے اور سنت مطہرہ غیب ہوکر رہ گئی ہے اور حق وباطل کے اختلاط کی وجہ سے خود مسلمانوں میں حق اجنبی محسوس ہوتا ہے۔

اور جب کسی بدعت کوختم کیا جائے تو لوگ کہتے ہیں سنت کو تبدیل کر دیا گیا۔اگر یہ کیفیت صرف جاہلوں کی ہوتی تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی لیکن تعجب تو اس پر ہے کہ ان لوگوں کا حال بھی یہی ہے جو علم شریعت اوراس کے اہل کی طرف منسوب ہیں۔

اور ادہر اہل بدعت نے حکام وسلاطین میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کررکھا ہے۔اور وہ اپنے باطل مذاہب کی اشاعت کرنے اورسنت کی طرف منسوب ہر شخص کو پکڑنے کے لیے ان حکام سے تعاون حاصل کررہے ہیں اور مسلمانوں کے اکثر علاقوں میں یہی کیفیت طاری ہے۔

---

①:احیاء علوم الدین ج۱/۸۲۔ ②:تفسیر قرطبی ج۸/ ۲۴۷۔

لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اہل سنت اور اس امت کے اسلاف کے مذہب کو سیکھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دین میں بصیرت پر ہوں بالخصوص وہ لوگ جو علم اور اللہ کے دین کی دعوت کے ساتھ مشغول ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے، ''قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'' آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اور میرے فرماں بردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ ، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں (یوسف ۱۱۸)۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اسلاف کو ضلالت وگمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

یعنی پہلے تین زمانوں کے اسلاف کہ جن کی فضیلت وعظمت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے یعنی تابعین رحمہم اللہ ① یہ وہ لوگ ہیں کہ جو ان کی اقتدا و پیروی کرتا ہے وہ راستے کی طرف راہنمائی پا جاتا ہے اور جو ان کے راستے سے ہٹ جاتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ایمان اور کفر کے مسائل کو جاننا واجب اور ضروری ہے۔ اس لیے دنیا و آخرت کے بے شمار اہم احکام انہی پر منحصر ہیں جیسے مسلمان کا کافر سے امتیاز اور ان سے ایسا سلوک کرنا جن کے وہ مستحق ہیں۔ ایسے ہی مسلمان کے لیے (ولاء) محبت اور نصرت ومدد کا ہونا اور کافر کے لیے بغض وعداوت کا ہونا ، اور اگر وہ تائب نہ ہو تو اس کا واجب القتل ہونا وغیرہ۔ اور اسی طرح یہ درست نہیں کہ کوئی کافر مسلمانوں کا حاکم ووالی ہو یا مسلمانوں کی کوئی چھوٹی بڑی ولایت اس کے سپرد ہو ، بلکہ اگر مسلم حاکم ولایت (عہدہ حکمرانی) سپرد ہونے کے بعد کافر ہو جائے تو اس کی ولایت باطل ہو جائے گی ، اور اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا جائے گا۔ اور مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اسے معزول کریں اور اس کی جگہ کسی عادل حکمران کو مقرر کریں اور اس بات پر اجماع واقع ہو چکا ہے ②۔

---

①: اس کو بخاری، احمد ترمذی، ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ②: شرح صحیح مسلم ج ۱۲/ ۲۲۹، فتح الباری ج ۱۳/ ۱۰۔

لیکن اگر حاکم مسلمان ہو تو اسے معزول کرنا واجب نہیں بلکہ اس کو نصیحت کرنا اور ڈرانا واجب ہے اور اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا فرض ہے اور اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں۔(تفصیل کے لیے اس کتاب کا ساتواں باب دیکھیں) اسی طرح کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا، اور صحیح قول کے مطابق نہ وہ مسلمان کا وارث بن سکتا ہے اور نہ مسلمان اس کا وارث بن سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کئی اہم احکام ہیں جن سے مسلمان اور کافر میں تمیز ہوتی ہے۔

یاد رکھیے! حق و باطل کے اختلاط یا ان مسائل سے جہالت کی وجہ سے ہی بہت سے ایسے لوگ گمراہ ہو گئے جو اہل سنت اور اسلاف کے عقیدے سے تمسک اور اہل بدعت سے نفرت کی نسبت سے مشہور تھے، بلکہ اب وہ ان (اسلاف و اہل سنت) کو کفر کے ساتھ متہم کر رہے ہیں اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں، اور انہوں نے دین میں کچھ داخل کر دیا ہے کہ جس کے کفر ہونے پر علماء کا اجماع اور شریعت کی صراحت موجود ہے۔صرف اسی پہ بس نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے اقوال و اعمال کے ساتھ ان جاہلوں کی تائید و مدد کر رہے ہیں وہ یہ سب کچھ جہالت اور ان مسائل کی تعلیم سے اعراض کی بنا پر کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعراض اور گمراہی کی پوری جزا و سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔صحیح بات یہ ہے کہ جس مسلمان کا اسلام بالیقین ثابت ہوا سے بغیر کسی شرعی دلیل کے کافر کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے کفر میں واقع ہونے کا کوئی ایسا سبب ہو جو شرعاً معتبر ہو جیسے خطاء، نسیان، جہالت اور زبردستی کفر میں داخل کرنا وغیرہ۔یا اس کی کوئی ایسی تاویل ہو جو شرعاً قابل قبول ہو لہٰذا اس پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کی کلام میں کفر کا احتمال ہے صریح کفر نہیں ہے۔یہ مسئلہ اس باب میں تیسرے مقدمے کے تحت آئے گا، انشاء اللہ ایسے ہی اگر کسی سے کفریہ کام کا ارتکاب ہوا اور اس کے ہاں نہ کوئی عذر شرعی ہو نہ کوئی معتبر دلیل ہو تو ایسے شخص کو کافر کہنے سے اجتناب نہیں کرنا چاہیے اور نہ ڈرنا چاہیے۔جبکہ ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے آ گئے ہیں جو لا الہ الا اللہ کہنے والے کو دین سے خارج نہیں مانتے اگرچہ وہ اپنے قول و فعل سے کفریہ کاموں کا

ارتکاب کرتا ہے۔اس دلیل کے پیش نظر کہ وہ شہادتین کا اقرار کرتا ہے لہٰذا وہ کافر نہیں ہوسکتا فرقہ مرجیہ کے حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کا یہی مذہب ہے بلکہ حق اور درست بات یہ ہے کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے کفریہ کلمہ کہتا ہو یا کوئی کفریہ کام کرتا ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو اس بات کا مخالف وہ قرآن وسنت کا مخالف ہے اور وہ اللہ کے حکم کا دشمن ہے۔

ایمان وکفر سے متعلق علماء کے اقوال:- اسی لیے ابو محمد حسن البربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ وہ قرآن کی کسی آیت کو رد کرے، یا حدیث رسول اللہ ﷺ کو رد، یا وہ غیر اللہ کی عبادت کرے، یا اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے۔تو جب وہ ان میں سے کوئی بھی عمل کرے تو اسے دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جانا واجب ہے اور جب وہ ان میں سے کوئی کام نہ کرے تو وہ نام کا مسلمان ومومن تصور ہوگا①۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نصوص کے ظاہر کی بغیر کسی قاطع دلیل کے تاویل کرتا ہے اسے کفر سے منسوب کرنا واجب ہے۔جیسے کچھ لوگ اپنے فاسد گمان اور غلط خیالات کی بنا پر آخرت میں اجسام کے دوبارہ اٹھائے جانے اور سزا وعقوبات کے حسی ہونے کے منکر ہیں ایسے لوگ قطعی طور پر کافر ہیں۔نیز فرماتے ہیں ایسے جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اپنے نفس یا کلیات کا علم ہے اور بندوں کے متعلقہ امور کی جزئیات سے اللہ تعالیٰ بے علم ہے یہ لوگ بھی قطعی کافر ہیں کیونکہ واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہیں②۔

شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ بن عبدالرحمٰن آل شیخ فرماتے ہیں کہ کسی کو کافر قرار دینے والے کے پاس اگر اس کے کفر پر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے کوئی دلیل ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ یہ واضح کفر ہے جیسے اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور غیر اللہ کی عبادت کرنا یا اللہ، اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی

①: شرح السنہ البربہاری/۳۱۔

②: فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندیقہ/۸۰۔

آیات کے ساتھ استہزاء ومذاق کرنا یا ان کی تکذیب کرنا، یا اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت اور دین حق کے ساتھ نفرت کرنا، یا اللہ کی صفات وتعریفات کا انکار وغیرہ تو اس صورت میں مکفر یعنی کافر قرار دینے والا حق پرست اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرماں بردار ہوگا بلکہ اللہ کے ہاں وہ اجر کا مستحق ہوگا①۔

میں کہتا ہوں یہ جاننا ضروری ہے کہ علماء نے فرقہ مرجیہ کے بعض ان فرقوں کی سخت گرفت کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفریہ کلمہ یا کام کرنے کی وجہ سے بندہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ وہ شہادتین کا اقرار کرتا ہے یا اسلام کے شعائر کا اظہار کرتا ہے۔ کتاب وسنت منافقین کو کافر قرار دیتے ہیں اور جہنم کو ان کا مستقل ٹھکانہ بتاتے ہیں حالانکہ وہ نماز پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے جہاد کے لیے بھی نکلا کرتے تھے۔ اللہ کا فرمان ہے!''وَ لاَ یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَ ھُمْ کُسَالٰی وَ لاَ یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ ھُمْ کٰرِھُوْنَ ''اور بڑی کاہلی وسستی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور بُرے دل سے خرچ کرتے ہیں(توبہ ٥٤)۔

اللہ تعالیٰ ان کے قول کو بیان کرتے ہیں جو انہوں نے تبوک سے واپسی کے موقع پر کہا تھا'' لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ ''اگر اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا (المنافقون:٨)۔

ہر وہ شخص جو بغیر کسی شرعی عذر کے کلمہ کفر کہتا ہے یا کفریہ کام کا ارتکاب کرتا ہے اس کا دائرہ اسلام سے خروج واجب ہے۔ علماء نے تمام واجبات کے تارک پر کفر کا حکم لگایا ہے اگر چہ وہ شہادتین کا اقرار کرنے والا ہو اور مسلمانوں جیسا نام رکھتا ہو۔ بلکہ علماء نے تو اسے کافر نہ کہنے والے پر بھی کفر کا حکم لگایا ہے اس کا مزید بیان احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور وکیع بن جراح رحمہ اللہ کے اقوال کے ضمن میں آئے گا کہ جنہیں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے، اور ان کے اقوال کی نص کتاب کے دوسرے جز کے

①: الرسائل المفیدہ/٣٨٨۔

پانچویں باب کے آخری مسئلہ کے تحت آئے گی جو کہ اللہ یا اس کے رسول ﷺ یا اس کے دین کو گالی دینے والے کے حکم کے متعلق ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

تیسرا مقدمہ

ایمان وکفر سے متعلق مسائل کی اہمیت واحساسیت اور واجب امور

کبیرہ گناہوں میں ایک بہت بڑا گناہ کسی مسلمان کو ناحق طور پر کافر قرار دینا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے''①۔ میں نے اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ اور یہی بات نبی ﷺ کے اس فرمان ''یقیناً تمہارے خون، تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں''②۔ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان ''مسلمانوں کو کافر کہنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے''③۔ آپ نے ان احادیث میں اس مسئلہ کی خطرناکی کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ سابقہ کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی پختہ مسلمان کو کافر قرار دینا تو بڑا ہی سنگین جرم ہے۔ اور کسی مسلمان کو ناحق طور پر کافر قرار دینے سے بچنے کے لیے بہت ساری احتیاطی تدابیر کو اپنانا چاہیے۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کر دینا حرام ہے بغیر علم کے انسان شرعی امور میں بحث نہ کرے اگرچہ آدمی کو عام معاملات کے بارے میں بھی یہی حکم ہے لیکن اس مسئلہ میں تو یہ چیز بہت ضروری ہے بغیر علم کے جس طرح انسان کے لیے کسی چیز کو ثابت کرنا جائز نہیں اسی طرح کسی چیز کا انکار بھی علم کے بغیر جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ

---

①: صحیح مسلم، مسند احمد اور بیہقی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے اعراض کرو بلکہ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو حقیر سمجھتا اور نہ اس کی مدد کرنا چھوڑتا ہے تمام مسلمانوں کا خون، مال، عزت ایک دوسرے پر حرام ہے، اور آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں ہے آدی کی ہلاکت وبربادی کے لیے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے اسی طرح ترمذی، ابوداؤد میں یہی الفاظ ہیں مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں نہ وہ اس کی خیانت کرتا ہے اور نہ اس کو جھٹلاتا ہے اور نہ ہی اس سے تعاون کرنا ترک کرتا ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

②: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، مستدرک حاکم، بزار، دارمی۔

③: رواہ البخاری، احمد، بیہقی، الطبرانی۔

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ''اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجئے! میرے رب نے تمام قسم کی علانیہ وپوشیدہ برائی کوحرام کیاہے اور ہر گناہ کی بات کواور کسی پر ناحق ظلم کرنے کواور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کوشریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسی چیز لگادو جس کوتم جانتے نہیں(الاعراف:۳۳)۔اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا!''**وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا**''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہواس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان،آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ ہوگی(الاسراء:۳۶)۔یہ اس لئے کہ کسی کو کافر قرار دینا محض اللہ کا حق ہے کسی کے لیے بھی شرعی دلیل کے بغیر کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں۔اسی لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات بعض لوگوں کے نظریے کے خلاف ہے جیسے ابواسحٰق اسفرائینی اور اس کے ہمنوا جو کہتے ہیں جو ہم کو کافر کہے گا ہم اس کو کافر کہیں گے حالانکہ کسی کو کافر قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جو اس کو جھٹلاتا ہے وہ بھی اس کو جھٹلانا شروع کردے۔اگر وہ اس کے ساتھ حیاء سوز سلوک کرتا ہے تو یہ بھی اس کے ساتھ بے حیائی والا رویہ اپنائے حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی کسی کے ساتھ زبردستی لواطت کا ارتکاب کرے اور اس کو شراب پلاکر اور لواطت وغیرہ کر کے اس کو قتل کردیتا ہے تو کسی کے لیے بھی اس کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔کیونکہ یہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء میں سے ہے۔اور اسی طرح عیسائی ہمارے پیغمبر ﷺ کو گالی دیتا ہے تو ہمارے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو گالی دینا جائز نہیں،یا کوئی رافضی (شیعہ) ابوبکر،عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر کہتا ہے تو اس کے جواب میں ہمارا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہنا درست نہیں (منہاج السنۃ ۵/۲۴۴،۱الرد علی البکری ۲۵۷)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے قصیدہ نونیہ میں اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ تکفیر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے جو لوگوں کے اقوال سے نہیں بلکہ کتاب وسنت کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔اللہ رب العالمین اور اس کا رسول محمد ﷺ جس کو کافر قرار دیں وہی کافر ہوگا،بلاوجہ تکفیری انداز اپنانا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کے مترادف ہے اور یہ سب پر حرام ہے۔اللہ نے فرمایا''**فَخَلَفَ**

مِنْ......... اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ'' کیا کتاب میں اُن سے یہ وعدہ نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ کی طرف ناحق باتیں منسوب نہیں کریں گے (الاعراف ۱۶۹) ۔اوراھل کتاب کومخاطب کرکے کہا گیا''قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ '' کہہ دیجیئے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلواورزیادتی نہ کرواوران لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کروجو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اورسیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں (المائدہ ۷۷) ۔جس طرح حقیقی کافرکو کافرنہ کہنا رب تعالیٰ کی مخالفت اوراس کے احکام کی تردید ہے بعینہ ایک مسلمان کوکافرکہنا بھی حکم الٰہی کی مخالفت ہے۔اسی لیے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست ابوشمر ذوخولان کوکہا کیا تو اپنے سے بہتر آدمی کو گمراہ کہہ کرخارجی حروری بننا چاہتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو اس کومسلمان کہہ رہا ہو۔اورتو ذرا سوچ جب تیرا فیصلہ اوررائے رب تعالیٰ کے فیصلہ سے ٹکرائے گا تو کل رب تعالیٰ کے سامنے تو کیا جواب دے گا؟①

اسی طرح کسی بھی مسلمان کودوسرے مسلمان کے کافرکہنے سے بھی گریز کرنا چاہیے کیونکہ اگروہ کافر نہ ہوا تواس کا کفریا فتویٰ اس کے کہنے والے پرلوٹ آئے گا②۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جومسلمان بھی اپنے کسی مسلمان بھائی کوکافرکہتا ہے ان دونوں میں سے ایک کافرہوجاتا ہے دوسری حدیث میں ہے اگرتو اُس میں کفرپایا جاتا ہے توصحیح ورنہ کہنے والا کافربن جاتا ہے ③۔ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی کسی کوفاسق اورکافرنہ کہے کیونکہ اگروہ (جس کوکہا گیا ہے) ایسا نہ ہو

---

①: سیراعلام النبلاء ج۴/۵۵۳،۵۵۴۔

②: ابن ابوزبیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بغیرشرعی دلیل کے مسلمان کوکافرنہ کہنے کی تیرہ (۱۳) وجوہات بیان کی ہیں ہرمسلمان کویہ وجوہات ملحوظ خاطر رکھنا چاہئیں میری معلومات کے مطابق یہ اس موضوع پرلاثانی کتاب ہے دیکھئے ایثارالحق علی الخلق ج۱/ ۳۷۸ تا ۴۰۶۔

③: صحیح البخاری، الادب المفرد للبخاری، امام احمد، صحیح بخاری میں ثابت بن الضحاک رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام سے ⇦

تو یہ کہنے والا اس کا مصداق بن جائے گا①۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے ②۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض روایات میں الا ارتدت اور بعض میں الا حار علیہ کے الفاظ ہیں دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے اس حدیث کا یہ تقاضا ہے جو کوئی دوسرے کو کہتا ہے تو فاسق یا کافر ہے جس کو یہ کہا گیا ہے اگر وہ ایسا نہیں تو یہ کہنے والا فاسق یا کافر ہو جائے گا، اگر وہ ویسا ہی تھا جیسا اس کو کہا گیا ہے تو کیا کہنے والا صادق ہوگا؟ مزید یہ مسئلہ کچھ تفصیل طلب ہے کہ اگر تو اس نے اس کی خیر خواہی و بھلائی کے لیے کہا ہے پھر تو جائز ہے، اگر صرف اس کو رُلانے اور تکلیف دینے کے لئے کہا ہے تو پھر یہ جائز نہیں۔ کیونکہ مسلمان کے عیوب پر پردہ ڈالنا فرض ہے، اور اس کی خفیہ طور پر اچھے انداز میں اصلاح کرنا ضروری ہے۔ وہ اصلاح میں نرم انداز اختیار کرے کیونکہ بعض دفعہ کسی کی بے جا سختی آدمی کو گناہ پر مصر کر دیتی ہے اور عموماً لوگوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ خاص کر جب کوئی ادنیٰ آدمی اپنے سے کسی بڑے آدمی کی اصلاح کرے تو بہت سارے لوگ اس کو اپنی ھتک اور توہین سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس عمل کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتے یہاں تک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کفر اس کہنے والے پر لوٹ آتا ہے'' اس کی تعبیر میں محدثین وفقہاء دین میں بہت سا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اگر تو وہ اس کام کو حلال سمجھ کر کر رہا ہے تب یہ حکم ہوگا لیکن یہ تاویل حدیث کے الفاظ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ امام مالک رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ احادیث خارجیوں کے بارے میں ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے لیکن یہ موقف بھی کمزور ہے کیونکہ بعض

⇐ دور ہٹ کر کسی دوسرے مذہب پر جھوٹی قسم اٹھائی (مثلاً اگر میں یہ نہ کروں تو یہودی یا عیسائی ہو جاؤں) تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔ جو آدمی جس چیز (آلہ) سے خودکشی کرتا ہے جہنم میں اس کو اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا، اور مسلمان کو لعنتی کہنا اس کو قتل کرنا ہے اور جس نے کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہا ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جائے گا صحیح مسلم، مسند احمد، مسند ابی عوانہ، موطا امام مالک وغیرہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں جس نے کسی کو کافر کہا اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر یہ حکم لوٹ آئے گا۔

①: صحیح البخاری کتاب الایمان وابن مندہ، کتاب الایمان، مسند ابی عوانہ۔

②: صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ ترمذی، نسائی۔

محدثین کے قریب خارجیوں کو ان کی بدعات کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔

میں کہتا ہوں امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ خارجی بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کافر کہتے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی کہا تو ان (خارجیوں) کا انداز مشہود بالجنۃ صحابہ کو کافر کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو جھٹلانا ہے۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کو جھٹلانے کی وجہ سے کافر ہیں نہ کہ کافر کہنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرامین مسلمان کو اپنے بھائیوں کے بارے میں ایسے کلمات سے روکنے کے لیے بطور ڈانٹ صادر ہوئے ہیں۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے اُس وقت خارجیوں کا وجود بھی نہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس فاعل پر تنقیص اور کافر کہنے کا گناہ لوٹ آتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس خدشہ کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ وہ اس نافرمانی کی وجہ سے کفر تک نہ پہنچے جیسا کہ یہ مقولہ ہے نافرمانی کفر کا پیغام ہے جو اس پر ڈٹ گیا خطرہ ہے کہ اس کا انجام برا ہوگا ان تمام تفصیلات میں سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اُس آدمی کے بارے میں ہے جو کسی دوسرے کو بغیر کسی شرعی تاویل کے کافر کہہ دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی کفریہ کام کرتا ہے یا کفریہ قول کا مرتکب ہے تو اس کو کافر کہنے والا معذور ہے اور گناہ گار ہونے کی بجائے اجر کا مستحق ہے۔ سابقہ احادیث بھی اسی بارے میں ہے مگر یہ کہ وہ ایسا آدمی جو شرعی دلیل کی بجائے اپنے نفس کی خواہش کی بنا پر کسی کو کافر کہہ دیتا ہے۔ جیسے مبتدعین کا شیوہ ہے حتٰی کہ اگر کافر کہنے والے کے علم میں اس کا شرعی عذر نہ ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اسی کتاب کے آٹھویں باب جس میں تاویل اور تقلید کے مسائل پر خصوصی بحث ہے اس میں آئیگی۔ جو کسی کو تاویلاً کافر کہتا ہے اس کا حکم بھی اسی بحث میں آئے گا اور اگر کوئی فعل صریح کفریہ نہیں بلکہ محتمل کفر ہے تو جب تک اس آدمی کا قصد وارادہ واضح نہ ہو اس کو کافر قرار دینا صحیح نہیں اگر قصد وارادہ سے کفر واضح نہ ہو تو اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا (ایسا کام جس کا انجام کفر ہے اور اس کے فاعل پر بھی نیت وارادہ کے واضح ہونے کے بعد ہی کفر کا حکم لاگو ہوگا صرف انجام کفریہ) پر کفر کا حکم لگانا راجح مسلک

کے مطابق تاوقتیکہ مکلّف کا قصد وارادہ واضح نہ ہوجائے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث تاویل کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ جمہور علماء خواہش پرستوں کو کافر نہیں کہتے یہاں تک کہ وہ علانیہ کفر کے مرتکب ہوں اس سے مقصود بھی ثابت شدہ اسلام والے مسلمان کو بلا دلیل کافر کہنے سے روکنا ہے۔

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے فرمایا کسی کو کافر یا مسلمان قرار دینا زبردست ابتلاء وآزمائش والا مسئلہ ہے۔اس میں بے شمار گروہ ہیں جو باہم تعارض دلائل اور مختلف آراء کے حامل ہیں۔باطل عقائد کے حاملین اور کتاب وسنت کے مخالفین جو اعتقاد وآراء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مخالف ہیں ان کے بارے میں یہ لوگ تین گروہوں میں منقسم ہیں،ایک گروہ تو مطلق اہل قبلہ کو کافر کہنے کا قائل نہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (اہل قبلہ) میں منافقین بھی ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کے یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر منکر ہیں اور وہ کلمہ پڑھنے کے باوجود اس کا (کفر کا) اظہار بھی کرتے رہتے ہیں تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی آدمی اسلام کے مسلمہ متواترہ فرائض یا محرمات وغیرہ کا انکار کرتا ہے تو اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر توبہ نہ کرے تو اس کو کافر مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کردیا جائے گا①۔اسی لیے بہت سارے علماء کسی بھی آدمی کو کسی گناہ کی وجہ سے مطلقاً کافر کہنے سے رک گئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم خارجیوں اور معتزلیوں کی طرح ہر گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہتے،نفی عام اور نفی عموم میں فرق ہے②۔

عموم کی نفی کرنا خارجیوں کے قول کے منافی ہے کیونکہ وہ ہر گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں اور خارجی کفریہ قول کے قائل کو خواہ وہ خطا کار مجتہد ہو یا بدعتی بلاتفریق کافر قرار دیتے ہیں③۔

---

①:اس مسئلہ (توبہ اور حجت قائم کرنا وغیرہ) میں یہاں کچھ فرق ہے۔کفریہ قول وفعل کے مرتکب کو دیکھا جائے گا اگر اس پر حجت قائم ہوچکی ہے اور کوئی شرعی عذر بھی مانع نہیں تو اس کو کافر کہا جائے گا۔جو توبہ کروانا ضروری خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک حد قتل کے موقع پر توبہ کروائی جائے گی جو توبہ کروانا ضروری نہیں سمجھتے ان کے نزدیک اس کے بغیر بھی اس کا قتل جائز ہے جبکہ شرعی عذروں کا تعلق تو فاعل یا قائل پر حکم لگانے سے متعلقہ ہے اور طلب توبہ کا مسئلہ قتل سے معلق ہے۔کسی آدمی پر کفر کا حکم لگانے کا مطلب اسے واجب القتل قرار دینا نہیں حکم کفر کے ثبوت کے بعد قتل کے موقع پر طالب توبہ (طلب کرنے والے یا کروانے والے) کو دیکھیں گے اس کی مزید تفصیل اسی کتاب کے چوتھے باب میں مسئلہ توبہ اور اس کے احکامات میں آئے گی ان شاء اللہ۔②:نفی عام میں ہر فرد کی نفی ہوتی ہے جبکہ نفی عموم میں ہر فرد کی نفی نہیں ہوتی۔③:شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ۳۱۶ تا ۳۱۸۔

ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ کے کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ میں دوقسم کے لوگوں کا منہج قابل مذمت ہے۔ایک گروہ ان لوگوں کا کہ جو اہل قبلہ اور ان کے ہمنوا خواہ وہ کیسے بھی کفریہ اقوال وافعال کا ارتکاب کریں ان کو کافر نہیں کہتے اس لئے کہ وہ کلمہ پڑھتے تھے، یا اس لئے کہ وہ رب کی ذات اور اس کے احکامات کے منکر نہیں ہیں۔جیسا بعض گمراہ قسم کے علماء اپنے حکمرانوں کی تائید اور ان کے مخالف تحریک کی تردید میں ایسی گل افشانیاں بکھیرتے رہتے ہیں۔دوسرا گروہ جن کا موقف اس مسئلہ میں قابل مذمت ہے وہ خارجی اور ان کے ہمنوا معتزلہ وغیرہ ہیں جو ہر گناہ پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح ان کے ساتھ وہ لوگ بھی قابل مذمت ہیں جو کفر کا حکم لگانے کی شروط وموانع سے اعراض کرتے ہوئے مسلمانوں پر فوراً کفر کا حکم لگا دیتے ہیں متعدد مقامات پر ان کے مذہب کا فساد وبطلان آتا رہے گا ۔انشاءاللہ

اس مسئلہ میں ممکنہ حد تک واضح دلیل کے بغیر کسی پر کفر کا حکم عائد کرنے سے بچنا چاہیے۔اگر کسی انسان سے کفر بواح سرزد ہوجائے اور کفر کی مکمل شرائط بھی اس میں پائی جائیں اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو تو ایسے انسان پر کفر کا حکم لگانا ضروری ہے۔کیونکہ کتاب وسنت کی نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی بطور ورع وپرہیز گاری ایسے انسان کو کافر قرار دینے سے گریز کرتا ہے تو ایسا پرہیز گار جھوٹا وکذاب ہے۔

غیر واضح دلائل اور شک کی بناء پر کسی مسلمان کو کافر کہنے کے رد میں علماء سلف کے اقوال

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ صرف اس شخص کو کافر کہنا چاہیے جس کے کافر ہونے پر سب متفق ہوں یا جس کے کفر پر کتاب وسنت کے واضح دلائل ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا (فقد باء بها) کا معنی ہے ان دونوں میں سے ایک نے اس بات کا گناہ اٹھالیا ہے۔اور خلیل بن احمد نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے

اور کہتے ہیں قرآن کی درج ذیل آیات بھی اسی معنی پر مشتمل ہیں (**وبـاء وا بـغضب بالله**) وہ اللہ کے غصہ کے ساتھ لوٹے (**فـقـد احتمل بهتاناً اثماً مبينا**)۔انہوں نے بہتان اور بہت بڑا گناہ اٹھایا ۔مقصد یہ ہے کہ جس کو کافر کہا گیا اگر تو وہ واقعی کافر ہے تو پھر کہنے والے پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس نے سچ کہا لیکن اگر وہ ایسا نہیں تو کہنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو اہل قبلہ کی تکفیر میں بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔

ابن عبدالبر نے باسناد عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ نے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان میں سے اس کا مصداق بن جاتا ہے اگر تو جس کو کہا گیا واقعتاً ایسا ہو پھر ٹھیک ہے وگرنہ کہنے والا اس کا مصداق ہو جائے گا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کوئی آدمی کسی کو کافر یا فاسق نہ کہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہوا تو کہنے والا اس کا مصداق بن جائے گا۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اس کی نیکیاں خوش کرتی ہوں اور گناہ برے لگتے ہوں وہ مومن ہے قابل افسوس ہے وہ مومن جو اپنے کسی ایسے بھائی (جس کی نیکیاں اس کو خوش کرتی ہوں اور گناہ برے لگتے ہوں) کو کافر کہہ رہا ہے حالانکہ وہ کفر کی بجائے ایمان کا زیادہ حق دار ہے①۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کسی بھی ثابت شدہ مسلمان کو شک کی بنا پر کافر نہیں کہا جا سکتا تاوقتیکہ اس کے خلاف دلیل نہ مل جائے اور شبہات زائل نہ ہو جائیں۔کیونکہ کسی کو کافر یا فاسق قرار دینا یہ تو اسماء واحکام کے ایسے مسائل میں سے ہے جو آخرت میں جزا وسزا سے متعلق ہیں۔اور دنیا میں بھی دوستی ودشمنی اور قتل وعصمت اسی پر موقوف ہیں اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کو مومن پر واجب اور کافر پر حرام کر دیا ہے اور یہ وہ کلی احکام ہیں جو ہر وقت ہر جگہ نافذ العمل ہیں②۔

①:التمہید لابن عبدالبر ج ۱۷/۲۲، ۲۷۔

②: مجموع الفتاویٰ ج ۱۲/ ۴۶۸۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا ایمان واسلام اور کفر ونفاق کے مسائل بہت اہم مسائل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت وجہنم اور سعادت وشقاوت کو انہی ناموں پر معلق کیا ہے۔اس امت میں پہلا اختلاف انہی چیزوں کی حقیقت کے بارے میں پیدا ہوا ہے①۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا حتی الوسع مسلمان پر کفر کا حکم لگانے سے بچنا چاہیے کیونکہ موحد نمازیوں کے خون کو حلال قرار دینا بہت بڑی غلطی ہے زندگی میں ہزار کافروں کو چھوڑ دینے والی غلطی ایک مسلمان کا خون بہانے والی غلطی سے کم درجہ کی ہے②۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے فرمایا شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیل الجرار میں فرمایا کسی بھی مسلمان کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی آدمی پر کفر کا حکم لگائے جب تک کہ اس کے پاس سورج کی روشنی سے بھی بڑھ کر روشن دلیل نہ ہو③۔

شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ بن عبدالرحمٰن آل شیخ نے فرمایا مستند شرعی دلیل کے بغیر کسی مسلمان کو کافر کہنے کی جسارت کرنا مبتدعین اور گمراہ قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے اور ائمہ اہل سنت والجماعت کے موقف کے برعکس ہے④۔ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے علماء نے فرمایا اگر کسی آدمی پر کفر کی ننانوے وجوہ پائی جاتی ہوں جبکہ اسلام کی صرف ایک شق پائی جاتی ہوں تو قاضی اور مفتی کو اس شق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ممکنہ حد تک مسلمانوں سے حدوں کو ہٹاؤ اگر کسی مسلمان کے لیے بچاؤ کی کوئی شکل نکلتی ہو تو اس کو چھوڑ دو اس لئے کہ آدمی (مفتی یا قاضی) کا معاف کر دینے میں غلطی کر جانا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہت زیادہ بہتر ہے⑤۔

---

①: جامع العلوم والحکم لابن رجب/ ۲۷۔

②: فتح الباری ج ۱۲/ ۳۱۴، الاقتصاد فی الاعتقاد للغزالی/ ۲۶۹۔

③: الروضۃ الندیہ شرح الدرر البھیۃ نواب صدیق حسن خان ۲۹۱، السیل الجرار ۴/ ۵۷۸۔

④: الرسائل المفیدۃ/ ۳۳ اور شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے کلام کے لیے الدرر السنیہ ج ۸/ ۲۱۷ ملاحظہ فرمائیں۔

⑤: ترمذی، مستدرک حاکم وقال حاکم صحیح، شرح الشفا ملا علی قاری ۲/ ۵۰۲ یہ حدیث جامع ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ممکنہ حد تک مسلمانوں کو حدود سے بچاؤ اگر کسی کے لیے بچاؤ کی گنجائش نکلے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ امام کا معافی دینے میں غلطی کرنا سزا دینے میں ⇦

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی بات معتبر شرعی سبب پر محمول ہوگی مثلا جہالت ، اکراہ ، تاویل وغیرہ وگرنہ کفر ومعصیت میں ڈوبی اقوام نے بے شمار عذر پیش کیے لیکن اللہ نے ان کو رد کر دیا فرمایا: ''يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ.......... '' یہ لوگ تمہارے پاس عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ یہ عذر مت پیش کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکا ہے (التوبہ: ٩٤) ۔اور فرمایا ''لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے کہہ دیجئے کہ اللہ ، اس کی

⇐ غلطی کرنے سے بہت بہتر ہے۔امام ترمذی نے فرمایا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق محمد بن ربیعہ عن یزید بن ابی زیاد دمشقی عن الزھری عن عروہ عن عائشہ عن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں مرفوع ملی ہے جبکہ یزید بن زیاد کا شاگرد وکیع اس حدیث کو موقوف بیان کرتا ہے اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی بات مروی ہے یزید بن ابی زیاد دمشقی ضعیف ہے اور یزید بن ابی زیاد اس سے زیادہ پختہ ہے اور معتبر ہے۔ابن ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ میں مذکور ہے جس پر نفاذ حد میں کوئی رکاوٹ ہو اس سے حد کو روک لو یہ ابراہیم بن الفضل کے طریق سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہے۔اس حدیث کو امام بیہقی وحاکم نے یزید بن ابی زیاد عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے بیان کیا یزید بن ابی زیاد بقول ترمذی ضعیف ہے اس حدیث کا موقوف ہونا ہی راجح ہے ۔یزید کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں وہ منکر الحدیث ہے اور امام نسائی نے فرمایا وہ متروک ہے امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں نقل کر کے فرمایا صحیح الاسناد لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔امام ذہبی نے اپنی مختصر میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا یزید بن ابی زیاد کے بارے میں امام نسائی نے فرمایا وہ متروک راوی ہے اور امام ترمذی نے علل الکبیر میں فرمایا اور محمد بن اسماعیل نے فرمایا یزید بن ابی زیاد منکر الحدیث وذاھب الحدیث ہے ۔نصب الرایہ ج ٣/ ٣٠٩ ۔سنن کبریٰ میں امام بیہقی نے فرمایا وکیع کی روایت صحت سے زیادہ قریب ہے اور فرمایا رشدین عن عقیل سے عن الزھری کے طریق سے مروی ہے اور رشدین ضعیف ہے۔حافظ ابن حجر نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام دارقطنی نے اپنی سنن میں مختار التمار عن ابی مطر عن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ادادلحدود کے الفاظ سے بیان کیا ہے حافظ صاحب فرماتے ہیں اس کی سند میں مختار بن نافع بقول امام بخاری منکر حدیث ہے۔اور فرمایا اس مسئلہ میں صحیح ترین حدیث یہ ہے سفیان ثوری عاصم سے وہ ابووائل سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں شبہات کی بنا پر حدود کو روک دو اور ممکنہ حد تک مسلمانوں کو قتل سے روکو یہ بات عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقطع اور موقوف مروی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا شبہات کی بناء پر حد نہ لگاؤ۔اس مسئلہ میں احادیث کی مزید تخریج کے لیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجئے: نصب الرایہ ٣/ ٣٣٣ الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ج ٢/ ٩٤ ، ٩٥ ، ١٠٠ ، ١٠١ ، امام ابن حزم رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے شبہات کی وجہ سے مسلمانوں سے حدود کو روک لو حتی الوسع مسلمانوں کو قتل سے بچاؤ حافظ ابن حجر نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔

آیتیں اوراس کا رسول ﷺ ہی تمہارے ہنسی مذاق کیلئے رہ گئے ہیں؟تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے ہو(التوبہ:٦٥،٦٦)۔اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا''وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَ لَا تَفْتِنِّیْ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ''ان میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں آپ ﷺ ہمیں اجازت دے دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں(التوبہ:٤٩)۔

اسی مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل خانہ،خاندان اور وطن جیسے عذروں کو رد کردیا ہے اسی طرح وہ آیت ہے جس کو علماء ثمانیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس میں آٹھ عذروں کا رد کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ'' کہہ دیجئے اگر تمہارے آباؤ اجداد،تہارے بیٹے،تہارے بہن بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور تمہارے مطلوبہ اموال اور وہ تجارت جس کے خسارہ کا تم کو خدشہ ہے اور تمہارے من پسند گھر تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو اللہ کے فیصلے (عذاب) کا انتظار کرو یقیناً اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا(التوبہ ٢٤)۔

مقبول اور مردود عذروں کا تفصیلی بیان اسی کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں آئے گا(انشاءاللہ)ملاعلی قاری کی طرح ابن عابدین شامی کا قول جو فتاویٰ صغریٰ میں مرقوم ہے''کہہ دیجئے کہ کفر بہت بڑی چیز ہے میں نے جب سے یہ حدیث پڑھی کہ مسلمانوں کو کافر نہ کہو اس وقت سے میں نے کسی مومن کو کافر نہیں کہا''معتبر عذر پر محمول ہے۔خلاصۃ الاحکام وغیرہ میں ہے کہ جب ایک مسئلہ میں کچھ اسباب حکم کفر کا تقاضا کریں اور ایک سبب اس سے مانع ہو تو مفتی کو مسلمان کے بارے میں حسن ظن کی بناپر عدم تکفیر والے سبب کی طرف مائل ہونا چاہیے بزازیہ میں یہ اضافہ بھی ہے لیکن اگر ارادہ سے

موجب کفر واضح ہوجائے تو پھر تاویل نافع نہ ہوگی۔مناسب یہی ہے کہ اگر مسلمان کی بات کی بہتر تاویل ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اگر چہ کسی ضعیف روایت کی بناء پر ہی ہو تو اس کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے①۔

اس میں یہ کہنا کہ ''ارادہ سے موجب کفر کی صراحت ہوجائے''اس وقت معتبر ہوگا جب اس کے ظاہری اقوال وافعال کفریہ نہ ہونگے اور اس کے محتمل الفاظ وکنایات کا دارومدار نیت پر ہوگا اگر نیت سے کفر کی صراحت مل جائے تو یہ الفاظ بھی کفریہ شمار ہونگے وگرنہ یہ فضول ولغو ہونگے اس مسئلہ کی مزید تفصیل اسی کے پانچویں باب میں 'مبہم گالی کا حکم' کے ضمن میں آئے گی۔انشاءاللہ۔

بعض نقص العلم لوگ سابق مذکورہ شروط وقیود سے صرف نظر کرتے ہیں اور ایسی باتوں سے دلیل لیتے ہوئے مطلقاً کفریہ اقوال وافعال کے مرتکبین کو کافر کہنے سے بھی اعراض کرتے ہیں حالانکہ یہ جائز نہیں ان کی یہ روش فقہ اسلامی کے ایک بہت بڑے باب کو رائیگاں قرار دینے کے مترادف ہے۔اس کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں اکراہ،تاویل اور جہل کے مسائل کے تحت ان شرائط وقیود کا تفصیلی بیان آئے گا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

حاشیہ ابن عابدین کا قاری ہمارے اس موقف کی صحت پر دلیل جان لے گا کیونکہ اس کے مصنف نے بہت سارے کفریہ اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔حالانکہ اس میں بعض دفعہ علماء کا اختلاف بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات راجح بات ثابت شدہ امر کے برعکس ہوتی ہے۔لیکن اس کے باوجود اس نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں مضبوط قوی دلائل کے بغیر کسی مسلمان کو کافر کہنے سے احتراز کرنا ضروری ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔

فائدہ:- امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا اہل قبلہ کے متنازع فیہ مسائل میں کسی گناہ یا خطاء کے مرتکب مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ

① :المختار علی الدر المختار المعروف بحاشیہ ابن عابدین ج۴/۲۲۴ دار الفکر،البحر الرائق لابن نجیم ج۵/۱۳۵۔

الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ''یہ پیغمبر (محمد ﷺ) ایمان لائے اس کتاب پر جو ان کے مالک کی طرف سے ان پر اتری اور (ان کے ساتھ) مسلمان بھی سب ایمان لائے اللہ اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہم اس کے کسی پیغمبر کو جدا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہم نے (تیرا ارشاد) سنا اور مان لیا (تسلیم کر لیا سر آنکھوں پر) ہمارے گناہ بخش دے ہمارے مالک ہم کو تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے (البقرہ ۲۸۵)۔ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرما کر ان کی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ نبی ﷺ نے خارجیوں کے قتال کا حکم دیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں سے قتال ان کی بغاوت اور ظلم کے سبب کیا تھا:- علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو خلفاء اربعہ میں سے ایک ہیں انہوں نے ان کے خلاف جنگ لڑی ائمہ دین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمہ اللہ اور بعد میں آنے والے بھی ان کے خلاف قتال پر متفق ہیں۔ اس کے باوجود علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو کافر قرار نہیں دیا بلکہ ان سے قتال سے باوجود مسلمان شمار کیا اور اس وقت تک ان سے لڑائی نہیں کی جب تک انہوں نے خون ریزی و مسلمانوں کے اموال کو لوٹنا شروع نہیں کیا۔

علی رضی اللہ عنہ عنہ کا ان سے قتال ان کے ظلم و بغاوت کی وجہ سے تھا نہ کہ ان کے کفر کی وجہ سے اسی لیے ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے اموال کو غنیمت نہیں بنایا گیا۔ جب ایسے گمراہ لوگ جن کی گمراہی کتاب وسنت واجماع سے ثابت ہے اور ان کے خلاف قتال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم بھی ہے۔ لیکن ان کو کافر قرار نہیں دیا گیا تو ایسے گروہ جن پر بعض مسائل مشتبہ ہو گئے اور بڑے لوگ اس میں خطا کا شکار ہو گئے ہیں تو ایسے لوگوں کو کافر کہہ کر ان کے خون و مال کو حلال قرار دینا کسی مسلمان کے لیے بھی جائز نہیں اگرچہ ان کی بدعت ثابت ہو جائے خواہ مکفرہ ہی کیوں نہ ہو ظن غالب یہ ہے کہ یہ تمام لوگ مختلف

مسائل کے حقائق سے جاہل ہیں اصل میں تمام مسلمانوں کے خون، مال اور عزتیں دوسرے مسلمانوں پر حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی پر حلال نہیں ہو سکتے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تمہارے اموال، خون اور عزتیں تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں تمہارے اس دن کی طرح ایک دوسرے پر حرام ہیں①۔

مسلمانوں کے دوسرے مسلمانوں پر خون و مال اور عزتیں حرام ہیں:- اور آپ ﷺ نے فرمایا! تمام مسلمانوں کے دوسرے مسلمانوں پر خون، مال اور عزتیں حرام ہیں، اور نبی ﷺ نے فرمایا جو آدمی ہم جیسی نماز پڑھتا ہے ور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھالیتا ہے یہ ایسا مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے②۔

اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہیں تو یہ قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں آپ ﷺ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ قاتل تو بوجہ قتل جہنم میں جائے گا تو مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیونکہ وہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا③۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد کفر میں نہ لوٹ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو④۔

---

①: بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابن ماجہ، طبرانی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوداؤد، بیہقی، ابویعلی، دارمی۔

②: صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس آدمی نے ہم جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوا اور ہمارا ذبیحہ کھالیا تو وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے (اے لوگو) تم اللہ کے ذمہ کو نہ توڑو اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں جو آدمی لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ہم جیسی نماز پڑھتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھالیتا ہے تو وہ مسلمان ہے جس کے لیے تمام وہ حقوق ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے اور اس پر وہ تمام احکام عائد ہوتے ہیں جو عام مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ الفاظ بیان کرنے میں بخاری منفرد ہیں یعنی مسلم اور دوسری کتب حدیث میں یہ الفاظ نہیں میرا خیال ہے کہ یہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا وہم ہے دراصل یہ حدیث سنن نسائی، بیہقی، طبرانی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں جس آدمی نے ہم جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوا اور ہمارا ذبیحہ کھالیا وہ مسلمان ہے۔ ③: صحیح بخاری (اذا التقی المسلمان بسیفیھما، مسلم ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن ماجہ، میں یہ حدیث ابوبکر موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

④: بخاری، مسلم ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن ماجہ، طبرانی کبیر، اوسط، بیہقی، ابویعلی، ابن ابی شیبہ، بزار، ابن حبان، حاکم وغیرہ میں یہ حدیث ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابوبکر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔

اگر کوئی مسلمان تاویلاً کسی سے لڑائی کرتا ہے یا اس کو کافر کہتا ہے تو نتیجۃً اس کو کافر نہیں کہا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں میں اس منافق کا سر قلم کردوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہے اور اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مطلع کرتے ہوئے فرمایا تم جیسے چاہو عمل کرو میں نے تم کو معاف کردیا یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ اسی طرح حدیث افک میں ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو کہا تھا تو منافق ہے کیونکہ منافقین کی حمایت میں جھگڑتا ہے دونوں گروہ جب اپنا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان صلح کروادی۔ بدریوں میں سے ایک نے دوسرے کو منافق کہا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کافر نہیں کہا بلکہ دونوں کے جنتی ہونے کی گواہی دی۔ صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے ایک آدمی کو لا الہ الا اللہ کے اقرار کے باوجود قتل کردیا ۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بڑی گراں گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اسامہ رضی اللہ عنہ کیا تو نے اس کو لا الہ الا اللہ کے اقرار کے باوجود قتل کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بار بار دہرائی حتٰی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے یہ تمنا کی کاش میں آج کے دن ہی مسلمان ہوا ہوتا تاکہ میرے ہاتھ سے یہ خون نہ ہوتا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس سے قصاص لیا اور نہ ہی دیت وہ کفارہ کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ (رضی اللہ عنہ) متاوّل تھا اس کا گمان یہی تھا کہ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے کلمہ پڑھا ہے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا قتل جائز سمجھا اسی طرح جنگ جمل وصفین وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کے خلاف صف بستہ ہوئے حالانکہ وہ سب مسلمان و مومنین تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ '' اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل کرادیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس

گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (الحجرات ۹) ۔اللہ تعالیٰ نے ان کی باہم لڑائی وسرکشی کے باوجود ان کو مومن بھائی کہا ہے اور ان میں انصاف کے ساتھ صلح کروانے کا حکم دیا ہے اسی لئے اسلاف صالحین ایک دوسرے سے لڑائی کے باوجود آپس میں دینداروں والا طریقہ اختیار کرتے تھے نہ کہ آپس میں کافروں جیسی دشمنی رکھتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی شہادتیں قبول کرتے تھے، ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے تھے، ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے اور ایک دوسرے سے نکاح کرتے تھے ۔اس اختلاف وقتال کے باوجود وہ ایک دوسرے سے مسلمانوں والا معاملہ کرتے تھے۔ صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی !اے اللہ میری امت کو قحط سالی سے یکبارگی ہلاک نہ کرنا اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کرلی، پھر آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط نہ کرنا اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول کرلی۔ پھر نبی ﷺ نے یہ دعا کی اے اللہ یہ آپس میں نہ لڑیں لیکن آپ ﷺ کی یہ دعا قبول نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی کہ اللہ ان کے دشمنوں کو اس انداز سے ان پر غالب نہیں کرے گا کہ وہ ان میں بعض کو قتل کردے اور باقی ماندہ کو قیدی بنالیں۔ اسی طرح بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت ''قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ '' آپ ﷺ کہیے کہ اس پر بھی وہ قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کرکے سب کو ٹکرا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ آپ ﷺ دیکھئے تو صحیح ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں (الانعام ۶۵) ۔یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا! اے اللہ (اعوذ بک بوجھک) (میں تیرے چہرے کے ساتھ تیری پناہ میں آتا ہوں) ''یا تمہارے پاؤں تلے سے'' آپ ﷺ نے پھر کہا اعوذ بوجھک ''یا تم کو

گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھائے‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں پہلے کی نسبت خفیف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بدعات و اختلافات سے بچ کر رہنے اور جماعت کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ’’جن لوگوں نے دین میں تفرقہ بازی پیدا کی اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ ﷺ کا ان سے کوئی تعلق نہیں‘‘ اور نبی ﷺ نے فرمایا جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ جبکہ دو آدمیوں سے شیطان دور ہو جاتا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا! شیطان انسانوں کے لیے بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے جو بکری ریوڑ سے الگ ہوتی ہے وہ اس کو اچک لیتا ہے①۔

① : مجموع الفتاویٰ ج ۳/۲۸۳ تا ۲۸۶۔ اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن حبان، بیہقی، اور لالکائی نے اعتقاد اھل السنۃ میں اور امام حاکم نے مستدرک حاکم میں روایت کیا ہے اور کہا اس کی سند صحیح ہے عبداللہ بن دینار سے مروی وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ مقام پر ہم کو خطبہ دیا اور کہا اے لوگو! میں تم میں اس طرح کھڑا ہوں جس طرح ہم میں نبی ﷺ کھڑے تھے آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اپنے صحابہ کے بارے پھر ان کے بعد اور پھر ان کے بعد ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں پھر جھوٹ عام ہو جائے گا۔ آدمی بغیر مطالبہ کے قسمیں اٹھائے گا اور گواہ سے گواہی کا مطالبہ نہ ہو گا لیکن پھر بھی وہ گواہی دے گا خبردار کوئی مرد عورت خلوت اختیار نہ کریں وگرنہ ان میں تیسرا شیطان ہو گا تم جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقہ بازی سے بچو اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے شیطان دور نکل جاتا ہے جو آدمی جنت کا طلب گار ہے وہ جماعت کو اختیار کرے جس آدمی کو اس کی نیکی خوش کرے اور گناہ برا محسوس ہو وہ بندہ مومن ہے اس سند سے امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تیسرا مقدمہ

افتراق امت کی صورت میں اصل حق کو اختیار کرنا ضروری ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت پہلی امتوں کے پورا پورا نقش قدم پر نہیں چل پڑتی۔ آپ ﷺ کو کہا گیا کیا جیسے رومی و فارسی؟ نبی ﷺ نے فرمایا تو اور کون؟ (یہی ہیں)①۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم ضرور پہلے لوگوں کی مکمل پیروی کرو گے، اگر ان میں سے کوئی سانڈے کے بل میں داخل ہوا تو تم اس کی بھی پیروی کرو گے۔ ہم نے کہا کیا آپ ﷺ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اور کون؟ (یہی ہیں)②۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہودی ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی③۔

عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہودی ۷۱ فرقوں میں تقسیم ہوئے جن میں سے ایک جنت میں اور ۷۰ جہنم میں اور عیسائی ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے جن میں سے ۷۱ جہنم میں

---

①: صحیح بخاری و مسند احمد میں یہی الفاظ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور انہی الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور ابن ابی عاصم کی السنہ میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اور امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ طبرانی کبیر میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابن عاصم نے السنہ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کر کے کہا اس کی سند حسن ہے اور ترمذی میں ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

②: اس حدیث کو امام بخاری، مسلم اور احمد نے ابوسعید رضی اللہ عنہ اور امام حاکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد، بیہقی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے مستور بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

③: مسند احمد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم بیہقی، ابویعلی، طبرانی کبیر، السنہ لابن ابی عاصم میں اس کی سند جید ہے۔

اور ایک جنت میں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری (محمد ﷺ کی) جان ہے تم ضرور ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگے ایک جنت میں اور ۷۲ جہنم میں جائیں گے۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا جنتی گروہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جماعت ہے①۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اہل کتاب کے دونوں گروہ (یہود ونصاریٰ) ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی ۷۲ فرقے جہنمی اور ایک جنتی ہوگا اور وہ جماعت ہے②۔ صادق ومصدوق پیغمبر ﷺ کی پیشن گوئیاں سچ ثابت ہوچکی ہیں اور معاملات بہت سنگین ہوچکے ہیں، اختلافات بڑھ گئے ہیں، بدعات ونفاق عام ہو چکا ہے اور امت محمدیہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں تمثیل وتعطیل میں بھی انکار وغلو کا شکار رہے۔ ایمان اور وعد (جنت) وعید (جہنم) میں مرجئہ وخوارج ومعتزلہ کی شکل میں افراط وتفریط کا نمونہ پیش کررہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال وتقدیر کے معاملہ میں غالی جبریہ ومنکر قدریہ میں منقسم ہے۔ اور نبی ﷺ کے صحابہ واہل بیت کے بارے میں غالی رافضیوں اور ظالم ناصبیوں کی نذر ہوچکی ہے۔ رافضی علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں زیادتی کرنے والے اور ناصبی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرنے والے تھے۔

---

①: اس حدیث کو امام ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے بسند حسن روایت کیا ہے ترمذی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال میرے اور میرے صحابہ جیسے ہوں گے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو بواسطہ عبداللہ بن زیاد افریقی عن عبداللہ بن یزید عن ابن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں اس حدیث کا شاہد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں اور ابن ماجہ وحاکم نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو امام احمد نے مسند احمد میں اور امام ابن ماجہ وابویعلی موصلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعا روایت کیا ہے جس کے بارے میں کنانی نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ (مصباح الزجاجہ لکنانی ج۴/۱۸۰)۔

②: مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد میں یہ مکمل حدیث ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا ان میں خواہشات اسطرح سرایت کرجائیں گی جس طرح کتے کے ہر جوڑ ورگ میں بیماری سرایت کرجاتی ہے۔ اسی طرح اس حدیث کو امام دارمی، ابن ابی عاصم نے اور امام آجری نے الشریعہ میں امام حاکم، لالکائی اور امام بیہقی نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ازہر بن عبداللہ حزاری مختلف فیہ راوی ہے۔ امام عجلی اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے امام ابوداؤد نے فرمایا میں تو اس سے نفرت کرتا ہوں امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا تابعی ہے اور حسن الحدیث ہے ناصبی ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بغض رکھتا تھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا.... لیکن ناصبی ہونے کی وجہ سے اس پر کلام کیا گیا ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو محفوظ قرار دیا ہے۔

علیٰ ھذا القیاس یہ امت بے شمار اختلافات وگمراہیوں کا شکار ہے۔ان میں سے ہر گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہی فرقہ ناجیہ ہے۔بلکہ بعض اوقات ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر قرار دینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا حالانکہ یہ سب گروہ باطل پرست ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے طائفہ منصورہ کی وضاحت کردی کہ وہ میرے اور میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں گے پیغمبر ﷺ کی سیرت وکردار سے انحراف کو جائز خیال نہیں کریں گے،نبوی منہج کے داعی اور شریعت مطہرہ کے محافظ ہوں گے اس سے مراد محدثین وفقہاء ہیں کیونکہ درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو کتاب وسنت کی سرحدوں کے نگران اور اس کی حدود کے رکھوالے ہیں ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم اور اختلافی چیزوں میں برحق کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اس لیے کہ یہ لوگ ملحدین وفلاسفہ کی موشگافیوں سے بچ کر صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام تسلیم کرنے والے ہیں۔یہ لوگ ہدایت کے فانوس اور اندھیروں میں روشنی کے چراغ ہیں جو لوگ ان کے منہج وطریقہ کار کے پیروکار ہیں وہ لوگ حقیقت میں سرکشی وضلالت نے نجات پانے والے ہیں اور جو ان کے راستے سے ہٹ گیا وہ سیدھے راستے سے پھسل کر خواہشات نفسانی کا لقمہ بن گیا۔لہٰذا ضروری ہے انسان پیغمبر ﷺ کا پورا پورا مطیع وفرمانبردار ہو اس کے لئے نہ تو وہ باطل خیالات (معقولیات) کو آڑے آنے دے اور نہ شکوک وشبہات کا شکار ہو اور نہ مقلدین کی طرح اس کو لوگوں کی آراء وقیاس اور عقول پر پرکھے بلکہ بتسلیم ورضا نبی ﷺ کو مستقل حاکم سمجھے اور ضروری ہے کہ ہم اللہ کے دین حنیف کو مضبوطی سے تھامیں اور فرقہ پرستی سے بچیں نہ کہ اہل کتاب کی طرح فرقہ بندی کا شکار ہوجائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’**وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا**...... ‘‘تم سب اللہ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ(آل عمران ۱۰۳)۔دوسرے مقام پر فرمایا ’’**وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَ ھُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۞ یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ**‘‘تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو دلائل ملنے کے بعد اختلاف کا شکار ہوگئے ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے

جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ ہونگے (آل عمران: ۱۰۵،۱۰۶) ۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ اتفاق واتحاد سے مزین اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہونگے اورافتراق وانتشار کے حاملین کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا علم ہوجائے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول، قیاس کی وجہ سے اس سنت کو ترک کردے یہی بات بہت سے محدثین سے منقول ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے کہا اے ابوعبداللہ کیا تو بھی اس کا قائل ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور کہا تیرا کیا خیال ہے میں نے عیسائیوں والی پٹی باندھ رکھی ہے؟ یا میں کسی گرجا گھر سے آرہا ہوں؟ میں نے تجھ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی ہے اور تو مجھ سے یہ پوچھ رہا ہے۔اور پھر فرمایا افسوس ہے تجھ پر اگر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرکے اس کے مطابق نہ چلوں تو کس زمین پر زندگی بسر کروں گا اور کس آسمان تلے زندہ رہوں گا؟ یہ احادیث تو ہمارے ماتھے کا جھومر ہیں①۔

یہ تو سلف صالحین کے تسلیم ورضا کا ایک نمونہ تھا جو ہمارے دور کے ان مجددین جیسے نہیں تھے جو شریعت کو اپنی خواہشات پر پرکھتے ہیں جو ان کی مصلحت وآراء کے موافق ہو اس کو مان لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں اور سلف صالحین کے متبعین کو روح شریعت سے بیگانے، دقیانوسی وغیرہ کے القابات

①:امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں ''ہر مسلمان کے لیے کتاب وسنت کا اتباع فرض ہے'' کے موضوع پر کچھ نصیحت آموز اشعار لکھے ہیں فرمایا :!اپنے دل کو دو چیزوں کے لیے خالی چھوڑ دے یہ دونوں چیزیں آدمی پر فرض ہیں ایک تو رب رحمٰن کے لیے کہ ظاہر وباطن میں پرخلوص ہو۔تمام اقوال وافعال سے مقصود رب کو راضی کرنا ہو کیونکہ اس سے انسان اللہ کا حقیقی بندہ بن کر شرک سے محفوظ ہوجاتا ہے۔اور دوسرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (دل خالی چھوڑ دے) جو براھین ساطعہ وحق گوئی کا سرچشمہ ہے۔بلا جھجک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے۔بقول شیوخ وحی الٰہی کے پیروکاروں کے پاس دو ایسے حاکم ہیں جو ہمیشہ انصاف پر مبنی فیصلہ کرتے ہیں ایک رب کا قرآن ہے جو اعلیٰ ہے اس میں (لوگوں کے لیے) زبردست ہدایت اور شفاء ہے اور دوسرا حاکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے مومن آدمی کو ان کے علاوہ کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں اگر تجھ کو کوئی آدمی کسی اور حاکم کی دعوت دے تو ایسے مبلغ کفر وعصیان کی بات کو نہ سننا اور کہنا ظلم کے داعی کے لیے ذلت ورسوائی اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔اور جب تجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جائے تو کہنا میں تو تسلیم کرنے والا ہوں جب انتشار واختلاف بڑھ جائے تو (کتاب وسنت پر) ڈٹ جانا جبکہ شور وغل اور اختلاف تو دھویں کی حیثیت رکھتا ہے جو ابتداء میں تو بہت پروان چڑھتا ہے اور پھر (تھوڑی دیر بعد) دور کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

سے نوازتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑنا ہی مجددیت ہے۔حالانکہ باطل پرستوں کے یہ القابات اہل حق کے لیے کچھ مضر نہیں کیونکہ سابقہ ادوار میں بھی رب تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ ہر زمانے میں جن وانس میں ایسے شیطان پیدا کرتا رہتا ہے جو لوگوں کو حق سے روکتے اور باطل کو ملمع ومزین کر کے پیش کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ''اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن گناہ گاروں کو بنادیا اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے (الفرقان ۳۱)۔دوسرے مقام پر فرمایا''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ''اور اسی طرح ہم نے نبی علیہ السلام کے دشمن بہت سے شیاطین پیدا کیے تھے جو کہ آدمی اور کچھ جن تھے۔جن میں سے بعض بعضوں کی چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے کام نہ کرتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس آپ رہنے دیجئے (الانعام ۱۱۲)۔

اہل حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے قرآن اور نبی ﷺ کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامے رکھیں خواہ لوگ ان کو مکروہ اوصاف سے تعبیر کریں کیونکہ ان کے لیے محمد ﷺ کی سیرت ایک بہترین نمونہ ہے کیونکہ نبی ﷺ کے لیے جادوگر، پاگل،اور ساحر جیسے قبیح الفاظ استعمال کر کے لوگوں کو آپ ﷺ سے دور ہٹانے کی ناکام سعی بھی کی گئی تھی۔لیکن یہ طعن وتشنیع آپ ﷺ کو فریضہ تبلیغ سے سبکدوش نہ کرسکی بلکہ آپ ﷺ نے صبر واستقامت کا دامن تھام کر دعوت وجہاد کا فریضہ سرانجام دیا اور دین حنیف کو غالب کر کے اللہ کے دشمنوں کو تباہ وبرباد کیا۔نبی ﷺ ابتداء اسلام میں جن حالات سے دوچار تھے آج کل بھی وہی حالات پیدا ہو چکے ہیں۔اہل اسلام لوگوں میں اجنبی ہو چکے ہیں اور اسلامی احکامات مسلمانوں میں ایک پردیسی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اسی اجنبیت کے بارے میں آپ ﷺ نے سچ

فرمایا کہ اسلام اجنبی شروع ہوا اور عنقریب اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح شروع میں اجنبی تھا ان پردیسیوں کے لیے خوشخبری ہے ①۔

نبی ﷺ نے ان اجنبیوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کے فساد کے وقت وہ ان کی اصلاح کریں گے اور میرے بعد میری سنتوں میں لوگوں نے جو خرابیاں پیدا کی ہوں گی وہ اس کو درست کریں گے ②۔ اس زمانہ کے غرباء کو بھی چاہیے کہ اپنے اسلاف کی طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کی وجہ سے خوش ہوں اور دین اسلام پر ڈٹے رہے اور اس کے احکامات کو بجالائیں اور اس کی حدود کا خیال رکھیں یہاں تک کہ ان کے اسی ثبات پر اللہ کی مدد آن پہنچے جبکہ انہوں نے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ کیا ہو۔ کیونکہ وہ ان کو آزمائش میں مبتلا کر کے سچے اور جھوٹے کو نکھارنا چاہتا ہے ③۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ جلد از جلد اپنے دین کی مدد فرما کر اس کو غالب کر دے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

①: بعض علماء نے حدیث غربت اسلام کو متواتر احادیث میں شمار کیا ہے اور یہ روایت صحیح مسلم میں ابو ہریرہ ابن عمر سے اور سنن نسائی و جامع الترمذی میں ابن مسعود سے اور ابن ماجہ میں ابن مسعود اور انس سے اور مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے اور ترمذی میں عوف بن عمرو مزنی سے اور طبرانی صغیر و کبیر میں سلیمان فارسی، سہل بن سعد الساعدی، ابن عباس اور عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور امام ابن عدی نے الکامل میں امام بیہقی نے کتاب الزھد میں اور لالکائی نے شرح اعتقاد اھل السنہ میں اس کو روایت کیا ہے اور بعض احادیث میں بصیغہ مجھوم (بُدِی) بیان ہوا ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث صحیح بخاری میں ذکر نہیں کی کتاب العلل میں امام ترمذی نے فرمایا میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

②: اس حدیث کو امام طبرانی اور ابو نصر نے اپنی الابان میں اور ابونعیم نے الحلیہ میں اور امام ترمذی نے جامع الترمذی میں بیان کیا ہے یہ الفاظ امام ترمذی کے ہیں کثیر بن عبداللہ عمرو بن عوف بن زید بن ملحہ المزنی سے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین حجاز کی طرف اس طرح سکڑ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سکڑ جاتا ہے اور دین حجاز میں اس طرح معلق ہو جائے گا جس طرح پہاڑ کی چوٹی پر پہاڑی بکری معلق ہوتی ہے دین اجنبی شروع ہوا اور اجنبیت میں لوٹ جائے گا ان اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے جو میرے بعد میری سنتوں میں پیدا کی گئی خرابیوں کی اصلاح کریں گے امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

③: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عیب جوئی کرنے والوں اور جھوٹے القابات دینے کی وجہ سے حق بات کو ترک کر دے جیسا کہ رافضی ہم کو ناصبی کہتے ہیں لیکن اس وجہ سے ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بغض نہیں رکھتے۔ اسی طرح قدریہ ہم کو جبریہ کے القاب سے ملقب کرتے ہیں لیکن ان کے اس طعنہ کی وجہ سے نہ ہم اللہ کی تقدیر کو جھٹلاتے ہیں اور نہ اس کی کمال خشیت وقدرت کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی معتزلہ وجھمیہ کی طعنہ مجسمہ ومشبھہ وخشویہ کی بنا پر ہم رب تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں۔ اس شاعر پر رب کی رحمت ہو جس نے یہ شعر کہا فانکا تجسیما ثوت صفاتہ/ لدیکم فانی الیوم عبد مجسم اگر تمہارے ھاں اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرنا مجسمیت ہے تو میں آج سے مجسمیہ ہوں امام شافعی رحمہ اللہ پر بھی اللہ راضی ہو انہوں نے فرمایا ان کا رفضا حب آل محمد/ فلیشھد اقلان انی ناصبی یعنی اگر اصحاب محمد ﷺ سے محبت رکھنا ناصبیت ہے تو جن وانس گواہ بن جائیں کہ میں ناصبی ہوں۔

اختلاف امت کے بنیادی اسباب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرقہ پرستی کے دو بنیادی اسباب بیان کیے ہیں:

(۱) کتاب وسنت کا کچھ حصہ قبول کر لینا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا اور جو کچھ اپنے پاس ہے اس پر خوش ہوتے رہنا اور جو کچھ دوسروں کے پاس ہو اس سے صرف نظر کر لینا۔

(۲) دوسرا وہ سرکشی جو بعض افراد یا فرقوں سے دوسرے کے خلاف سرزد ہوتی ہے۔ جو کہ اس امت میں بھی ہے اور سابقہ امت میں بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا '' تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن اور خوش ہے (الروم ۳۱، ۳۲)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ '' اے پیغمبرو! حلال چیز کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو میں اس سے بخوبی واقف ہوں یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں پس تم مجھ سے ڈرتے رہو پھر انہوں نے خود ہی اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیے ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اترا رہا ہے (المومنون ۵۱، ۵۲، ۵۳)۔ اور فرمایا ''کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ........ '' دراصل یہ لوگ ایک ہی امت تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگوں کے

اختلافی امور کا فیصلہ ہو جائے اور صرف انہی لوگوں نے جو اسے دیے گئے تھے اپنے پاس دلائل آجانے کے بعد آپس کے بغض کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا...... (البقرہ ۲۱۳)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ......... ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی وحسد کی بناء پر ہی اختلاف کیا ہے (آل عمران ۱۹)۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اتفاق واتحاد اسی وقت پروان چڑھ سکتا ہے جب ظاہر و باطن میں مکمل دین نافذ ہو اور فرقہ پرستی کا سبب باہمی سرکشی اور دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا بغاوت ہے۔

اختلاف وافتراق کی بنیادی اقسام

امام ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا اختلاف وافتراق کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں

① فروعی یا نوعی اختلاف۔

② تضاد کا اختلاف (بدعت وسنت یا حق و باطل کا اختلاف)

فروعی یا نوعی اختلاف:- یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ فریقین میں سے ہر ایک کا قول یا فعل شرعًا صحیح ہوتا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قرآت کا اختلاف ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا تم دونوں ہی صحیح ہو①۔

اذان واقامت کی صفات، دعائے استفتاح وسجدہ سہو کے محل اور اس میں تشہد، نماز خوف اور تکبیرات عیدین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے سارا اسی نوعیت کا ہے۔ یہ تمام چیزیں شرعی ہیں اگرچہ ان میں بعض افضل وارجح ہیں۔ اس کے باوجود آپ بہت سارے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ ایسے اختلاف میں بھی ایک دوسرے سے دست وگریباں تک اتر آتے ہیں جیسے اذان کے کلمات کا جفت وطاق ادا کرنا

①: صحیح بخاری، مسند احمد، سنن النسائی مسند ابی یعلی۔

اس میں بھی بعض دفعہ یہ صورت حال پیش آجاتی ہے۔حالانکہ یہ لڑائی حرام ہے آپ کو بہت سے لوگ ایسے بھی نظر آئیں گے جو ان اقسام میں سے کسی ایک سے دلی محبت رکھتے ہیں اور دوسری چیز سے اعراض کرتے ہیں۔حالانکہ اعراض صرف اس چیز سے ہونا چاہیے جس سے نبی ﷺ نے منع کیا ہو اور بعض دفعہ فریقین کی بات کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے صرف الفاظ وعبارت میں فرق ہوتا ہے یا مسمیات کی تعبیر میں اختلاف ہوتا ہے پھر ظلم کی بات یہ ہے کہ ایسے آدمی کا یہ طرز عمل اس کو فریقین میں ایک کی توصیف اور دوسرے کی مذمت پر برانگیختہ کردیتا ہے۔حالانکہ ان فروعی مسائل میں اختلاف کی شدت جائز نہیں۔

تضاد کا اختلاف:- اصول یا فروع میں دو متضاد چیزیں ہیں جبکہ جمہور علماء کے نزدیک صحیح ایک ہی ہے۔کیونکہ دونوں قول ایک دوسرے کے برعکس ہیں بسا اوقات فریق مخالف کے باطل قول میں کچھ حصہ برحق ہوتا ہے یا اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جس اس کے بعض کے حق ہونے کا تقاضا کرتی ہے لیکن یہ آدمی باطل کل کے ساتھ اس حق بات کا بھی انکار کردیتا ہے۔جس کے نتیجہ میں اس کے صحیح قول میں باطل کی کچھ آمیزش رہ جاتی ہے جس طرح اس باطل پرست کے بطلان میں کچھ حق کی آمیزش تھی۔یہ روش عمومی طور پر بعض اہل سنت میں پائی جاتی ہے۔مبتدعین کا طرز عمل تو بالکل واضح ہے جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ایمانی بصیرت سے نوازا ہے وہ تو کتاب وسنت سے اپنے نفع کی چیز حاصل کرتا ہے اور منہیات سے بچ جاتا ہے۔

اختلاف نوعی (فروعی) ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فروعی اختلاف کی مثالیں“ اس وقت قابل مذمت ہے جب ایک گروہ دوسرے کے خلاف سرکشی اختیار کرلے وگرنہ اللہ نے ایسے معاملات میں دونوں گروہوں کی تعریف کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ” **مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ** “تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ

ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے (الحشر:۵)۔ بنو نضیر کے درخت کاٹنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہوا تھا کچھ لوگوں نے درختوں کو کاٹا اور کچھ نے کاٹنے سے اعراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا....... ''اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چارہ چگ گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا (الانبیاء ۷۸، ۷۹)۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے فہم وفراست میں سلیمان علیہ السلام کو خاص کیا ہے حالانکہ حکمت وعلم کے ساتھ دونوں کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ اسی طرح بنو قریظہ کے دن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عصر کی نماز راستہ میں بروقت ادا کی اور بعض نے بنو قریظہ کے پاس پہنچ کر لیٹ ادا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو برقرار رکھا ①۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مجتہد فیصلہ میں درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور اگر اس سے غلطی ہو جائے تب بھی اس کے لیے ایک اجر ہے ②۔

---

①: صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں غزوہ احزاب سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فرمایا تم نے نماز عصر بنی قریظہ میں ادا کرنی ہے راستہ میں نماز عصر کا وقت ہو گیا بعض صحابہؓ نے کہا ہم بنو قریظہ جا کر نماز ادا کریں گے اور بعض نے کہا ہم تو بروقت ہی ادا کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بتایا گیا تو آپ نے کسی پر بھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، اسی حدیث کو صحیح مسلم، ابن حبان، ابوعوانہ، بیہقی نے بھی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں جنگ احزاب سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کہا تم نے نماز ظہر بنو قریظہ میں ادا کرنی ہے تو بعض لوگوں نے وقت کے ختم ہونے کے اندیشہ سے راستے میں ہی نماز ادا کر لی دوسرے لوگوں نے کہا ہم تو وہیں نماز ادا کریں گے جہاں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے وقت ختم ہوتا ہے تو ہو جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کیا۔

②: بخاری ومسلم وغیرہ میں یہ حدیث عمرو بن عاص اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے امام حاکم اور امام دارقطنی نے عقبہ بن عامر، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ مجتہد سے فیصلہ میں اگر غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اگر وہ درست بات کو پالیتا ہے تو اس کے لیے دس (۱۰) اجر ہیں امام حاکم نے اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے ہے فضالہ راوی ضعیف ہے ابن لھیعہ نے اگرچہ اس کی متابعت کی ہے لیکن اس حدیث کے یہ الفاظ نہیں امام احمد رحمہ اللہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے اگر تو درستگی پالے تو تیرے لیے دس گنا اجر ہے اور اگر تجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو تجھے ایک نیکی ملے گی اس کی سند بھی ضعیف ہے (دیکھئے تلخیص الحبیر لابن حجر ج۴/۱۸۰، خلاصہ البدر المنیر ج۲/۴۲۳)

دوسرا اختلاف تضاد کا اختلاف ہے:- جس میں ایک طائفہ قابل توصیف جبکہ دوسرا قابل مذمت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

’’تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ‘‘ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے (مگر اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی (البقرہ ۲۵۳) ۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **’’هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ‘‘** یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملہ میں جھگڑا ہے ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں اور کھولتا ہوا پانی ان کے اوپر بہایا جائے گا (الحج:۱۹)۔امت میں پیدا شدہ زیادہ تر اختلاف اسی پہلی (نوعی) قسم کا ہے۔جس کی وجہ سے معاملہ قتل وغارت اور بغض وعناد تک پہنچ چکا ہے کیونکہ کوئی بھی فریق دوسرے فریق کے پاس موجود حق بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ اپنے صحیح موقف میں باطل چیز کا اضافہ کرتا جا رہا ہے۔اسی لیے اللہ نے اپنے اس فرمان میں اس کا منبع سرکشی کو قرار دیا ہے۔اہل کتاب نے دلائل آنے کے بعد صرف سرکشی کی وجہ سے آپس میں اختلاف کیا سرکشی کا معنی حد سے تجاوز کرنا اور یہ چیز امت کے لیے بطور عبرت قرآن مجید میں متعدد مقام پر بیان کی گئی ہے۔

قرآن کے متعلق جھگڑنے والوں کو نبی ﷺ کی سرزنش:- صحیح بخاری ومسلم میں ایک

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو جو چیز بتاتا ہوں اس پر رک جایا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جب میں تم کو کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے باز آ جایا کرو جب میں تم کو کسی کام کرنے کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کو بجالایا کرو۔اس حیثیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مامور چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا کیونکہ سابقہ اقوام کی ہلاکت کا سبب زیادہ سوال اور نافرمانی کی شکل میں انبیاء علیہم السلام سے اختلاف تھا ۔ان کا پہلا اختلاف قرآن کے منزل من اللہ اور کلام اللہ ہونے کے بارے میں ہے۔ایک گروہ کے بقول یہ کلام دیگر مخلوق کی طرح اللہ کی مشیت وقدرت سے حاصل شدہ ہے اور اللہ سے الگ ہے لہٰذا یہ بھی مخلوق ہے۔اور دوسرے گروہ کا کہنا ہے کلام اللہ تعالیٰ کی قائم بالذات صفت ہے مخلوق نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وقدرت سے متکلم نہیں ہوتا۔فریقین میں سے ہر ایک نے اپنے موقف میں حق وباطل کی آمیزش کی ہے حق کا کچھ حصہ تسلیم کرلیا ہے اور فریق مخالف کے پاس جو حق تھا اسکو جھٹلا دیا،اس کی تاویل جو کفر وایمان کو متضمن ہے اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔جیسا کہ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں بیان ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے جو تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے ہر ایک قرآن کی آیت پیش کررہا تھا۔یہ صورت حال دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصے سے اتنا سرخ ہو گیا گویا کہ اس میں انار نچوڑ دیا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تمہیں یہ حکم دیا گیا تھا؟ کیا تمہیں یہ کہا گیا تھا کہ قرآنی آیات کو باہم ٹکراؤ؟ سنو تمہیں جس کام کو کہا جائے اس کو کرلو اور جس سے منع کر دیا جائے اس سے رک جاؤ۔ایک اور حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے پہلی قومیں انبیاء سے اختلاف اور اپنی کتابوں کو باہم ٹکرانے کی وجہ سے تباہ وبرباد ہو گئیں قرآن اس لیے نہیں آیا کہ تم اس کی آیات میں ٹکراؤ پیدا کرو بلکہ اس کا بعض تو بعض کی تصدیق کرتا ہے۔جو اس میں سے تم پہچانتے ہو اس پر عمل کرو اور جو اس میں متشابہات ہیں اس پر ایمان رکھو۔ایک اور حدیث میں ہے تم سے پہلی امتوں کو اس وقت تک ملعون قرار نہیں دیا گیا جب تک وہ اختلاف کا شکار نہیں ہوئے یقیناً قرآن کے بارے

میں جھگڑا کفر ہے یہ مشہور حدیث کتب مسانید وسنن میں مروی ہے①۔

اس حدیث کی اصل امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں عبداللہ بن رباح انصاری کی سند سے بیان کی ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں ایک دن صبح سویرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی جو قرآن مجید کی آیت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالت میں ان کے پاس آئے اور فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔تمام بدعتی لوگ قرآن مجید کی تاویل وتفسیر میں اختلاف کرتے ہیں جو چیز (آیات) ان کے مواقف ہوتی ہے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جو ان کے ذہن کے خلاف ہوتی ہے اس کی یا تو محرفانہ تاویل کر دیتے ہیں

① : یہ حدیث مسند احمد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس حالت میں آئے کہ وہ تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے یہ دیکھ کر غصہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوگیا جیسے انار نچوڑا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا ہوگیا ہے تم کتاب اللہ کو آپس میں ٹکراتے ہو تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے غیر حاضری کی کبھی تمنا نہیں کی لیکن یہ حالت دیکھ کر میں نے تمنا کی کہ کاش میں اس مجلس میں نہ ہوتا۔مسند احمد۔طبرانی اوسط،الاعتقاد للکائی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دروازہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ایک نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا؟ دوسرے نے کہا کیا قرآن میں یہ یہ بات نہیں کہی گئی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصے سے متغیر ہو چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں یہ کہا گیا تھا؟ مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم قرآن کی آیات کو آپس میں ٹکراؤ ایسے ہی امور کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ گمراہ ہوگئے تھے تمہار جھگڑا بالکل فضول ہے۔تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے باز آجاؤ۔طبرانی اوسط میں بھی عمرو بن شعیب عن ابیہ جدہ کے طریق سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحث میں مشغول تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعض کو بعض سے ٹکرایا۔حالانکہ کتاب اللہ کا بعض تو بعض کی تصدیق کرتا ہے جو تمہیں اس سے معلوم ہو وہ بیان کر دو جو معلوم نہ ہو اس کے لیے عالم کی طرف رجوع کرلو۔حدیث (امراء فی القرآن کفر) یہ الفاظ سنن ابی داؤد،طبرانی اوسط،صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں امام منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اسی طریق سے امام احمد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں قرآن کے بارے میں جھگڑنا کفر ہے جو تم پہنچانتے ہو اس پر عمل کرو اور جو تم کو معلوم نہ ہو اس کے بارے میں جاننے والے کی طرف لوٹا دو ابوجہم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دو آدمی ایک آیت کے بارے میں جھگڑ پڑے ایک نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا دوسرے نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن سات قراءتوں پر پڑھا جاتا ہے تم قرآن کے بارے میں نہ جھگڑو کیونکہ قرآن کے بارے میں جھگڑنا کفر ہے اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں امام بیہقی وابن ابی شیبہ نے اس طرح بیان کیا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا قرآن میں جھگڑنا کفر ہے جو اس سے معلوم ہوا اس پر عمل کرو اور جس کا تم کو علم نہ ہو اس کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے اس میں سے ایک سند کے راوی صحیحین کے راوی ہیں امام بزاز رحمہ اللہ نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

یا پھراس کومتشابہ قرار دے کراس کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کا معنی صرف اللہ ہی جانتا ہے اس طرح وہ الفاظ کو بھی مانتے ہوئے اس کے معنی کا انکار کردیتے ہیں۔حالانکہ یہ کفریہ روش ہے کیونکہ معانی کی حقیقت کو تسلیم کئے بغیر صرف الفاظ کو ماننا یہ تو اہل کتاب جیسا ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا''**مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ**''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھرانہوں نے عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بڑی مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا(الجمعة:٥)۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا''**وَ مِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ**''ان میں سے بعض ایسے ان پڑھ ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل پچو ہی پر ہیں(البقرہ:٧٨)۔

یعنی وہ کتاب کو صرف تلاوت کی حد تک جانتے ہیں اس کے معانی میں غور وفکر نہیں کرتے یہ لوگ ان ایمان والوں کی طرح نہیں ہو سکتے جو قرآن مجید کو غور وفکر کے ساتھ پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں جو چیز ان پر مشتبہ رہ جائے اس کو وہ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا! جو تم پہچانتے ہو اس پر عمل کرو اور جس کا علم نہ ہو اس ے جاننے والے کی طرف لوٹا دو اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے مطیع ہو جاؤ①۔

①:شرح عقیدہ طحاویہ ج١/٥٢٤۔

بدعت وخطاء میں فرق اور مخطئین مجتہد و بدعتیوں میں فرق

بہت سارے سلف صالحین علماء سے بشری تقاضے کے تحت قول وفعل میں کچھ غلطیاں ہوئی ہیں جن کو تاریخ وتفسیر کا ہر عالم جانتا ہے لیکن ان کا طرزِ عمل اہل بدعت سے مختلف ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مخالفین کے پاس موجود حق بات کا کبھی انکار نہیں کیا اور نہ سرکشی اور ظلم کی راہ کو اپنایا ہے۔ کہ ان کے اقوال وافعال کو ان کا مذہب قرار دے کر ان کو کافر یا فاسق قرار دیدیں اور اس بنیاد پر دوستی یا دشمنی کی عمارت کھڑی کردیں اس لیے کہ یہ طرزِ عمل ظالم و جاہل قسم کے بدعتیوں اور خارجیوں کا ہے۔ اہل سنت والجماعت تو وہ گروہ ہے جو عدل وانصاف کا دامن تھامے ہوئے ہے وہ جانتے ہیں کہ اجتہادی امور میں ان کے اوران کے ائمہ کے اقوال مجموعی طور پر صحیح ہیں اور درستگی کا احتمال ہے اس لئے وہ اپنے مخالفین کو فاسق یا بدعتی نہیں کہتے بلکہ ان کے ساتھ کتاب اللہ کے مطابق انصاف والا فیصلہ کرتے ہوئے ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ سب اس وقت ہے جب وہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہو یا فریق مخالف کے پاس اس کی دلیل ہو اگرچہ غلط ہی ہو جبکہ دین کے محکم اصول جنکے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی گنجائش نہیں ان کا مخالف قابل مذمت ہے اور اس کا حکم اس کی مخالفت کے مطابق ہوگا۔

یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا! سی طرح وہ لوگ بدعتی ہیں جب تک اپنی بدعت کی بناء پر مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اور اس چیز کو دوستی یا دشمنی کا معیار نہیں بنالیتے یہ ایک غلطی ہی شمار کی جائے گی۔ اور ایسے اجتہادی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی لغزشیں معاف فرمادی ہیں۔ اس لیے بہت سے سلف علماء اور ائمہ دین سے ایسے اجتہادی اقوال منقول ہیں جو کتاب وسنت کے منافی ہیں لیکن اس کے برعکس نہ تو وہ اپنے ہم خیال سے دوستی رکھتے اور نہ اپنے مخالفین سے دشمنی رکھتے ہیں۔ حقیقی مسلمانوں کی جماعت اور اختلاف پسند گروہ میں یہی فرق ہے کہ مسلمان اجتہادی

اقوال وآراء کی بناء پر ان کو کافر یا فاسق نہیں کہتے جبکہ وہ اپنے مخالفین کو واجب القتل تک قرار دیتے ہیں ۔اس لیے مسلمانوں کی جماعت سے سب سے پہلے علیحدگی اختیار کرنے والا بھی ایک بدعتی خارجی تھا ۔صحیح مسلم میں دس وجوہ سے ان کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان بیان ہوا ہے۔ان میں کچھ صحیح بخاری میں مذکور ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ جمل وصفین میں قتال کے بارے میں تو اختلاف رکھتے تھے لیکن اس خارجیوں سے قتال کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف نہیں تھا اسی لئے وہ علی رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ان سے لڑے۔

خارجیوں نے جب مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور ان کو کافر قرار دے کر ان سے لڑائی کو حلال اور جائز قرار دے دیا تو ان کے بارے میں نبی ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہو گیا کہ تمہارا ایک اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلہ میں اپنی تلاوت قرآن کو ان کی تلاوت قرآن کے مقابلہ میں حقیر سمجھے گا لیکن ان کا قرآن پڑھنا ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے نکل جائیں جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے تمہاری جہاں بھی ان سے ملاقات ہو جائے ان کو قتل کر دو۔یقیناً ان کا قتل قیامت کے دن اللہ کے ہاں اجر کا باعث ہوگا۔

اسی گروہ کا ایک فرد نبی ﷺ کے دور میں نمودار ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی تقسیم دیکھ کر کہا اے محمد ﷺ انصاف کر نبی ﷺ نے فرمایا اگر میں نے انصاف نہ کیا ہوتا تو میں خسارہ پا گیا۔آپ ﷺ کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہمیں اجازت دیجئے ہم اس منافق کا سر تن سے جدا کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں اور اپنے قرآن پڑھنے کو ان کے قرآن پڑھنے کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے 114۔

---

①:امام بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابویعلی، طبرانی، ابن ابی شیبہ اور ابن ابی عاصم وغیرہ نے خارجیوں کے بارے میں مختلف الفاظ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا دس (۱۰) طرح کی خارجیوں کے بارے میں احادیث صحیح ثابت ہیں۔

ظن وخواہش پرستی کی بناء پر سنت رسول ﷺ کو نشانہ تنقید بنانے کی ابتداء یہیں سے شروع ہوئی ہے جس طرح کے ابلیس نے رب تعالیٰ کے حکم کو اپنی رائے وخواہش کی وجہ سے ھدف تنقید بنایا تھا①۔

وهذا ما آخر ما نذكره فى الباب الاول والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات

كتبه الفقير الى عفو ربه ورحمته

ابوعمرو

عبد الحكيم حسان

①: مجموع الفتاوی ج ۳/ ۳۴۹، ۳۵۰۔

دوسرا باب

یہ ایمان وکفر کے متعلق بعض مسائل کی ابحاث کے لیے خاص ہے جو مندرجہ ذیل ہیں

☆ پہلا مسئلہ: ایمان کی حقیقت۔

☆ دوسرا و تیسرا مسئلہ: ایمان کا ذو اجزا ہونا۔

☆ چوتھا مسئلہ: اطاعت و نافرمانی کا اکٹھا ہونا۔

☆ پانچواں مسئلہ: اہل کبائر (مرتکبین کبیرہ گناہ) کے متعلق حکم۔

☆ چھٹا مسئلہ: کفر کا حکم لگانے کی کیا شرائط ہیں؟

☆ ساتواں مسئلہ: ایمان کے بارے میں انشاءاللہ کہنا۔

ایمان کی حقیقت

ایمان سے متعلق اہل سنت کا مذہب اور مختلف فرقوں کے اقوال

ایمان کے مسائل میں متقدمین اور متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف میں بھی اختلاف کیا ہے۔ یہاں تک کہ:

(۱) مرجیہ کمی کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یا تصدیق واقرار کا نام ہے ۔اور بعض وہ ہیں جنہوں نے غلو کیا ہے۔ اور کہا ہے ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور جہمیہ ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں صرف اقرار کا نام ایمان ہے اور یہ کرامیہ ہیں۔

(۲) خارجی غالی ہیں وہ کہتے ہیں ایمان اللہ کے تمام احکامات ومنہیات کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس نے کسی ایک کام (فرض) میں بھی کمی کی یا ایک بھی حرام کام کا ارتکاب کیا تو اس نے اللہ رب العزت کے ساتھ کفر کیا۔ انہوں نے گنہگاروں کو اسلام سے نکال دیا ہے۔ اور اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ (بند) کر دیا ہے ۔اور انہوں نے ان (عاصیوں) پر ہمیشہ کے جہنمی ہونے کا حکم لگایا ہے۔ معتزلہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ اگر چہ ان کے ساتھ نام میں ان کا اختلاف ہے۔ انہوں نے نافرمانی کرنے والے کا نام فاسق رکھا ہے۔ اور انہوں نے اس کے لیے ایمان وکفر کے درمیان ایک مرتبہ بنا دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا نام فاسق (منزلہ بین المنزلتین) رکھا ہے یعنی کفر اور ایمان کے درمیان نتیجہ دونوں مذہبوں کا ایک ہی ہے۔ (یعنی ایمان سے خارج)۔

اور اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کی حق کی طرف رہنمائی فرمائی وہ دونوں گروہوں کے درمیان میں ہیں۔ یعنی مرجیہ کی تفریط اور خارجیوں کی زیادتی کی بجائے ،انہوں نے کہا دل کا اعتقاد ،زبان کا قول اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ایمان ہے۔ جو اطاعت کی وجہ سے بڑھتا ہے اور نافرمانی کی

وجہ سے کم ہو جاتا ہے①۔

ایمان کی تعریف امت کے درمیان واقع اختلافی مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ جس کے اثرات آج تک ظاہر ہو رہے ہیں وہ ایمان کی تعریف، ماہیت، حقیقت اور حدود میں اختلاف ہے۔

اس بارے میں انشاء اللہ ہم اہل سنت کا مذہب بیان کریں گے۔اور اس کے ساتھ ہی ان فرقوں کا ذکر بھی کریں گے جنہوں نے ان کی مخالفت کی ہے جیسے مرجئہ، خوارج (ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہی ہمارا حامی وناصر اور توفیق دینے والا ہے)

ایمان کی تعریف میں سلف کا مذہب اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور بڑھتا بھی ہے اور یہ (ایمان) دل کے اعتقاد، زبان کے قول اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے یہ بات زائد کی ہے کہ سنت کی اتباع (ایمان میں شامل ہے) اور بعض وہ ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ (ایمان) زبان کا قول، دل کا اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ہے۔اور اس میں اہل ایمان ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں۔انشاء اللہ

پس قرآن وسنت سے اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان بڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے اور اسی طرح اہل ایمان کو ایک دوسرے پر درجات اور فضیلت حاصل ہے یعنی کوئی درجے میں بڑا اور کوئی ایمان وتقویٰ کے اعتبار سے کم وزیادہ ہے۔اور اس بات پر قرآن کریم کی دلیل ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ '' (بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (الانفال:۲)۔اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا'' ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ

①: امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ ودیگر ائمہ حدیث اور ان کے مذہب کا انشاء اللہ تفصیلی ذکر کریں گے۔

السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ''وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بھی بڑھ جائیں (الفتح:٤)۔ایک اور مقام پر فرمایا ''وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ''(اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا اور انہی کو پرہیزگاری عطا فرمائی ہے (محمد ١٧)۔اور سورۃ الکھف میں بھی ایک آیت میں یہی معنی مراد ہے '' اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى '' یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں زیادہ کیا تھا (الکھف:١٣)۔

سیدنا ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا جو میرے سامنے گروہوں کی شکل میں آئے۔اور دیکھا کہ انہوں نے قمیصیں پہن رکھی ہیں ان میں کچھ کی قمیص تو صرف چھاتی تک تھی اور کچھ کی اس سے بھی چھوٹی اور میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس کی قمیص اتنی لمبی تھی کہ زمین کے ساتھ گھسٹ رہی تھی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی کیا تفسیر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قمیض سے مراد دین ہے ①۔دوسری حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میں تم سب سے زیادہ تقوی والا اور اللہ کے متعلق علم والا ہوں) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں ②۔

---

①: صحیح بخاری باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال، مسلم ترمذی، نسائی، ابن حبان، احمد۔

②: امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے صحیح بخاری میں کتاب الایمان کے باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وہی حکم کرتے تھے جو وہ (لوگ) کرنے کی استطاعت رکھتے تھے۔تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اتنی عبادت کرتے ہیں لہٰذا ہمیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غضب ظاہر ہونے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہی ہوں جو تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ اور علم رکھتا ہوں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ خشیت اور تقوی رکھنے والا ہوں اور صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننے پر خطاب فرمایا کہ میں جس طرح کرتا ہوں لوگ اسی طرح کیوں نہیں کرتے بے شک میں تم میں سے زیادہ اللہ کے متعلق جاننے والا اور خشیت یعنی اللہ سے ڈرنے والا ہوں، ان روایات کو مختلف الفاظ کے ساتھ مسلم، احمد، ابن حبان، بیہقی، شافعی، طبرانی اور امام مالک نے روایت کیا ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں جس میں سے ہمارے اس عنوان کی بہ نسبت اقتباس اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے پوچھنے پر جواب دیا کہ ایمان دار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ دوپہر کا سورج اور چودھویں رات کے چاند کو اگر مطلع ابر آلود نہ ہو تو سب ہی بغیر کسی تکلیف وزحمت کے دیکھتے ہیں.......اس حدیث میں بیان ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط کیا ہو گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک انتہائی زیادہ پھسلن والا مقام ہو گا یہاں کانٹے وغیرہ بھی ہوں گے جیسے نجد کے ملک میں کانٹے دار درخت ہوتے ہیں جسے سعدان کہتے ہیں جو ٹیڑھے کانٹے والا ہوتا ہے (ہک کی طرح) اور فرمایا کہ مومن لوگ تو اس پر سے گزر جائیں گے جن کی مختلف کیفیتیں ہوں گی، کوئی تو پل صراط سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے بعض بجلی (برق) کی طرح بعض پرندے کی طرح بعض تیز گھوڑوں کی طرح بعض اونٹوں کی طرح اور بعض کانٹوں سے بچتے بچاتے پار ہو جائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ جنہیں کچھ کانٹیں بھی لگیں گے یعنی وہ تکلیف تو اٹھائیں گے مگر پار ہو جائیں گے اور اسی طرح کچھ مومن جہنم میں گر جائیں گے جنہیں بعد میں نکال لیا جائے گا......... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ جن کے دل میں ایک دینار کے برابر بھلائی (خیر) پاؤ اس کو بھی جہنم سے نکال دو، پھر فرشتے بہت سارے لوگوں کو نکال دیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب تعالیٰ ہم نے نہیں چھوڑا کسی کو ان میں سے جنہیں نکالنے کا تو نے ہمیں حکم فرمایا، اور حکم ہو گا پھر جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی خیر تھی اسے نکال لاؤ تو فرشتے بہت سارے لوگوں کو نکال لیں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے نہیں چھوڑا کسی کو ان میں سے جنہیں نکالنے کا تو نے ہمیں حکم دیا تو اللہ تعالیٰ پھر حکم فرمائیں گے کہ پھر جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی خیر تھی اس کو بھی نکال دو تو پھر فرشتے پھر بہت سے لوگوں کو نکال کر کہیں گے اے ہمارے رب اب تو جہنم میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس میں ذرہ برابر بھی خیر ہو۔ اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اھل جنت کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور آگ کے اہل کو

آگ میں تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نکال دو اس کو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان تھا پس ان کو نکالا جائے گا جہنم سے اس حال میں کے وہ کالے سیاہ ہوں گے پھر ان کو نہر الحیات میں داخل کیا جائے گا پس وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے نمی والی زمین میں بوے ہوئے دانے سے پودا اگتا ہے①۔

بجا طور پر اس طویل حدیث مبارکہ میں بھی بڑے واضح انداز سے ایمان کے درجات کے متعلق روشن دلائل ہیں۔ اور اسی طرح ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ مکمل اور کامل ایمان والا مومن وہ ہے جو حسن اخلاق والا ہے②۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں اگر کسی میں ہوں تو وہ منافق ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہے تو اس میں نفاق کی ایک قسم ہے یہاں تک کہ وہ ان بری خصلتوں کو ترک کر دے اس کا نفاق واضح ہے چار خصلتیں یہ ہیں:

① اگر بات کرے تو جھوٹ بولے۔

② وعدہ کر کے پورا نہ کرے۔

② معاہدے کی خلاف ورزی کرے۔

② اگر کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کے خلاف ناحق باتیں کرے③۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کئی مشہور روایات ہیں جنہیں حماد بن سلمہ اور ابی جعفر نے اپنے جد عمیر بن حبیب الخطمی سے بیان کیا ہے اور وہ نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔ انہوں نے کہا ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے تو ان سے پوچھا گیا کیسے بڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے

---

①: اس کو مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری، مسلم، احمد، ابن حبان، حاکم نے مسائل ایمان میں روایت کیا ہے۔

②: اسے روایت کیا ہے احمد، ابوداؤد، ابن حبان، ترمذی، حاکم نے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور یہی حدیث دوسری روایات میں ان الفاظ کے ساتھ ہے اکمل الناس ایمانا یعنی صرف مومنین ہی نہیں بلکہ تمام لوگوں میں حسن اخلاق والا ہی مکمل انسان ہے۔

③: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن حبان اور بیہقی۔

ذکر، تسبیح، اور حمد سے بڑھتا ہے اور اگر کوئی غفلت اور بھول جانے سے یہ اعمال نہ کر سکے تو اس کے ایمان میں کمی ہوتی ہے۔ اور ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا صحیح اسناد کے ساتھ عمار ابن یاسر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس میں تین چیزیں ہوں وہ کامل ایمان والا ہے۔

① اپنے نفس سے انصاف وعدل والا ہو۔

② اللہ کی راہ میں خرچ کر سکے خواہ اس کے پاس بہت تھوڑا مال ہو۔

③ سلام کو عام کرے۔

یہ کلام امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، سیدنا ابن عبداللہ اور ابن عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نے ایمان کی تعلیم حاصل کی پھر قرآن کی تعلیم حاصل کی پس ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا۔ درحقیقت اس عنوان پر بہت زیادہ روایات واحادیث موجود ہیں جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور محدثین نے کئی کتب میں انہیں بیان کیا ہے①۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے وفد عبدالقیس والی حدیث کے فوائد② میں یہ بات کہی کہ اس قصہ میں دلیل

---

①: مجموع الفتاویٰ ج ۷ ۲۲۳ تا ۲۲۵۔

②: وفد عبدالقیس والی حدیث مشہور ہے جسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، احمد وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں جو انہوں نے ابی جمرۃ رحمہ اللہ سے روایت کئے انہوں نے کہا میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاتا تو وہ مجھے اپنے بستر پر بٹھاتے تھے تو ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب عبدالقیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا ہم ربیعہ قبیلہ سے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرحبا اور کہا کہ تم نے جو سفر میں ندامت اور تکلیف اٹھائی ہے اس کا اچھا بدلہ ملے گا تو انہوں نے کہا ہمارے لیے زیادہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا ممکن نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہمارے درمیان ایک آبادی ہے جو ہمارے خلاف لڑنے والے ہیں صرف حرمت کے مہینے میں وہ ہمیں کچھ نہیں کہتے اور ہمارا راستہ نہیں روکتے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی باتیں سکھائیں کہ جو ہم اپنی قوم کو بھی بتائیں تاکہ ہم عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پینے والی چیزوں کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار چیزوں سے منع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان باللہ وحدہ کی تعلیم دی اور کہا کہ جانتے ہو اس کا کیا مقصد ہے تو انہوں نے کہا اللہ اور رسول ہی جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہادت دینا کہ لا الہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ جمع کروانا اور ان کو منع کیا ا(الحنتم والرباء) ۲(النقیر والمزفت) یعنی شراب بنانا شراب کے خاص طریقے اور برتن ایجاد کرنا وغیرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو یاد کرلو اور اپنی قوم کو سکھاؤ۔

یہ ہے کہ اللہ پر ایمان ان تمام قولی وفعلی خصلتوں (افعال) کا مجموعہ کا نام ہے۔جس طرح یہ مذہب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ، تبع تابعین رحمہم اللہ کا تھا اور اسی پر کتاب وسنت سے سو کے قریب دلائل ہیں①۔

عبداللہ بن احمد نے ایمان کی تعریف میں صحیح سندوں کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے ان کے اقوال نقل کیے ہیں، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔اور ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔اور عمیر بن حبیب بن خماشہ الخطمی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ان کو کہا گیا کہ اس کا بڑھنا اور کم ہونا کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب ہم اللہ عزوجل کو یاد کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں تو یہ اس کی زیادتی ہے۔اور جب ہم غافل ہوجاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں اور وقت ضائع کرتے ہے تو یہ اس کی کمی ہے۔ابراہیم بن شماس سے مروی ہے انہوں نے کہا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا حالانکہ میں ان سے سن رہا تھا انہوں نے کہا ہمارے نزدیک ایمان کا ظاہر وباطن سے اقرار دل سے ماننا اور اس پر عمل کرنا ہے۔اور ابن جریج رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا ایمان قول وعمل کا نام ہے اور ایمان بڑھتا رہتا ہے۔ابن مبارک رحمہ اللہ اور نضر بن شمیل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، ابن طاؤس رحمہما اللہ سے مروی ہے اور وہ اپنے باپ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایمان کی مثال اس درخت کی ہے جس کی بنیاد (جڑ) شہادۃ (کلمہ توحید) ہے اس کا تنا بھی ہے اور اسی طرح اس کے پتے بھی ہیں اور اس کا پھل پرہیزگاری (تقویٰ) ہے ایسے درخت میں کوئی خیر نہیں جس کا پھل نہیں اور ایسے انسان میں کوئی خیر نہیں جس میں پرہیزگاری نہیں۔اور عبداللہ بن نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ

①: زادالمعاد ج۳/ ٦٠٧۔

فرماتے ہیں ایمان قول وعمل کا نام ہے اور عبداللہ بن عمیر اللیثی رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایمان صرف تمنا (آرزو) کا نام نہیں بلکہ ایمان معقول بات اور ایسے کام کا نام ہے جو قابل عمل ہو ①۔اس چیز کو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مختصر بیان کیا ہے اس کو ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے، سلف صالحین کے ان طبقات کے بعد جن کا عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ان کے نزدیک ایمان قول وعمل اور اعتقاد کا نام ہے اور اس (ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ) نے کہا محدثین وفقہاء کا اجماع ہے کہ بے شک ایمان قول وعمل کا نام ہے اور عمل بغیر نیت معتبر نہیں اور ان کے نزدیک ایمان اطاعت کی وجہ سے بڑھتا ہے اور معصیت (گناہوں) کی وجہ سے کم ہوتا ہے۔اور تمام قسم کی فرمانبرداری ان کے نزدیک ایمان ہے اور حجاز عراق ،شام ،اور مصر میں فقہاء اہل الرائے والآثار جن میں امام مالک بن انس ،لیث بن سعد ،سفیان ثوری ، امام اوزاعی ، امام شافعی ، امام احمد بن حنبل ، اسحاق بن راہویہ ، ابوعبید قاسم بن سلام ، امام داؤد بن علی الظاہری ، امام طبری رحمہم اللہ اور جو بھی ان کے متبعین ہیں وہ کہتے ہیں ایمان قول وعمل کا نام ہے اور وہ کہتے ہیں اللہ عزوجل کی اطاعت کا ہر فرضی ونفلی کام ایمان میں شامل ہے اور اطاعت کے ساتھ ایمان بڑھتا ہے اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے ②۔اب میں تابعین کے بعد سلفی علماء کے منصوص اقوال بیان کرتا ہوں جس طرح کہ ابوالقاسم اللالکائی نے اپنی کتاب شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ کی بہت سی نصوص جمع کی ہیں۔اس سے قبل انہوں نے ایک باب میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور بعد کے ائمہ اہل سنت جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والے اور سنت اور دعوت الی اللہ میں امام کے لقب سے ملقب ہیں ان کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اس نے اپنی سند کو ابوحیان بصری تک بیان کیا ہے کہ اس نے کہا میں نے حسن بصریؒ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ عمل کے بغیر قول درست نہیں اور نیت کے بغیر قول وعمل صحیح نہیں اور قول وعمل اور نیت سنت کے بغیر صحیح نہیں۔

---

①:السنۃ لعبداللہ بن احمد ج ا/۳۱۳ تا ۳۱۷۔

②: کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ /۳۱۳،۳۱۴۔

امام للا لکائی رحمہ اللہ نے فرمایا ابوعبداللہ سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ کا عقیدہ ہے انہوں نے فرمایا ایمان قول،عمل اور نیت کا نام ہے جو بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے،اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔عمل کے بغیر قول (بات) جائز نہیں اور نیت کے بغیر قول وعمل جائز نہیں اور قول،عمل اور نیت سنت کی موافقت کے بغیر جائز نہیں اور انہوں نے کہا سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا عقیدہ ہے انہوں نے کہا دس چیزیں سنت ہیں،جس میں یہ چیزیں پائی گئیں اس نے مکمل سنت کو پالیا اور جس نے اس میں سے ایک چیز کو بھی چھوڑ دیا اس نے سنت کو چھوڑ دیا اور اس نے اس میں یہ بات بیان کیا ایمان قول وعمل کا نام ہے اور انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ بیان کیا وہ فرماتے ہیں ایمان قول وعمل کا نام ہے جو سنت کے مطابق صحیح نیت اور درستگی سے کیا جائے،اور ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے ۔اہل ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے اور اس نے کہا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ اسلاف کی جماعت جن سے وہ احادیث بیان کرتے ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں میں ہزار سے زائد اہل علم کو ملا ان میں سے ایک گروہ کا انہوں نے تذکرہ بھی کیا ہے کہ میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا جو ان چیزوں میں اختلاف رکھتا ہو،بے شک دین قول وعمل کا نام ہے۔اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ'' (ترجمہ) انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں (ابراہیم والا) یک طرفہ دین نماز قائم کریں اور زکوۃ دیتے رہیں اور یہی دین سیدھی ملت کا ہے (سورۃ البینہ:۵)۔اور انہوں نے کہا ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ اور سلف صالحین کی وہ جماعت جن سے وہ احادیث بیان کرتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے اور پھر انہوں نے اپنی سند کو ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم تک بیان کیا ہے انہوں (ابوحاتم عبدالرحمٰن) نے کہا میں نے اپنے باپ اور ابوزرعہ سے سوال کیا کہ اصول میں اہل سنت کا مذہب کیا ہے اور آپ نے تمام شہروں کے علماء کو کس مذہب پر پایا اور اس بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے

؟ان دونوں نے کہا ہم نے حجاز، عراق، شام اور یمن اور تمام شہر کے علماء کو دیکھا ان کا مذہب یہی ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور وہ کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی۔ اور اس نے کہا: امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ کا عقیدہ ہے وہ کہتے ہیں ایمان قول وعمل کا نام ہے اور بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ اور یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے ثابت ہے اور تمام اہل دین واہل الفضل کا بھی یہی عقیدہ ہے ①۔ اور اوپر امام اللالکائی اور جتنے بھی اہل السنة ائمہ کرام اور علماء کرام کا ذکر ہوا ہے وہ سب اس تعریف پر متفق ہیں اور کوئی بھی ان میں سے اس کی مخالفت نہیں کرتا۔

سلف کے اقوال بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایمان کی تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں ایمان کی تفسیر میں ائمہ سنت اور سلف کے کئی اقوال ہیں کبھی تو وہ کہتے ہیں وہ قول وعمل کا نام ہے اور کبھی وہ کہتے ہیں یہ قول، عمل اور نیت کا نام ہے اور کبھی وہ کہتے ہیں یہ قول وعمل نیت اور اتباع سنت کا نام ہے اور کبھی وہ کہتے ہیں زبان کا قول دل کا اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ایمان ہے۔ یہ تمام تفاسیر صحیح ہیں کیونکہ جب وہ قول وعمل کو ایمان قرار دیتے ہیں تو قول میں دل اور زبان دونوں کا قول آجاتا ہے۔ اور لفظ قول اور کلام کا بھی یہی مفہوم ہے یہاں تک شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا اسلاف میں سے جنہوں نے قول وعمل کو ایمان گردانا ہے تو ان کی مراد دل وزبان کا قول اور اعضاء کے ساتھ عمل ہی ہے۔ جنہوں نے دل کے اعتقاد کو ایمان میں داخل کیا ان کا خیال یہ ہے کہ قول سے مراد صرف ظاہری قول ہی سمجھا جاتا ہے یا اس ڈر سے یہ بات کہی کہ کوئی قول سے مراد صرف زبان کا اقرار ہی نہ سمجھ لے، اس لئے تعریف میں دل سے اعتقاد کی بات زائد کردی۔ اور جنہوں نے قول، عمل اور نیت کو ایمان کہا ہے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قول میں عقیدہ اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں آجاتی ہیں اور عمل سے نیت سمجھ نہیں آسکتی اس لئے انہوں نے نیت کا اضافہ کردیا۔ اور جنہوں نے اتباع سنت کو ایمان میں شامل کیا وہ اس لئے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک اللہ کے ہاں محبوب نہیں بن سکتا جب تک وہ سنت کے تابع نہ

①: شرح اصول اعتقاد اہل السنة والجماعة لابی القاسم ہبة اللہ بن الحسین منصور الطبری اللالکائی ج ۱/ ۱۵۱ تا ۱۸۶۔

ہو①۔اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ہی کہا ہے کہ امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام وکیع رحمہ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں اہل سنت قول وعمل کو ایمان کہتے ہیں اور مرجیہ صرف قول کو ایمان کہتے ہیں اور جہمیہ معرفت کو ایمان کہتے ہیں اور انہی سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ یہ کفر ہے۔

محمد بن عمر الکلابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام وکیع رحمہ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں جہمیہ قدریہ سے بدتر ہیں اور وہ کہتے ہیں امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا مرجیہ وہ ہیں جو کہتے ہیں اقرار عمل سے کفایت کر جاتا ہے اور جو اس کا قائل ہے وہ تو ہلاک ہو گیا اور جس نے یہ کہا نیت عمل سے کفایت کر جاتا ہے یہ بھی کفر ہے اور یہ جہم بن صفوان کا قول ہے②۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں! اسی لیے اہل سنت کے نزدیک اقرار وعمل کو ایمان قرار دینا سنت کی علامت میں سے ہے بے شمار علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور بعد کے وہ علماء جن سے ہم نے ملاقات کی ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے اور یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے بغیر کفایت نہیں کریں گی③۔

بے شمار علماء نے ایمان کی تعریف میں سلف صالحین کا مذہب دلائل کے ساتھ بالتفصیل بیان کیا ہے جن میں سے کچھ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

---

①: مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۷/ ۱۷۰، ۱۷۱۔

②: مرجیہ کے مذہب میں لازم ہے کہ تمام لوگ ایمان میں برابر ہیں یعنی متقی اور فاسق اور فاجر میں کوئی فرق نہیں اور یہ مذہب درحقیقت باطل ہے اسی لیے عبدالوہاب ابن مجاہد ابن جبر نے کہا ہے کہ میں اپنے باپ کے پاس تھا کہ میرا بھائی یعقوب آیا اور کہا کہ اے ابو جی میرے کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ اہل آسمان اور اہل زمین ایمان میں برابر ہیں تو ان کے ابو نے کہا یہ لوگ ہمارے اصحاب نہیں ہو سکتے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہوں سے بھرے ہوئے اور گناہوں سے پاک ہرگز برابر نہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۴/ ۴۵۵) اور اسی طرح ذہبی نے ذکر کیا طاؤس الیمنی سے انہوں نے کہا میں تعجب کرتا ہوں اس بات پر کہ عراقی کہتے ہیں حجاج بن یوسف مومن ہے۔ ذہبی نے اس بات پر تعلیق کرتے ہوئے کہا کہ طاؤس نے اہل عراق سے مراد مرجیہ کا مذہب بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حجاج مومنوں کے ناحق قتل اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کے باوجود بھی مومن ہے (السیر ج ۵/۴۴) اور ذہبی رحمہ اللہ نے میمون سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مرجیہ میں سے ایک بندے کے ساتھ اختلاف کیا جب وہ بات کر رہے تھے تو انہوں نے ایک عورت کو گانا گاتے سنا تو میمون نے صاحب مرجیہ سے کہا کیا یہ گانے والی عورت اور مریم علیہا السلام ایمان میں برابر ہیں تو اس نے یہ بات سنی اور بغیر بولے چل دیا۔ (السیر ج ۵/۷۳)۔

③: مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۷/ ۳۰۷، ۳۰۸۔

نوٹ :- جوکوئی اس بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کی درج ذیل کتب کی طرف رہنمائی کر دیتا ہوں۔

① الایمان: از ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کی یہ کتاب اس مسئلہ میں بہت زیادہ مفید ہے

② الایمان امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ

③ السنۃ: از امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ

④ الشریعہ: از امام آجری رحمہ اللہ

⑤ الابانۃ: امام ابن بطہ رحمہ اللہ

⑥ التوحید: از امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ

⑦ شرح السنۃ: از امام بغوی رحمہ اللہ

⑧ الایمان: از امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ

اور صحاح ستہ کی احادیث مبارکہ میں کتاب الایمان اور کتب مسانید میں کتاب السنہ۔ان تمام کتابوں میں بھی سلف صالحین کے مذہب کو بالتفصیل ثابت کیا گیا ہے۔

ایمان کی تعریف میں مرجیہ کا مذہب

ایمان کے مسئلہ میں مرجیہ بارہ فرقوں میں منقسم ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اشعری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے مقالات میں کہا کہ ایمان کے بارے میں مرجیہ میں اختلاف ہے۔اور وہ کیا ہے؟اس میں ان کے بارہ فرقے ہیں۔

پہلا فرقہ : ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کی پہچان کا نام ہے اور معرفت کے علاوہ جو کچھ بھی ہے جیسے زبان کا اقرار، دل کی عاجزی ،اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ان کی تعظیم ،اللہ کا ڈر اور اعضاء کے ساتھ عمل یہ چیزیں ایمان میں شامل نہیں ہیں۔اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کفر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ سے جاہل ہے یعنی اس کو اللہ کی معرفت نہیں یہ قول جہم بن صفوان سے منقول ہے۔اور جہمیہ کا یہ کہنا ہے کہ جب انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے پھر وہ زبان سے انکار بھی کر دے تو اس کو اس کے انکار کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔اس لیے کہ ایمان ذُو اجزا نہیں ہے اور اہل ایمان کے دو یا تین مرتبے نہیں ہیں۔اور اہل ایمان میں کوئی مراتب درجہ بندی نہیں یعنی ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور بلحاظ ایمان کفر اور ایمان کا تعلق صرف دل سے ہے اعضاء سے نہیں۔

دوسرا فرقہ : یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور کفر صرف اللہ کو نہ پہچاننے کا نام ہے صرف معرفت ہی ایمان اور صرف جہالت ہی کفر ہے۔اور کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اللہ تینوں کا تیسرا ہے یہ کفر نہیں (یعنی تثلیث عیسائیوں کا عقیدہ) لیکن اس بات کا کا اظہار کسی کافر ہی سے ہوگا اس لیے کہ اللہ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جنہوں نے یہ بات کہی تھی ،اور مسلمانوں کا بھی اجماع ہے یہ بات صرف کافر ہی کہتا ہے ان کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ کی معرفت ہی اللہ سے محبت اور اللہ کے لیے عاجزی

وانکساری ہے اور یہ لوگ اللہ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ پر صرف وہی ایمان لائے گا رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو کیونکہ یہ محال ہے (کہ جو آدمی اللہ پر ایمان لائے تو وہ رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے) اور اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایمان نہ لایا وہ اللہ پر بھی ایمان لانے والا نہیں ۔اور ان کا یہ کہنا کہ نماز اللہ کی عبادت نہیں کیونکہ عبادت صرف اللہ پر ایمان لانا ہے اور ان کے نزدیک ایمان ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ۔اسی طرح یہی کیفیت کفر کی ہے اس نظریہ کا حامل ابوالحسین الصالحی ہے۔

(تیسرا فرقہ): یہ کہتے ہیں کہ ایمان اللہ کی معرفت ، اللہ کے لیے عاجزی ، اللہ کے خلاف تکبر کو چھوڑنا ، اور اللہ کے لیے محبت کا نام ہے جس میں یہ تمام امور پائے گئے وہ مومن ہے اور کہتے ہیں کہ ابلیس (شیطان) کو اگر چہ اللہ کی معرفت حاصل تھی لیکن وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ کے خلاف تکبر کیا یہ نظریہ یونس سمری کے متبعین اور پیروکاروں کا ہے۔

(چوتھا فرقہ): اور ابوشمر ویونس کے پیروکار وہ ہیں جو کہتے ہیں اللہ پر ایمان رکھنا ، اسی کے لیے محبت کرنا اور اسی کے لیے دل میں عاجزی اختیار کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ ایک ہے اس جیسا کوئی نہیں جب تک اس پر انبیاء کی دلیل قائم نہیں ہوتی ۔اور اگر اس پر انبیاء علیہم السلام کی دلیل قائم ہو چکی ہے تو پھر ان انبیاء علیہم السلام کو ماننا اور ان کی تصدیق کرنا اور جو کچھ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں آیا ہے اس کی معرفت حاصل کرنا ان کے نزدیک ایمان میں داخل ہے ان امور میں سے ہر امر کو وہ نہ ایمان کہتے ہیں اور نہ ایمان کا کچھ حصہ جب تک کہ یہ تمام چیزیں نہ پائی جائیں (وہ مومن نہیں) جب یہ تمام خصلتیں پائی جائیں تو ان کے یکجا ہو جانے کی وجہ سے اس کو ایمان دار (مومن) کہتے ہیں ، ان کاموں میں سے ہر ایک کام کا ترک ان کے ہاں کفر ہے اور ان کے نزدیک ایمان نہ ذُو اجزاء ہے اور نہ کمی وبیشی کا متحمل ہے۔

(پانچواں فرقہ): یہ ابوثوبان کے ہمنواء ہیں جو کہتے ہیں اللہ کا ماننا یعنی اللہ کی ذات کا اقرار کرنا اور ایسی چیز جس کو عقل تو جائز قرار نہ دے سکے لیکن آدمی اس پر بھی ایمان لائے ۔(جیسا کہ معجزات کے ظہور پر ایمان ہونا)

(چھٹا فرقہ): یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ، اور اس کے متعلقہ فرائض کی معرفت اور ان تمام چیزوں کے ساتھ اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرنا اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے ۔اور یہ کہتے ہیں کہ ان کاموں میں سے ہر کام اطاعت ہے اگر ان میں سے کوئی ایک کام دوسرے کاموں کے علاوہ کرلیا جائے تو وہ اطاعت میں شمار نہ ہوگا ،جیسے معرفت بغیر اقرار کے (کالعدم ہوتی ہے)اور ان تمام کاموں میں سے کسی ایک کو ترک کرنا معصیت ہے۔کسی ایک کام کے ترک کرنے کی وجہ سے انسان کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔اور لوگوں میں ایمان کے لحاظ سے مراتب ودرجہ بندی ہے ان میں سے بعض دوسرے سے زیادہ علم رکھنے والے اور اللہ کی زیادہ
تصدیق کرنے والے ہیں اور ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے یہ نظریہ حسین بن محمد اور اس کے ہمنواؤں کا ہے۔

(ساتواں فرقہ): الغیلانیہ۔غیلان کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ ایمان کی صفات واوامر کی معرفت، محبت ،عاجزی، اور جو چیز اللہ کی طرف سے آئی ہے اور جس کو نبی ﷺ لائے ہیں اس کو ماننے کا نام ہے ان کے نزدیک معرفت چونکہ ایک اضطراری یعنی فطری چیز ہے اس لیے وہ ایمان میں شامل نہیں یہ جتنے بھی لوگ جن کے اقوال ہم نے بیان کیے ہیں ،شمریہ ،جہمیہ ،غیلانیہ ،نجاریہ ،یہ سب کفار میں ایمان ہونے کے منکر ہیں یعنی کافروں میں ایمان نہیں ہے ،اور اسی طرح اس بات کے بھی منکر ہیں کہ ان میں کچھ ایمان ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کے اجزاء نہیں ہوسکتے ۔

(آٹھواں فرقہ): یہ محمد بن شبیب کے ہمنواؤں میں سے ہیں یہ کہتے ہیں اللہ کو ماننا اور اس چیز کی

معرفت حاصل کرنا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی مثل نہیں اور اللہ کے انبیاء علیہم السلام و رسل کو ماننا اور تمام چیزیں جن کا مسلمان عنداللہ ہونا بیان کرتے ہیں اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جیسے نماز، روزہ، وغیرہ کہ جن میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرنا اس کے خلاف تکبر کو چھوڑ دینا ان تمام چیزوں کی معرفت کا حاصل ہونا ایمان کہلاتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں ابلیس کو بھی اللہ کی معرفت حاصل تھی اور وہ اللہ کو مانتا بھی تھا وہ اس لیے کافر ہوگیا کہ اس نے تکبر کیا اگر اس میں تکبر نہ ہوتا تو وہ کبھی کافر نہ ہوتا اور بے شک ایمان ذُو اجزاء ہے اور اہل ایمان کو ایک دوسرے پر فضیلت بھی حاصل ہے ایمانی کاموں میں سے کوئی ایک کام کر لینا بھی اطاعت کہلاتا ہے۔ اور ایمان کا کچھ حصہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن ایسا آدمی بعض ایمان کو چھوڑنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا مومن اسی وقت ہوگا جب تمام چیزوں کا احاطہ کرے گا۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن وہ انبیاء علیہم السلام کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہوگا حالانکہ اس میں ایمان کی خصلت اللہ کی معرفت پائی جاتی ہے۔

(نواں فرقہ): یہ کہتے ہیں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس کو اجمالی طور پر بغیر تفصیل کے ماننے کا نام ایمان ہے①۔

(دسواں فرقہ): یہ ابومعاذ التومنی اور اس کے پیروکار ہیں جو کہتے ہیں بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کو چھوڑنے کا نام ایمان ہے اور ایمان ایسے خصائل کا نام ہے اگر آدمی ان تمام کو چھوڑ دے یا ان میں سے کسی خصلت کو ترک کر دے تو آدمی کافر ہو جائے گا۔ یہ امور جن کو ترک کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اسی کا نام ایمان ہے اور نیکی کا کوئی ایسا کام جس کو آدمی چھوڑ دیتا ہے تو اس تارک کو متفقہ طور پر مسلمان قرار نہیں دیتے اور یہ نیکی کا یہ کام ایمان کے اجزاء میں سے ایک جزء شمار ہوا کرتے ہیں۔ اگر

---

①: ابن ابی العز نے عقیدہ طحاویہ کی شرح میں طحاوی کے کلام (ایمان زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے) پر کہا کہ ہمارے زیادہ لوگوں نے طحاوی کی اس کلام کی موافقت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ ان میں سے کچھ تو صرف دل کی تصدیق کو ہی ایمان کہتے ہیں اور زبان کے اقرار کو ظاہری ضرورت کے پیش نظر ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ قول ابومنصور ماتریدی کا ہے جو اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (شرح عقیدہ طحاویہ/۳۷۳)

فرضی کام چھوڑا ہے تو فسق کا حکم لگے گا یہ کہا جائے گا کہ اس نے نافرمانی کا کام کیا اس کو فاسق نہیں کہیں گے۔

کبیرہ گناہ اگر کفر نہ ہوں تو بندہ ایمان سے خارج نہ ہوگا، اگر بندہ فرائض جیسے نماز، روزہ، وغیرہ کا انکار تردید کرتے ہوئے کرے اور حقیر سمجھتے ہوئے چھوڑ دے تو یہ آدمی اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اس کو کافر اس کے انکار و تردید اور حقیر سمجھنے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اگر کوئی آدمی فرائض یعنی اگر نماز چھوڑنے کو جائز تو نہیں سمجھتا لیکن کسی مشغولیت کی بناء پر کہتا ہے میں ابھی پڑھ لیتا ہوں یا اس چیز یا اس کام سے فارغ ہو کے پڑھ لیتا ہوں تو یہ آدمی کافر نہیں ہوگا اور اگر کوئی آدمی ایک دن نماز پڑھتا ہے یا پانچوں اوقات میں سے کسی ایک وقت کی نماز پڑھتا (باقی اس سے رہ جاتی ہیں) تو اس کو ہم فاسق کہیں گے۔ اور ابو معاذ کہتا ہے جس نے کسی نبی علیہم السلام کو قتل کر دیا یا اس کو تھپڑ مار دیا تو اس نے کفر کیا یہ آدمی تھپڑ مارنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا بلکہ نبی علیہ السلام کے ساتھ دشمنی، بغض اور اس کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے کافر ہوگا۔

(گیارہواں فرقہ): بشر المریسی اور اس کے ہمنواء یہ کہتے ہیں ایمان صرف تصدیق کا نام ہے کیونکہ لغوی طور پر ایمان تصدیق ہی کو کہتے ہیں اور جو چیز تصدیق نہیں وہ ایمان بھی نہیں یہ کہتا ہے کہ تصدیق دل و زبان دونوں سے ہوتی ہے۔

یہی موقف ابن راوندی کا ہے①۔ یہ کہتا ہے کہ کفر صرف انکار و پردہ پوشی کا نام ہے کفر صرف اسی چیز

---

①: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہم کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق کے ساتھ ہے مگر تصدیق کرنا صرف یہی نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نبی ﷺ ہیں بلکہ آپ کی پیروی کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اگر بغیر عمل صرف تصدیق کرنا ہی ایمان ہے کہ اللہ ہے، رسول ﷺ ہیں تو یہ تصدیق تو ابلیس نے بھی کی اور فرعون و یہود نے بھی کی ہے کیا ان کی تصدیق مقبول ہے؟ کیونکہ یہودی رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی جانتے تھے جیسے وہ اپنی اولادوں کو جانتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا فانظر كيف كان عاقبة المفسدين**'' (النحل ۱۴)۔ (یہ لوگ یہودی) آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ رسول اللہ ﷺ ہیں) اسی طرح ابن قیم رحمہ اللہ نے بڑا واضح قصہ بیان کیا کہ نبی ﷺ کے پاس ایک دفعہ یہودی آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے تین سوال پوچھے اور کہا ان سوالوں کا نبی ﷺ کے علاوہ کوئی بھی جواب نہیں دے سکتا جس پر نبی ﷺ نے ان کے سوالوں کے جواب دیے تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں مگر وہ ایمان نہ لائے تو انہوں نے کہا ہمیں خوف ہے اس بات کا کہ ہماری قوم یہودی ہمیں قتل کر دے گی، اور اسی طرح بڑا واضح واقعہ ابوطالب کا ہے جس نے آپ ﷺ کے نبی ﷺ ہونے کی تصدیق بھی کی ہے اور زبان سے اقرار بھی کیا مگر ایمان نہیں لایا اور کفر پر ہی مر گیا۔ (کتاب الصلاۃ/۶۱، ۶۲)۔

پر بولا جائے گا جو چیز لغوی طور پر کفر ہوگی، اور ایمان بھی وہ چیز شمار ہوگی جس کو لغت میں ایمان کہا گیا ہے اور یہ کہتا ہے سورج کو سجدہ کرنا اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر نہیں بلکہ یہ کفر کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورج کو سجدہ صرف کافر ہی کرتا ہے۔

(بارہواں فرقہ): کرامیہ محمد بن کرام کے متبعین ہیں یہ کہتے ہیں ایمان صرف اقرار اور لسانی (زبانی) تصدیق کا نام ہے دل کا اس میں کوئی دخل نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دل کی معرفت یا زبان کی تصدیق کے علاوہ کوئی اور چیز ایمان نہیں ہے①۔

مرجیہ کے مختلف فرقوں کے یہ اقوال تھے جن سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انہوں نے بے شمار مسائل میں اہل سنت کی مخالفت کی ہے۔ان میں سے بعض اقوال اور ان کی خامیاں ہم انشاء اللہ اس باب میں بیان کریں گے، اس سے مقصد مسئلہ ایمان اور شرعی احکام میں اختلاط واختلاف کے دروازے کو بند کرنا ہے۔اور یہاں ہمارا مقصد ان کے اقوال کو بالتفصیل بیان کر کے ان کی تردید کرنا نہیں بلکہ ایمان کی تعریف میں ان کے اصل مذہب کو اور جن چیزوں پر انہوں نے مسائل اور اہم احکامات کی بنیاد رکھی ،ان کو بیان کرنا ہے۔باقی جو بالتفصیل ان کے مذہب کو اور اس کی تردید کو جاننا چاہتا ہے تو میرا مشورہ ہے کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مجموع الفتاویٰ کی ساتویں جلد کا مطالعہ کر لے کیونکہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان کے تمام دلائل نقل کر کے ان کا رد کیا ہے اور مذہب اہل سنت کے ساتھ ان کی جو مخالفت ہے اس کو بھی واضح کیا ہے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بڑی عمدہ اور مفید وضاحت کی ہے (جزاہ اللہ عن الاسلام والسنۃ خیرا) شیخ کو دین اسلام کی خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے (آمین)۔

بعض لوگوں نے دجل وفریب سے مرجیہ کے مذہب کو اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے اس کی مثال وہ ہے جو امام بیجوری نے جوہرۃ التوحید کی شرح میں ایمان میں عمل کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں پیش کی ہے۔وہ کہتے ہیں اہل سنت کے مختار مذہب کے مطابق ایمان کے مکمل ہونے کے

---

①: مجموع الفتاویٰ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۷/۵۴۳ تا ۵۴۸۔

لیے عمل شرط ہے، جس نے عمل کیا اس کو تو ایمان کا کمال حاصل ہوگا لیکن جس نے عمل چھوڑ دیا وہ مومن ہے لیکن اس کا ایمان درجہ کمال سے رہ گیا یہ اس وقت ہے کہ جب اس سے عمل اس شکل میں رہ گیا کہ نہ تو وہ (ترک) کو جائز خیال کرتا ہے نہ شارع سے کوئی دشمنی ہے اور نہ ہی اس کی مشروعیت یعنی شرعی ہونے کا منکر ہے اگر ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی قائل یا فاعل ہوا ہے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اس کا یہاں مطلق طور پر عمل کو کمالِ ایمان کے لیے شرط قرار دینا کئی وجوہ سے غلط ہے، اس لیے کہ سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان زبان کے قول، دل کے اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ہے جس طرح کے آگے انشاء اللہ وضاحت بھی کی جائے گی کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جو ایمان کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہیں جس کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے ایمان کو چھوڑ دیا اور دین اسلام سے نکل گیا جس طرح کہ کتاب وسنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے، بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اشاعرہ اور احناف کے مرجیہ فقہاء کا مذہب اہل سنت کا مذہب ہے جبکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ ہم نے ایمان کی تعریف میں مرجیہ کے اقوال اور اہل سنت کے اقوال میں فرق بیان کر دیا ہے۔

اہل سنت اور ان کے مخالفین کے مذہب کے مختلط ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگ ان مسائل میں اہل سنت کے مذہب کو صحیح طریقہ سے نہیں پہچانتے وہ بعض فرقوں کے مذہب کا مطالعہ کرتے ہیں یا سن لیتے ہیں کہ سلف کا مذہب یہ ہے لیکن ان میں ان مذاہب کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یقیناً وہ آدمی جو اچھے انداز سے سلف کے مذہب کو پڑھ لیتا ہے اور تفصیل کے ساتھ ان کے مخالفین کے اقوال کو پہچان لیتا ہے اور ان کے مذہب کو جان لیتا ہے تو وہ انشاء اللہ اختلاط کا شکار نہیں ہوگا۔

اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں متأخرین میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مرجیہ، جہمیہ اور سلف صالحین کے مذہب میں فرق نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ جن کے اندر جہمیہ ومرجیہ کی آراء پائی جاتی ہیں اور وہ سلف صالحین اور محدثین کی تعظیم بھی کرتے ہیں ان کے کلام میں ان مذاہب کو آپس میں بہت

زیادہ مختلط کیا گیا ہے۔لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مذاہب میں موافقت ہے یا اسی طرح دیگر باطل فرقوں اور اسلاف کے مذہب میں موافقت ہے①۔

مرجیہ سابقہ اقوال اور ان کے باطل مذہب کے مبداء کا سبب بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اس شبہہ کی بنیاد جس نے متکلمین اور ان کے متبعین فقہاء کو اس وہم میں ڈال دیا ہے کہ ایمان پیغمبر کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کا نام ہے اور آپ ﷺ کی تصدیق کا عقیدہ رکھنا آپ کی ذات کو گالی دینے کے منافی نہیں۔ یہاں تک جب انہوں نے دیکھا کہ امت محمد یہ ﷺ تو نبی کو گالی دینے والے کو کافر کہتی ہے تو انہوں نے کہا اس کا گالی دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کو گالی دینا حرام نہیں سمجھتا اور اس گالی نکالنے کو اس کا جائز سمجھنا تو پیغمبر ﷺ کو جھٹلانا ہے تو ایسے آدمی کو پیغمبر کی تکذیب کی وجہ سے کافر کہا جائے گا نہ کہ نبی ﷺ کی توہین کی وجہ سے کیونکہ یہ توہین تو اس کی تکذیب پر دلالت کرتی ہے②۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ مرجیہ مذہب کا تذکرہ کرتے ہوئے اشاعرہ کے بارے میں فرماتے ہیں اشعریہ کہتے ہیں کہ کسی مسلمان کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بدترین گالی دینا اور زبان کے ساتھ ان کی علانیہ تکذیب کرنا یہ تکذیب بطور تقیہ، حکایت یا دین سمجھتے ہوئے نہ ہو تو یہ کام کفر نہیں پھر جب یہ تمام مسلمانوں کی طرف سے ڈرے (کہ وہ ان پر بے دینی وغیرہ کا حکم لگائیں گے) تو انہوں نے کہا کہ یہ امور اس بات پر دلیل ہیں کہ اس کے دل میں کفر ہے........الی آخر③۔

---

①: مجموع الفتاویٰ ج ۷/۳۶۴۔حق اور باطل میں اختلاط کا اصل سبب عدم تعلیم ومعرفت علم القرآن والسنۃ اور عدم تمیز بین الصحیح وضعیف احادیث ہے یعنی امت مسلمہ کے علماء نے دین کے وہ اصول وقواعد سیکھنے اور بیان کرنے پر توجہ نہیں دی جس سے بنیادی عقائد اور دین حق کو پرکھا جا سکے اس میں قرآن وسنت واصول حدیث اور سلف صالحین کی تعلیمات کو پہلی ترجیح حاصل ہے اور بہت سے ایسے لوگوں مثلاً جوینی وغزالی اور ابن الخطیب نے عقائد سے متعلق کتب تحریر کیں جبکہ ان کے پاس علم حدیث کی کمی تھی اور ان کی کتابیں بھی اس بات پر گواہی دیتی ہیں جن میں عجیب وغریب اور ضعیف احادیث کی کثرت ہے اور اس بات پر ان لوگوں نے بالآخر مذہب سلف کی طرف پلٹنے پر موت کے قریب کہا ہم نے علم الکلام میں ہی وقت ضائع کر دیا جس پر اب ندامت اٹھانا پڑ رہی ہے اس بات کو ہم نے علم الکلام کے متعلق بحث میں تفصیلی بیان کیا ہے۔ ②: الصارم المسلول علی شاتم الرسول لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۵۱۸۔ ③: الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم ج ۵/ ۷۵ دار الجیل۔

مرجیہ کا اہل سنت کے مذہب کی مخالفت کا سبب جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کتاب وسنت کی تصریحات سے اعراض کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمہم اللہ کے اقوال کے مقابلہ میں اپنی آراء کو بہتر قرار دیا۔اور لغت کے سہارے اپنے پاس سے معنی نکالتے ہوئے ان کی تاویل کر لی ۔کتاب وسنت کی نصوص میں غور وفکر نہ کرنا ہی عمومی طور پر گمراہی کا سبب بنتا ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اللہ کی پختہ رسی کتاب وسنت کو تھامنے کا حکم دیا ہے ۔اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے۔اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیاس وتاویل ہی کی وجہ سے اکثر لوگ بھٹک جاتے ہیں①۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جس نے قرآن کی تفسیر ظاہر کے خلاف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغیر کی تو یہ اہل بدعت کی تفسیر ہوگی②۔اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ان میں بہت سے فرقے مٹ گئے ان کے متبعین بہت کم ہیں جبکہ بعض فرقوں کے نظریات پھیل گئے اور انہوں نے اس امت پر بہت گہرا اثر ڈالا کیونکہ ان عقائد ونظریات کے حامل لوگ بعض ادوار میں قاضی اور مفتی کے منصب پر فائز رہے ہے۔ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر آٹھواں فرقہ ہے جو کہتے ہیں ایمان صرف اللہ کی معرفت اور کفر صرف اللہ تعالیٰ کی عدم معرفت کا نام ہے اور نواں فرقہ ہے امام اشعری کے بیان کے مطابق یہ <u>حماد بن ابی سلیمان</u> کی موافقت کرنے والے لوگ ہیں کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کوفی شاگردوں میں مرجیہ عقائد کا سب سے پہلا حامل ومدعی یہی ہے اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ابتداء سب سے زیادہ مرجیہ اہل کوفہ تھے۔

اس نظریہ کا سب سے پہلا قائل حماد بن ابی سلیمان ہے تب علماء نے ان کے انکار کی ضرورت محسوس کی③۔اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حماد بن ابی سلیمان اور اس کے ہمنوا فقہاء مرجیہ ایمان

①: مجموع الفتاوی ج ۷/ ۱۱۷، ۱۱۹، ۲۸۸، ۲۸۹۔

②: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۳۹۶۔

③: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۳۱۱

میں درجہ بندی ،اس میں عمل دخل ہونے اوراس سے کسی چیز کے استثناء کے بھی منکر ہیں ۔شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے مزید فرمایا کہ حماد بن ابی سلیمان نے سلف صالحین کی مخالفت کی ہے جبکہ اور کئی لوگوں نے اس کی پیروی کی مزید اہل کوفہ اور بعد کے کئی لوگ اس گروہ میں شامل ہوگئے ①۔اور شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی اوراس کے متبعین نے ابوالحسن اشعری کی پیروی کرتے ہوئے مسئلہ ایمان میں جہم ابن صفوان کے قول کی تائید کی ہے۔لیکن ابوالعباس القلانسی ،ابوعلی الثقفی ،ابوعبداللہ بن مجاہد جوقاضی ابوبکر کے استاد تھے اور ابوالحسن کے ساتھی ہیں انہوں نے سلف کے مذہب کواپنایا ہے۔بذات خودابن کلاب اور حسین بن الفضل البجلی اور ان جیسے دیگرلوگ حماد بن ابی سلیمان جیسے کوفی فقہاء کی پیروی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ (ایمان) قول وتصدیق دونوں کا نام ہے②۔

امام الخلال رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السنة میں امام شعبہ سے اپنی سند کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے حماد بن ابی سلیمان کو کہا کہ اعمش ،زبید،منصور،انہوں نے ہمیں شقیق سے اس نے عبداللہ سے اوروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ (مسلمان کوگالی دینافسق ہے)ان میں سے کس کوہم متہم قرار دیں یعنی (تہمت لگانے والا)امام شعبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو ہم اس کی سند میں کس کوجھوٹا کہیں ،کیا اعمش کو متہم قرار دیں یا منصور کو یا زبید (ابووائل) کو؟ امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ابوعبداللہ کو کہا میں ابووائل کو کس وجہ سے متہم قراردوں ؟ تواس نے کہا میں حماد بن ابی سلیمان کی گندی رائے کو متہم قرار دیتا ہوں اور مجھے ابن عون نے کہا حماد بن ابی سلیمان ہمارے ساتھیوں میں سے تھا حتی کہ اس نے یہ گل کھلائے یعنی مرجیہ عقائد جمع کیے③۔سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعدان کے شاگردوں میں سے مرجیہ عقائد کا سب سے پہلا حامل حماد بن ابی سلیمان اوراس کے پیروکار ہیں امام ذہبی نے معمر رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ کہتے ہیں

①: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۵۰۷۔

②: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۱۱۹۔

③: السنة للخلال/ ۴۷۸۔

جب ہم ابواسحاق رحمہ اللہ کے پاس جاتے تو وہ پوچھتے تم کہاں سے آئے ہو؟ ہم کہتے حماد کے پاس سے تو وہ کہتے مرجیہ کے بھائی نے تمہیں کیا کہا؟①۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متأخر (بعد میں آنے والے) متبعین کا نظریہ پہلے مرجیہ فقہاء کے نظریہ کے سخت مخالف ہے کیونکہ یہ متأخرین کہتے ہیں ایمان صرف دلی تصدیق کا نام ہے۔زبان کا ظاہری اقرار تو صرف دنیاوی احکام کے ثبوت کے لیے شرط ہے اور یہ متأخرین ابومنصور ماتریدی اور اس کے ہمنواء ہیں اس قول کا باطل ہونا تو بالکل واضح ہے②۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ بے شمار مسلم ممالک کے دینی جامعات اور اسلامک یونیورسٹیز جیسے جامعہ الازہر میں یہ عقائد نظریات جو حق اور سلف صالحین کے مسلک سے متصادم ہیں ان میں انہی بدعتی عقائد کو قابل اعتماد ٹھہرایا گیا ہے اور انہی عقائد کو پڑھایا جارہا ہے۔اور سلف کا وہ مسلک جس کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ والا سچا مذہب ہے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

حقیقی بات وہی ہے جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی اصول دین کے بارے میں تصانیف لکھنے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو نہ تو سلف صالحین کے مذہب کو پہچانتے ہیں اور نہ انہوں نے اس کو پڑھایا ہے اور نہ ہی اس کو وہ جانتے ہیں۔اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اصول دین وغیرہ کے بارے میں لکھی ہوئی بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن مصنفوں کو جب آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے تو بڑے بڑے مسائل جیسے قرآن،آخرت میں رویئت اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار)،صفات باری تعالیٰ اور آخرت وغیرہ کے مسئلہ میں اپنے پاس سے بے شمار اقوال تو ذکر کیے ہیں مگر وہ بات جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور ان کی امت کے سلف صالحین،جس پر کاربندر ہے وہ ان کی کتب میں نہیں ملے گی،بلکہ ان کے مؤلفین ان علوم سے لاعلم اور بے شعور ہیں③۔

①: سیر اعلام النبلا للحافظ ذہبی رحمہ اللہ ج ۵/۲۳۳۔②: مجموع الفتاویٰ ج ۷/۵۱۰۔③: مجموع الفتاویٰ ج ۱۲/۵۱۰۔

بدعات مرجیہ کی تردید میں علماء کے اقوال

اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ سلف صالحین نے تمام مرجیہ غالی اور فقہاء کی بہت زیادہ تردید کی ہے اس کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی ان کو ابدی کافر نہیں کہا، کیونکہ ان میں علماء اور عابدین بھی شامل ہیں اور ان کی بدعت کفر اکبر کی حد کو نہیں پہنچتی۔ اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ لفظ کہے ہیں کہ یہ صرف ایک شبہہ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے علم وعبادت اور بہترین اسلام وایمان کے باوجود ارجاء میں پھنس گئے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مرجیہ فقہاء کی جماعت ایسی جماعت ہے جو امت کے نزدیک علم ودین والی ہے۔ یہاں تک کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا مرجیہ کی مذمت میں بہت بڑی بڑی باتیں کہی گئیں، یہاں تک کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا اس امت پر مرجیہ کا فتنہ ازارقہ (خارجیوں کا ایک گروہ جو نافع بن الارزق کے ساتھی تھے اور مخالف مؤمنین کو قتل کرنا اور ان کی عورتوں کو قید کرنا جائز سمجھتے تھے) کہ فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا، اسلام میں ارجاء سے بڑھ کر کوئی بدعت پیدا نہیں ہوئی، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا امام ابوکثیر رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک کوئی بھی خواہش نفس ایسی نہیں جو امت کے لیے ارجاء سے زیادہ خوفناک ہو۔ شریک القاضی رحمہ اللہ نے مرجیہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا یہ سب سے خبیث ترین قوم ہے خباثت میں تو رافضی ہی کافی ہیں لیکن مرجیہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا مرجیہ نے اسلام کو باریک وبوسیدہ کپڑے کی طرح بے سود بنا دیا ہے۔ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن الاشعث کے گروہ کے فتنہ کے بعد بڑا فتنہ ارجاء کا ہے (مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۳۹۵، السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ج ۱/ ۳۱۲)۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ سلف صالحین اور ائمہ ھدیٰ نے مرجیہ کی پرزور تردید کی ہے ان کو بدعتی کہا ہے اور ان کے بارے میں سخت فیصلے دیئے میرے علم کے مطابق ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے ان کو کافر قرار

دیا ہو بلکہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے تو مرجیہ کو کافر نہ کہنے کی صراحت کی ہے①۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بعض سلف سے جہمیہ عقائد اور بعض جہمیہ عقائد کے حامل افراد کے بارے میں کفر کا فیصلہ نقل کیا ہے اور مرجیہ کے مختلف فرقوں کے باوجود ان کا فر نہ ہونا نقل کرتے ہوئے فرمایا ،امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے وکیع سے فرماتے ہوئے سنا اہل سنت کہتے ہیں ایمان قول وعمل کا نام ہے اور مرجیہ کہتے ہیں ایمان قول کا نام ہے اور جہمیہ کہتے ہیں صرف معرفت کا نام ہے۔امام وکیع رحمہ اللہ سے ایک اور روایت مروی ہے کہ یہ کفر ہے۔اور محمد بن عمر الکلابی نے فرمایا میں نے امام وکیع رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ،جہمیہ قدریہ سے بدتر ہیں اور کہتے ہیں امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا مرجیہ کہتے ہیں اقرار عمل سے کفایت کر جاتا ہے جو یہ کہتا ہے وہ تو برباد ہو گیا اور جس نے کہا نیت عمل سے کفایت کر جاتی ہے یہ کفر ہے اور یہ جہم بن صفوان کا قول ہے②۔

سابقہ بحث سے مرجیہ مذہب اور ان کی سلف کے مذہب سے مخالفت کی حقیقت واضح ہوگئی اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان کے مذہب کا مسلمانوں کے دین وعقائد پر کتنا مضر اثر پڑا ہے۔سلف نے مرجیہ کی جو مذمت کی وہ آپ کے سامنے بیان ہو چکی ہے۔اس مذہب کا اتنا ہی نقصان کافی ہے کہ آدمی پر گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک عمل کا ایمان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ واقعاتی اور مشاہداتی چیز ہے اور وہ چیز جس سے اس کا نقصان اور بھی واضح ہو جاتا ہے وہ یہ کہ آج بھی بہت سے علماء ایسے ہیں جو حق کی مخالفت کے اسباب سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اس چیز کا شکار ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جو طالبین حق اور نجات کے بارے میں بحث کرنے والوں کو امت کے سلف صالحین کے مذہب کو سیکھنے اور اس کو مضبوطی سے تھامنے کی ترغیب دلاتی ہیں۔

خاص کر اس زمانہ میں جس میں علم کم اور جہالت عام ہے جس کے بارے میں نبی ﷺ نے

①: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۵۰۷،۵۵۵۔

②: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۳۰۷،۳۰۸۔

فرمایا قیامت کے علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت پھیل جائے گی، شراب پی جائے گی، اور زنا عام ہوگا، اور دوسری حدیث میں فرمایا علم کم ہوجائے گا اور جہالت ظاہر ہوجائے گی①۔

اپنی ذاتی اصلاح کے متمنی اور قیامت کے دن نجات کی امید رکھنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اپنا وقت اور اپنی صلاحیت کو سلف صالحین کے بارے تذکرہ و بحث کرنے اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو لوگوں میں عام کرنے میں خرچ کرے خاص کر موجودہ حالات میں یہ بہت ضروری امر ہے کیونکہ اس زمانہ میں حق اور باطل مختلط ہوچکا ہے لیکن حق ایک ایسی شمع ہے جو چھپنے والی نہیں، ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ حق کو اس کی کان (قرآن وسنت) سے سیکھے اور اہل علم پر ضروری ہے کہ حق کی نشر واشاعت کریں جس طرح عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کو خط لکھا تو فرمایا تو اس وقت تک نہ بیٹھنا جب تک کہ جاہل اصل علم کو جان وپہچان نہ لیں، کیونکہ علم اس وقت تک نہیں مٹتا جب تک اس کو خفیہ نہ رکھا جائے یعنی علم کی عام نشر وشاعت ہونی چاہیے تاکہ باقی رہے②۔

خوارج اور معتزلہ کا مذہب

خارجیوں کی بدعت اس وقت رونما ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق چلے گئے اور امت میں مشہور فتنہ واختلاف جنگ جمل وجنگ صفین کی صورت میں پیدا ہوا تو دونوں گروہ کے خلاف خارجی کھڑے ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں پیشین گوئی بھی کی تھی اوران کا حکم بھی بیان کیا تھا۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا دس وجوہ کی بنیاد پر خارجیوں کے بارے

①: رواہ البخاری، مسلم، والنسائی، والترمذی، وابن ماجہ، وابن حبان، والحاکم، والبیہقی وغیرہم۔
②: صحیح بخاری، کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔

میں صحیح حدیث موجود ہے امام احمد رحمہ اللہ کی بات کی بھرپور تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام مسلم نے بیان کیا ہے، کچھ وجوہات کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ان کے بارے میں اصحاب السنن اوراصحاب المسانید (مسند کتب کے مصنفین احادیث) نے بھی احادیث بیان کی ہیں۔خارجیوں کے کئی نام اورکئی اقسام ہیں ان کوحروریہ بھی کہا جاتا ہے۔کیونکہ جس جگہ سے فتنہ یہ ظہور پذیر ہوا اس کوحروراء کہا جاتا ہے،ان کو اہل نہروان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی ۔اسی طرح ان کی ایک قسم اباضیہ ہے جو عبداللہ بن اباض کے متبعین ہیں ۔اور ایک گروہ ازارقہ ہے جو نافع بن الارزق کے پیروکار ہیں ۔ایک فرقہ نجدات جو نجدہ حروری کے ہمنواء ہیں ۔یہ وہ گروہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے گناہ کے ارتکاب پر اہل قبلہ کو کافر قرار دیا، بلکہ بسا اوقات تو یہ گناہ کے ارادہ کو بھی کفر سمجھتے تھے ۔اسی وجہ سے یہ اہل قبلہ کے خون کو حلال سمجھتے تھے۔یہ بالکل ویسے ہی ثابت ہوئے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بتایا تھا (مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے)(صحیح البخاری، مسلم ،احمد، ابوداؤد، النسائی)۔

بلکہ یہ عقائد میں دوسرے خارجیوں سے بھی آگے بڑھ گئے اور کہا جو آدمی مسلمانوں کے خلاف نہ نکلے گا اوران سے جنگ نہ لڑے گا تو وہ کافر ہے خواہ وہ ہمارے نظریات کا حامل ہی کیوں نہ ہو۔یہ مسلمانوں پر ایک بہت بڑی آزمائش تھی انہوں نے اپنے فاسد عقائد کو مزید وسعت دی اور شادی شدہ زانی کے سنگسار کو باطل قرار دیدیا اور چور کا ہاتھ بغل سے کاٹنا اور حائضہ عورت پر حالت حیض میں نماز کو فرض قرار دیا اوراگر کوئی آدمی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے پر قادر ہونے کے باوجود یہ عمل نہیں کرتا تو وہ اس کو بھی کافر قرار دیتے تھے۔خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ اوران کے متبعین کو کافر کہا اورانہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کو جائز سمجھتے ہوئے ہی آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور یہ قتل ان میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی خارجی نے کیا تھا۔یہ خارجیوں میں سے ایک بہت بڑا عبادت گزار عابد تھا حقیقت میں یہ جاہل لوگ تھے جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور مسلمانوں کی

جماعت کو چھوڑ دیا تھا یہ کہتے تھے انسان صرف دو ہی گروہوں میں منقسم ہیں ایک کافر اور دوسرا مسلمان ،مسلمان وہ ہے جو تمام فرائض کو ادا کرے اور تمام محرمات (گناہوں) سے اجتناب کرے جو ایسا نہیں کرتا وہ ان کے نزدیک کافر اور ہمیشہ کا جہنمی ہے ۔ پھر انھوں نے اپنے نظریات کے مخالف تمام لوگوں پر یہی حکم لگایا۔ان خارجیوں نے کہا جس نے زنا کیا یا شراب پی لی یا کوئی اور نافرنانی کا کام کرلیا تو وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور پکے کافروں کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور نہ ہی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اگرچہ یہ مواحد اور تمام شرعی امور کی پابندی کرنے والا ہو ۔اس مذہب کے باطل ہونے پر کتاب وسنت کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا مبداء خروج اور ان کے عقائد اور کچھ فرقوں کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں خوارج خارجہ کی جمع ہے بمعنی گروہ اس بدعتی گروہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ دین سے نکل گئے اور بہترین مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ان کی اصل بدعت جس کو امام رافعی رحمہ اللہ نے الشرح الکبیر میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلے کیونکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو پہچانتے ہیں اور ان پر پکڑنے کی قدرت رکھتے ہیں ۔لیکن ان سے قصاص نہیں لیتے کیونکہ یا تو وہ (علی رضی اللہ عنہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہیں یا قاتلین کے ہم خیال ہیں ۔حالانکہ یہ بات مؤرخین کے بیان کے برعکس ہے ۔اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ خارجیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کچھ معاملات کے منکر تھے اور ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے تھے ۔اس کی بنیاد یہ ہے کہ بعض عراقیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کچھ عزیز واقارب کے کردار پر نکیر (نفی) کی اور اسی کی وجہ سے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کیے۔

ان خارجیوں کو قراء کہا جاتا تھا کیونکہ یہ عبادت وتلاوت بہت زیادہ کرتے تھے لیکن یہ قرآن اور اس کے مفہوم کی بے جا تاویلات بھی کرتے تھے اور اپنی رائے کو مقدم رکھتے تھے اور یہ ورع وعاجزی وغیرہ

میں بھی متشدد تھے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے معتقد ہو گئے اور جنگ جمل میں جو لوگ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑے ان کو کافر قرار دیدیا حالانکہ ان کے قائد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ تے یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے مکہ گئے تو وہاں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی جو اس سال حج کے لیے آئی تھیں تو یہ سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر متفق ہو گئے ،اور بصرہ جا کر لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس پہنچے تو وہاں ان کے درمیان مشہور جنگ جمل کا المیہ کا پیش آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ دوران جنگ شہید کردیئے ہو گئے تو اس وقوعہ سے پلٹنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کردیا گیا یہ جماعت متفقہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتی تھی۔

ایسے حالات میں شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے جو ان دنوں شام کے گورنر (امیر) تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا شامیوں سے میری بیعت لیں۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کئے گئے ہیں پہلے ان کے قاتلین سے قصاص لینا ضروری ہے ،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھے یہ اس بات کے منتظر تھے کہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان قاتلین کا فیصلہ کریں۔ پھر اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے لوگوں سے بیعت لیں گے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جس چیز (بیعت) میں باقی سب لوگ شامل ہوئے آپ بھی شامل ہو جائیں ان قاتلوں کا فیصلہ میرے ذمہ ہے ان میں انصاف سے فیصلہ کروں گا۔جب معاملہ طول پکڑ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراقیوں سے شامیوں کے ساتھ جنگ کا مطالبہ کردیا اور شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان سے لڑنے کیلئے نکل آئے صفین کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوگئی اور یہ جنگ کئی ماہ تک جاری رہی قریب تھا کہ شامی شکست سے دوچار ہوجاتے انہوں نے قرآن کو نیزوں پر اٹھالیا اور آواز لگائی کہ ہم تمہیں اللہ کے قرآن کی طرف بلاتے

ہیں یہ فیصلہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہوا جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔حضرت رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی جماعت خصوصاً قراء نے دین داری اختیار کرتے ہوئے اور قرآن کی اس آیت (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ان کو کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (اللہ) ان کے درمیان فیصلہ کرے) سے دلیل پکڑتے ہوئے جنگ سے رک گئے اور اس بارے میں شامیوں نے خط لکھا کہ ایک (فیصل) ثالث تم بھیجو اور ایک فیصل ہمارا ہوگا۔اور یہ فیصلہ وہ لوگ کریں گے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے یہ جس کو برحق سمجھیں گے اس کی اطاعت کریں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین نے اس پیش کش کو قبول کرلیا لیکن خارجیوں نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اس پیشکش کو ٹھکرادیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین یعنی شامیوں اور عراقیوں کے مابین ایک حکومتی خط لکھا۔

یہ وہ فیصلہ ہے جو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا شامی اس بات پر رک گئے انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین کی بجائے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مان لیا۔خارجیوں نے اس کا بھی انکار کردیا۔دونوں فریق اس بات پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے کہ مقررہ مدت پر شام اور عراق کے درمیان ثالث (منصف) اکھٹے ہوں گے اور فیصلہ ہونے تک دونوں لشکر اپنے علاقوں میں پھیل جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام واپس پلٹ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ لوٹ آئے، خارجیوں نے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو چھوڑ دیا اور علیحدہ ہوگئے ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس ہزار سے زائد تھے یہ حروراء مقام پر قیام پذیر ہوگئے اسی وجہ سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے ان کے قائد ولیڈر عبداللہ بن الکواء یشکری اور شبت تمیمی تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا انہوں نے ان سے اصلاحی گفتگو ومناظرہ کیا تو ان میں سے بہت سارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے انہوں نے آپ کی

اطاعت کی یہ اپنے مذکورہ دونوں لیڈروں سمیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ آ گئے۔ پھر انہوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکومت سے تائب ہو گئے ہیں اسی لیے وہ ان کے ساتھ لوٹ آئے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے خطبہ دیا اور اس بات کا انکار کیا تو یہ لوگ مسجد کے اطراف سے پکار اُٹھے (لا حکم الا للہ) حکومت صرف اللہ کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بات صحیح ہے لیکن اس سے مراد باطل لیا جا رہا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا جب تک تم فساد نہ کرو گے اس وقت تک ہمارے ذمہ تمہارے تین حق ہیں۔

① ہم تمہیں مساجد سے منع نہیں کریں گے۔

② نہ مال فیئے سے تمہارا حصہ ختم کریں گے۔

③ اور ہم تم سے لڑائی میں پہل بھی نہیں کریں گے۔

وہ تھوڑے تھوڑے کر کے وہاں سے نکلتے گئے یہاں تک کہ مدائن میں جمع ہو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو واپسی کے لیے خط لکھا لیکن انہوں نے کہا ہم اس وقت تک نہیں آئیں گے جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو کافر تسلیم نہ کر لیں کیونکہ وہ حاکم بننے پر راضی تھا۔ اور وہ اس (ملکیت) سے تائب ہو جائے پھر انہوں نے کسی سے کچھ دریافت کئے بغیر جو بھی ان کے چلنے والے مسلمان تھے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاس سے عبداللہ بن خباب بن الارت گزرے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے کچھ بلاد اسلامیہ کے گورنر تھے ان کے ساتھ ان کی ایک حاملہ لونڈی تھی انہوں نے ان کو قتل کر دیا اور لونڈی کا پیٹ چیز کر اس کا بچہ ضائع کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے شامیوں کے خلاف جو لشکر تیار کیا تھا اس کو لے کر نہروان مقام پر ان پر حملہ کر دیا جس سے ان میں سے صرف دس کے قریب لوگ بچے جو فرار ہو گئے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تقریباً دس ساتھی شہید ہوئے یہ ان کے ابتدائی حالات کا خلاصہ ہے۔

پھر یہ خارجی اور ان کے ہم خیال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تو چھپے رہے یہاں تک کہ ان

میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز کے وقت شہید کر دیا پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین شامی لشکر سے صلح ہوئی تو ان میں سے ایک گروہ پھر بھڑک اٹھا جس پر شامی لشکر نے نجیلہ کے مقام پر ان پر حملہ کر دیا۔اس کے بعد یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کے طویل دور حکومت میں زیاد اور اس کے بیٹے عبیداللہ کی زیر امارت ذلت ورسوائی کے ایام گزارتے رہے زیاد اور اس کے بیٹے نے ان پر مزید غلبہ پا کر ان کی ایک جماعت کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔

پھر جب یزید فوت ہو گیا اور امت میں اختلاف وافتراق پیدا ہو گیا اور مسند خلافت پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیٹھ گئے ماسوائے چند شامیوں کے تمام علاقوں کے باشندوں نے ان کی اطاعت کر لی تو مروان بھڑک اٹھا اور اس نے خلافت کا دعویٰ کر دیا اور تمام شامیوں اور اہل مصر پر غالب آ گیا تو اس وقت پھر خارجی نافع بن الارزق اور یمامہ میں نجدہ بن عامر کے ساتھ مل کر اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے کہا نجدہ نے خارجیوں کے عقائد میں مزید اضافہ کیا کہ جو مسلمانوں کے خلاف نہ نکلا اور ان سے جنگ نہ کی تو وہ کافر ہے۔خواہ وہ ہمارے عقائد پر ہی کیوں نہ ہو انہوں نے اپنے فاسد عقائد کو مزید وسعت دی اور شادی شدہ زانی کے رجم کو باطل قرار دیا اور چور کا ہاتھ بغل سے کاٹنے کا حکم جاری کیا اور حائضہ عورت پر حالت حیض میں نماز وفرض قرار دیا اور کہا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تارک خواہ وہ قادر ہو یہ نہ ہو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے اور ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کے مرتکب کا حکم کافر والا حکم ہے یہ لوگ (اہل کتاب) ذمیوں کے اموال اور ان کے ساتھ لڑنے سے گریزاں والگ تھے لیکن مسلمانوں کو اعلانیہ قتل کرتے قیدی بناتے اور ان کے اموال لوٹ لیتے۔ان میں سے کچھ تو بغیر تو کسی کو کوئی دعوت دیے یہ کام کر گزرتے اور کچھ پہلے ان کو دعوت دیتے پھر برسرعام قتل وغارت شروع کر دیتے تھے مسلمانوں پر یہ آزمائش بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ مہلب بن ابی صفرہ نے ان کے خلاف قتال کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ ایک لمبی جنگ کے بعد ان پر غالب آ گیا اور ان کی جمعیت بہت ہی تھوڑی رہ گئی پھر ان کے بعد باقی ماندہ لوگ مسلسل وطویل عرصہ اموی حکومت اور ابتدائی عباسی حکومت کے زیر

نکین رہے۔جبکہ ان کی ایک جماعت مغرب میں چلی گئی۔

خارجیوں کے بعد معتزلہ آگئے جو حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جماعت سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ان کے لیڈر عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء اور ان کے متبعین ہیں انہوں نے بھی خارجیوں کی طرح کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کو ہمیشہ کا جہنمی قرار دیا لیکن یہ کہتے ہیں ہم اہل کبائر گناہ کو نہ مومن کہتے ہیں نہ کافر بلکہ یہ فاسق ہیں یہ دونوں مرتبوں کے درمیان ایک مرتبہ پر ہیں۔حقیقت میں انہوں نے خارجیوں کی موافقت کی ہے صرف نام میں ان کی مخالفت کی۔یہ اہل کبائر کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں اور اس بات کے بھی منکر ہیں کہ وہ جہنم میں داخل کیے جانے کے بعد وہاں سے نکالے جائیں گے۔یہ کہتے ہیں انسان صرف دو ہی قسم کے ہوتے ہیں ایک نیک بخت جس کو عذاب نہ ہوگا اور دوسرا بد بخت جس کو کوئی نعمت نصیب نہ ہوگی اور بد بخت شقی کی دو قسمیں ہیں کافر اور فاسق۔انہوں نے صرف ان کا نام کافر رکھنے میں ہی خارجیوں کی موافقت نہیں کی۔

جبکہ ان (معتزلہ) کی بھی اسی طرح تردید کی گئی جس طرح خارجیوں کی تردید کی گئی ہے۔یہ دونوں اقوال میری مراد ایک تو خارجیوں کا قول ہے جو مطلق گناہ کی وجہ سے کافر کہتے ہیں اور گناہ گاروں کو ہمیشہ کا جہنمی کہتے ہیں اور دوسرا قول ان لوگوں کا جو ان کو ہمیشہ کا جہنمی کہتے ہیں اور پورے وثوق سے کہتے ہیں بغیر توبہ اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا اور کہتے ہیں یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔

ائمہ محدثین وفقہاء میں سے کوئی بھی ان کے اقوال کا قائل نہیں یہ بدعتیوں کے ایجاد کردہ معروف اقوال ہیں①۔

حاصل کلام:- اس مسئلہ میں ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد متبعین یہ کہتے ہیں کہ ایمان زبان کے قول، دل کے اعتقاد اور اعضاء کے بغیر درست نہیں اور یقیناً ایمان بڑھتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی

---

①: مجموع الفتاوی ج ۷/ ۴۷۹ تا ۵۰۱۔فتح الباری ج ۱۲/ ۲۹۶ تا ۲۹۸ باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم

(معصیت) سے کم ہوتا ہے۔

اور مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف دلی تصدیق یا دلی تصدیق کے ساتھ زبان کے اقرار کا نام ہے اور حقیقی ایمان میں تمام لوگ برابر ہیں صرف اعمال صالحہ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں ان میں ایک قوم غلو کا شکار ہے جو کہتے ہیں ایمان صرف اقرار یا صرف معرفت کا نام ہے اور کفر صرف عدم معرفت اور تصدیق کے نہ ہونے کا نام ہے۔ وہ افعال جن کے مرتکبین کو شریعت نے کافر کہا ہے وہ کہتے ہیں فی نفسہٖ کفریہ اعمال نہیں بلکہ یہ کفر عدم معرفت اور تصدیق کے نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، غیر اللہ کو سجدہ کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا، یہ اعمال ذاتی طور پر کفریہ نہیں بلکہ صرف کفر پر علامت ہیں اور کفر پر دلالت کرتے ہیں۔

اور خارجی کہتے ہیں تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام محرمات ومنہیات سے اجتناب کا نام ایمان ہے اور بندہ جب کسی ایک فرض میں بھی کوتاہی کرتا ہے یا ایک بھی حرام کام کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ دین اسلام سے خارج ہے خارجی غیر کفریہ گناہ جیسے زنا، شراب پینا وغیرہ کے مرتکبین مسلمان کو بھی کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ نے ان کا نام فاسق رکھا ہے، جبکہ دونوں گروہوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

دوسرا و تیسرا مسئلہ: ایمان کا ذُو اجزاء ہونا

یہ مسئلہ بھی ایمان کی تعریف میں اختلاف کا نتیجہ ہے۔مبتدعین جہمیہ ،مرجئہ اور خوارج کے اصول اسی سے متفرع ہیں ۔ یہ ایمان کو ذو اجزاء تسلیم نہیں کرتے ان کے بقول یہ (ایمان) بسیط ہے۔جہمیہ کے نزدیک ایمان اللہ کی معرفت اور کفر عدم معرفت کا نام ہے جو انسان رب سے جاہل ہے وہ کافر ہے اور رب کی معرفت مرکب و ذو اجزاء نہیں ہو سکتی۔

مرجئہ و خوارج کے بقول ایمان شئی واحد (ایک ہی چیز) کا نام ہے۔مرجئہ کے نزدیک تصدیق یا تصدیق مع الاقرار ایمان ہے وہ کہتے ہیں جب تصدیق ناقص ہوگی تو آدمی شک میں مبتلا ہو جائے گا اور ایمان میں شک عین کفر ہے اسی لیے ایمان ذو اجزاء نہیں ہوسکتا ۔یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے ایمان میں تثنیات کے قائل نہیں ۔اور خوارج کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے جمیع اوامر (تمام احکامات) کا نام ایمان ہے جب کوئی انسان کسی فرض کو ترک کردے گا یا کسی حرام کا ارتکاب کرے گا تو اس کا ایمان مکمل ضائع ہو جائے گا۔جبکہ اس مسئلہ میں اہلسنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ ایمان ذو اجزاء ہے کیونکہ یہ مختلف شاخوں کا مجموعہ ہے یہ بھی ممکن ہے (انسان میں) کچھ خصلتیں پائی جائیں اور کچھ نہ پائی جائیں بشرطیکہ متروکہ خصلت ایسی نہ ہو جو باقی خصائل کو باطل کردے۔اور اس کا منبع شریعت کے احکام کو اجمال اور تفصیل کے ساتھ جاننا اور اس پر عمل کرنا ہے یہ بات تو معروف ہے کہ جو آدمی شریعت کے تفصیلی احکامات نماز ،روزہ، حج ،وغیرہ کو جانتا ہے اور ان پر عمل پیرا بھی ہے۔وہ ایسے آدمی کی طرح نہیں ہوسکتا جو ان سے جاہل ہے یا ان کو تو جانتا ہے لیکن بعض احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوتا①۔ بلاشبہ پہلے آدمی کے پاس ایسا ایمان ہے جو دوسرے آدمی کے پاس نہیں ۔اسی طرح وہ

① :ان چیزوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی شریعت کے کچھ احکامات پر عمل پیرا ہے اسکو مومن کہنا صحیح ہے لیکن یہ (درجہ میں) اس آدمی کے برابر نہیں ہوسکتا جو بغیر کسی کمی کے شریعت کو جانتا ہے اور اسکے مطابق عامل ہے اسی طرح متروکہ اعمال میں یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ وہ عمل ایمان کی شروط واصول میں سے نہ ہو۔کیونکہ اصول وشرائط کا تارک مومن نہیں ہوسکتا بلکہ ان شروط کے فقدان کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

آدمی جو مجمل ایمان لایا اور تفصیلات کی معرفت سے قبل فوت ہو گیا تو یہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو مجمل ایمان کے بعد تفصیلات کو سمجھتا ہے پھر اس پر ایمان لا کر عمل میں بھی مشغول ہو جاتا ہے۔اسی پر کتاب وسنت کے دلائل پچھلے مسئلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔انہی دلائل میں سے ایک دلیل میں یہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جہنم کے بارے میں فرمائے گا،اے میرے فرشتو! جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال دو، پھر فرمائے گا جاؤ جس کے دل میں آدھے دینار کے بقدر بھی خیر (ایمان) ہے اس کو بھی جہنم کی آگ سے آزاد کر دو۔یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایمان ذواجزاء ہے۔اور اس (ایمان) کا بعض میں بعض سے زیادہ ہونا ثابت ہے اس کی وضاحت حدیث کے ان الفاظ سے ہورہی ہے ۔(مثقال دینار)ایک دینار کے بقدر ،نصف دینار کے برابر،ایک ذرہ کے برابر وغیرہ۔

اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر ایمان کا کچھ حصہ زائل ہو جائے تو مکمل ایمان ہی ضائع ہو جاتا ہے یہ (کہنا) جائز نہیں۔اور یہی وہ اساس ہے جس سے ایمان میں بدعات متفرع ہوئی ہیں کیونکہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اگر ایمان کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا تو مکمل ایمان کالعدم ہو گا۔اس میں سے کچھ باقی نہ رہے گا، پھر یہ خوارج اور معتزلہ جو مطلق ایمان کے قائل ہیں ان کے بقول اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اوامر کا نام ایمان ہے۔اور اگر ان میں سے کچھ اشیاء مفقود ہو جائیں تو آدمی ایمان سے عاری ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کا جہنمی بن جاتا ہے۔اہلسنت (اہل حدیث) کے نزدیک ایمان میں درجہ بندی ہے اور جمہور (علماء) کے بقول اس میں زیادتی اور نقصان بھی واقع ہوتا ہے اور بعض (علماء) کے نزدیک بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔اور بعض کے بقول اس میں تفاضل ہے جیسے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ①۔

ایمان کے لیے مشروط اقوال واعمال: یہ بات یہاں بیان کرنا ضروری ہے کچھ اعمال اور اقوال

① : مجموع الفتاویٰ ج ۷/۲۲۳)

ایمان میں شرط ہیں اگر یہ اقوال واعمال نہ ہوں تو ایمان کالعدم ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضامندی، اللہ تعالیٰ کا خوف ۔شہادتین کا اقرار۔اس سے ملحقہ وہ اشیاء جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ اصول ایمان میں سے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

1۔کسی چیز کے اصول ایمان ہونے کے بارے میں صریح دلیل آجائے اور وہ ایسی (چیز) ہو کہ ایمان کی تصحیح اس پر موقوف ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے توکل کے بارے میں فرمایا ''وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْآ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ''اور اگر تم مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے (المائدہ ۲۳) ۔اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

2۔کسی چیز کے عدم پر حقیقی ایمان کی نفی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں (النساء ٦٥)۔

3۔ایسی چیز کہ جس کے پائے جانے پر ایمان کا پایا جانا موقوف ہو،اس کی مثال نبی ﷺ کا یہ فرمانا ہے ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (محمد ﷺ) اس کو اس کے والدین ،اولاد،اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں'' ①۔اور یہی اس حقیقی محبت کا معیار ہے جو بغض وکراہت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔

4۔ایسی چیز جس کے تارک پر اس کے برعکس عمل کرنے والے پر کفر اکبر یا (مخلد فی النار) ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہو۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے'' وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ

①: صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی، طبرانی، ابویعلیٰ۔

اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّھِیۡنًا ''اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں (علیہم السلام) پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس بین بین کوئی راہ نکالیں، یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے (النساء ۱۵۰، ۱۵۱)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''وَ مَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَیَمُتۡ وَ ھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُھُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡن ''اور تم میں جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے (البقرہ ۲۱۷)۔ اس مسئلہ میں جو چیزیں قابل مثال ہیں وہ مختصراً یہ ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر راضی ہونا۔ تمام مسلمان خصوصاً علماء امت اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونا یہ ایک ایسی ایمانی بنیاد ہے جس کے بغیر ایمان قابل قبول ہی نہیں۔

دلی یا زبانی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونا ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔ اسی طرح علماء اس بات پر بھی متفقہ ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو جاننے کے باوجود اس کو چھوڑ دیتا ہے یا اس سے اعراض کر لیتا ہے تو ایسا آدمی کافر ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں، اور اگر یہ بغیر توبہ کے مر گیا تو ہمیشہ کا جہنمی ہے بہت سے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ①۔ یہ ایسا عمل ہے جو ایمان کو ناقص کرنے والا ہے اور یہ انسان کے اعضاء سے سرزد ہوتا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی نہیں۔

چوتھا مسئلہ: اطاعت و نافرمانی کا اکٹھا ہونا: یہ مسئلہ بھی اہل سنت اور دوسروں کے درمیان ایمان کی تعریف میں اختلاف کا نتیجہ ہے۔ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی میں اطاعت و نافرمانی

---

①: دیکھئے مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۲۸/۵۲۴ و ج ۳/۲۶۷۔

،اسلام اور جاہلیت، پرہیزگاری و گناہ کا جمع ہونا جائز ہے جیسا کہ شرعی دلائل کا تقاضہ ہے عنقریب اس کا بیان آئے گا انشاءاللہ۔

مرجئہ کے بعض اور خوارج کے تمام فرقے اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان میں اطاعت ومعصیت اور تقویٰ و گناہ جمع نہیں ہو سکتے ان کی مخالفت بعض عقلی ونقلی دلائل پر مشتمل ہے۔ہم کچھ دلائل بیان کرتے ہیں جس سے سلف صالحین کے مذہب کا صحیح ہونا واضح ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو (الحجرات ۹)۔اللہ تعالیٰ نے ان کی لڑائی کے باوجود ان کو مومن کہا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان اپنی تلوار کے ساتھ لڑتے ہیں تو قاتل ومقتول دونوں آگ میں جائیں گے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دونوں کو لڑائی کے باوجود مسلمان کہا ہے①۔اور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (بسیفهما) اپنی تلواروں کے ساتھ سے واضح ہے۔ یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں ایمان کی اور کفر اصغر کی شاخیں جمع ہو سکتی ہیں بشرطیکہ وہ دین اسلام سے خارج اور کافر نہ ہو۔ واصل احدب سے مروی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں ربذہ مقام پر ابوذر رضی اللہ عنہ اور اس کے غلام کو ملا ان دونوں نے ایک ہی جیسے لباس کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں نے ایک آدمی (یعنی غلام) کو گالی دی اور اس کو اس کی ماں کے بارے میں عار دلائی تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے ابوذر رضی اللہ عنہ کیا تو نے اس کو اس کی ماں کے نام سے غیرت دلائی

①: صحیح بخاری، ابن حبان، ابن ماجہ، بیہقی میں حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ احنف بن قیس سے بیان کرتے ہیں اس نے کہا میں اس آدمی (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کیلئے گیا تو (راستہ میں) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی اس نے کہا تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے میں نے کہا میں اس آدمی کی مدد کیلئے جارہا ہوں اس نے کہا واپس چلا جا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل تو جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کا طمع رکھتا تھا۔ یہی روایت صحیح مسلم ،نسائی، مسند احمد، بیہقی، بزار میں احنف بن قیس سے مروی ہے اس میں ہے وہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اسی طرح سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند احمد اور ابن ماجہ میں اسی کے قریب قریب الفاظ سے ابوبکر اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ہے؟ یقیناً تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے①۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کا مقام مسلمانوں میں مسلم (تسلیم شدہ) ہے لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا اس میں کچھ جاہلیت ابھی بھی باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں مرتد کا فیصلہ صادر نہیں فرمایا بلکہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس بات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کفارہ کی مثل یہ فرمایا کہ جو تو کھائے وہ اس غلام کو بھی کھلا اور جو تو پہنے اس کو بھی پہنا۔ جب یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تو انسان میں اسلام اور جاہلی امور میں سے کسی غیر کفریہ امر کا جمع ہونا ثابت ہوگیا۔ بغیر اس کے کہ اس کو خارج از اسلام قرار دیا جائے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار عادتیں جس کسی میں ہوں تو خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان چاروں میں سے ایک عادت ہے تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے، جب اسے امین بنایا جائے تو (امانت میں) خیانت کرے گا②۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ جو آدمی بھی عادات نفاق میں سے کسی عادت سے متصف ہوگیا اس میں اس کی ایک خصلت پائی گئی۔ اس حدیث کا بھی تقاضا یہی ہے کہ انسان میں ایمان وکفر ونفاق کے خصائل اکھٹے ہو سکتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دوزخ دکھلائی گئی۔ تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو کفر کرتی تھیں۔ کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی تھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاوند کی ناشکری کرتی تھیں③۔ اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے کفر کا لفظ استعمال کیا لیکن اس سے کفر اکبر مراد نہیں۔ اور نہ ہی وہ دین سے خارج ہیں حالانکہ وہ اپنے شوہروں کے حقوق میں کمی کرنے والیاں ہیں۔

①: صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاہلیة ولا یکفر صاحبھا الا بالشرک، مسلم ابوداؤد، الترمذی، مسند احمد، ان ماجہ، البیہقی، البزار عن ابی ذر رضی اللہ عنہ۔ ②: صحیح بخاری کتاب الایمان باب علامات النفاق۔ ③: صحیح بخاری، کتاب الایمان باب کفران العشیر وکتاب الحیض میں یہ الفاظ ہیں (اے عورتوں کی جماعت) تم صدقہ کرو تم مجھے اکثر جہنم میں دکھائی گئی ہو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہو۔ مسلم، نسائی، احمد، ابن حبان، بیہقی، ابوعوانہ، مسند الشافعی، موطا مالک، طبرانی اوسط وکبیر۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حساب وکتاب کے بعد) بہشت والے بہشت اور دوزخ والے دوزخ میں چل دیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو۔پھر ایسے لوگ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے وہ (جل کر) کالے سیاہ ہوگئے ہوں گے پھر برسات کی نہر یا زندگی نہر میں ڈالے جائیں گے۔امام مالک کو ان الفاظ کے متعلق شک ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح (نئے سرے سے) اگ آئیں گے جیسے دانہ ندی کے کنارے (یعنی بیچ نمی میں) اگ آتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کیسے زرد زرد لپٹی ہوئی کونپل نکلتی ہے ①۔اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمادی کہ ان کو عذاب کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور یہ عذاب صرف نافرمانی کی بنا پر ہوگا حالانکہ ان کو کلی طور پر دین سے خارج نہیں کیا گیا کیونکہ اس کے بعد انکو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

سابقہ احادیث اور اسی مفہوم کی دیگر روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان میں اطاعت ومعصیت ،اسلام وجاہلیت کا اکٹھا ہونا جائز ہے۔اگرچہ یہ نافرمانی وجاہلیت کفریہ نہ ہو اس کو خارج از اسلام نہیں قرار دیا جاسکتا اس کی مزید وضاحت آئے گی۔انشاءاللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا!خواہش پرست خوارج ،معتزلہ،جہمیہ ،مرجئہ ،کرامیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ انسان میں ایمان ونفاق مجتمع نہیں ہوسکتا۔ان میں سے بعض تو اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ابوالحسن اشعری نے اپنی بعض کتابوں میں اس پر اجماع کا ذکر کیا ہے۔یہاں سے ہی یہ غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔حالانکہ انہوں نے اس مسئلہ میں قرآن وحدیث آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور صریح معقولات کی مخالفت کی ہے۔بلکہ خوارج اور معتزلہ نے تو اس فاسد بناء کو پھینک دیا اور کہا ہے کہ فرد واحد میں ایسی نیکی جو قابل جزاء ہو اور ایسی بدی جو باعث عذاب ہو جمع نہیں ہوسکتی کہ یہ آدمی ایک لحاظ

① :صحیح بخاری ،باب تفاضل اہل الایمان الاعمال ،ومسلم واحمد وابن خزیمہ وابن حبان ،البیہقی ،وابن مندہ فی الایمان بالفاظ متقاربۃ من حدیث ابی سعید خدری وجابر وانس رضی اللہ عنہم۔

سے قابل تعریف اور دوسری جہت کے اعتبار سے قابل مذمت ہے ان کے نزدیک وہ جنت وجہنم دونوں جگہ پر نہیں جاسکتا بلکہ اگر ان میں سے کوئی ایک میں داخل ہوگیا وہ دوسری جگہ نہیں جاسکتا اسی لئے انہوں نے جہنم سے نکالے جانے والی اور اہل جہنم کے بارے میں شفاعت والی حدیث کا انکار کیا ہے اس حقیت میں غالی مرجئہ بھی ان کے ہمنواء ہیں لیکن ان کے مدمقابل کا کہنا ہے کبیرہ گناہ کے مرتکب بھی جنت میں جائیں نہ کہ جہنم میں اہلسنت والجماعۃ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین رحمہم اللہ اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں کے بقول بعض لوگوں کو اللہ آگ کا عذاب دینے کے بعد جنت میں داخل کردے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کیونکہ ان لوگوں کی ایسی خطائیں ہونگی جن کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا اور ان کی ایسی نیکیاں بھی ہوں گی جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔اور اپنی نافرمانیوں کے باعث جہنم کے مستحق ہوں گے اور اطاعت کے سبب جنت کے مستحق ہونگے۔یہ اب (اہل سنت وغیرہ)ان کے بارے میں حکم لگانے پر متفق ہیں لیکن صرف ان کے نام کے بارے میں مختلف ہیں یہاں تک ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا،اس اصول پر بعض لوگوں میں کفر کے ساتھ کچھ ایمان بھی ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سارے گناہوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کفر ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے مرتکبین میں رائی کے دانے سے زیادہ ایمان ہوتا ہے۔اس لئے وہ (مرتکب گناہ) ہمیشہ کا جہنمی نہیں ہوسکتا ۔جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے ①۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد حالت کفر میں نہ لوٹ جانا کہ تمہارا بعض بعض کی گردن مارنے لگ جائے یعنی تم آپس میں قتال کرنے لگو②۔اور صحیح بخاری میں یہ مشہور حدیث کئی اسناد سے مروی ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

①:اس حدیث کو امام بخاری،مسلم،احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابن حبان،البزار،ابن ابی شیبہ،الطبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے امام ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں (قتال المسلم اخاہ کفر) مسلمان کا اپنے بھائی سے لڑنا کفر ہے اسکو گالی دینا فسق ہے اس مسئلہ میں سعد رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں سے روایات مروی ہے۔

②:اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ،مسلم،احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ نے جریر بن عبداللہ سے اور امام بخاری ونسائی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور بخاری ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام بخاری،احمد،ابوداؤد،نسائی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

نے حجۃ الوداع کہ موقع پر لوگوں میں اس کی منادی کرنے کا حکم دیا①۔

آپ ﷺ نے ناحق قتل کرنے والے کو کافر اور اس فعل (قتل) کو کفر قرار دیا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا''وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا......اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ''اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یقیناً مسلمان بھائی بھائی ہیں (الحجرات ۹، ۱۰)۔

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ یہ آپس میں لڑنے والے لوگ بالکل اسلام سے خارج نہیں۔ بلکہ ان میں ایک کفریہ خصلت ہے۔جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا! ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہوتا ہے اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان کہ جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا ان دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ لوٹ آیا (یعنی ایک پر فتویٰ کفر لاگو ہوگیا) نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس کو اس کا بھائی کہا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں میں سے ایک اس کا مستحق بن گیا۔جبکہ اگر ان میں ایک مکمل طور پر دین سے عاری ہوجاتا تو وہ اس کا بھائی نہ ہوتا بلکہ وہ کافر ہوتا②۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا! (اس مختصر بحث کا خلاصہ یہ ہے) کہ انسان میں کچھ ایمان اور کچھ نفاق ہو تو وہ مسلمان ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کا مخرج اسلام سے کم درجہ کا ہے۔جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا ایک کفر دوسرے کفر سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔اور یہی تمام

①: مسلمان کے قتل کے مسئلہ کو مطلق طور پر غیر کفر قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ (مسئلہ) کچھ تفصیل طلب ہے جو کوئی مسلمان کو اس کے دین کے سبب قتل کرتا ہے وہ حقیقی کافروں سے بدتر ہے بخلاف اس کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی دنیاوی معاملہ یا دشمنی کی بناء پر قتل کرتا ہے تو یہ شخص (قاتل) اہلسنت والجماعت کے نزدیک کافر نہیں ہے اسی لئے جب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو کسی مسلمان کو اس کے دین کی وجہ سے قتل کرتا ہے انہوں نے فرمایا اگر وہ دین اسلام کی وجہ سے اس سے اسی طرح لڑائی کرتا ہے جس طرح عیسائی مسلمان سے پھر تو یہ آدمی کافر سے بھی بدتر ہے اور یہ محارب کافر ان کافروں جیسا ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لڑنے والے تھے اور یہ ان کی طرح ہمیشہ کا دوزخی ہے اور اگر اس نے اس کو کسی حرام سبب دشمنی، مال یا جھگڑا کی بناء پر قتل کیا تو یہ کبیرہ گناہ ہے فقط اس کام (قتل) کی وجہ سے اہلسنت کے نزدیک اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا ایسے امور پر کفر کا حکم لگانا خوارج کا شیوہ ہے۔اس کا مزید بیان اسی کتاب کے باب دوستی اور دشمنی کے مسئلہ میں اہل علم کے کلام کے ضمن میں آئے گا۔ انشاء اللہ

②: مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۳۵۳، ۳۵۶۔

سلف صالحین کا مذہب ہے۔ چور شرابی، وغیرہ جن کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا یہ مومن نہیں ہیں ان کے بارے میں امام احمد کا بھی یہی (سلف والا) موقف ہے①۔

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے فرمایا کامل ولایت تو مومنین متقین کے لئے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا!'' اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ '' یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لیے دنیاوی زندگی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے (یونس ٦٢-٦٣)۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا مومن میں ایک لحاظ سے ولایت اور دوسرے لحاظ سے عداوت جمع ہو جاتی ہے جس طرح اس میں کفر و ایمان اور نیکی و برائی اور ایمان و نفاق جمع ہو جاتا ہے۔ اور انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا!'' قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا '' آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہوگئے: الحجرات ١٤) صحیح یہی ہے کہ یہ منافقین نہیں تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار باتیں جس میں ہوں گی وہ تو پکا منافق ہوگا۔ اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ اور چار باتیں یہ ہیں جب اس کے پاس امانت رکھیں تو وہ خیانت کرے اور بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے دغا دے اور جب جھگڑے تو ناحق کی طرف چلے اور ایک حدیث میں ہے جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے جب اس کے پاس امانت رکھیں تو خیانت کرے۔ ایمان کی شاخوں والی حدیث اور نبی ﷺ کا فرمان کہ جس آدمی کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ ان (احادیث) سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ہلکے سے ہلکا بھی ایمان ہوگا وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا۔ جس آدمی میں بہت زیادہ نفاق ہوگا اس کو اس کے نفاق کے بقدر عذاب کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے

①: مجموع الفتاوی ج ٧/ ٣٥٠۔

گا①۔اطاعات (نیکیاں) ایمان کے اجزاء ہیں اور معاصی (گناہ) کفر کے اجزاء ہیں بہر حال اجزاء کفر کی چوٹی انکار ہے اور اجزاء ایمان کی چوٹی تصدیق ہے②۔

نوٹ:- امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن ابی العز رحمہ اللہ کے کلام میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آدمی میں ایمان و کفر جمع ہو سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے وہ نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی دین اسلام سے نکل جاتا ہے ۔جبکہ بعض ناقص العقل لوگوں نے اس کلام کو کفرا کبر پر محمول کر لیا اور یہ گمان کر لیا کہ آدمی جب مومن ہو تو وہ کفرا کبر کے ارتکاب کے باوجود بھی کافر نہیں ہوتا اس میں ایمان کا پایا جانا اس کو کافر کہنے سے مانع ہے حالانکہ یہ واضح خطاء اور صریح گمراہی ہے ۔اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ جس آدمی میں کچھ بھی ایمان ہے اس کو کبھی بھی کافر نہیں قرار دیا جا سکتا خواہ یہ جیسے بھی کفریہ اقوال وافعال کا مرتکب کیوں نہ ہو ۔حالانکہ غالی مرجئہ کا بھی یہ موقف نہیں بلکہ وہ بھی ایسے اقوال وافعال کے مرتکب پر کفر کا حکم لگاتے ہیں بشرطیکہ اس کے دل سے تصدیق ختم ہو جائے ۔اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے سابقہ کلام میں دین سے نکال دینے والے کفر اور اس سے کم درجہ کے دوسرے کفر میں قید لگائی ہے ۔اور یہ کفرا کبر ہی کی علامت ہے کہ جو اسلام کو ضائع کر دیتا ہے ۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا '' وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ '' یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں علیہم السلام) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلا شبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا (الزمر ٦٥)۔صرف کفر اور شرک ہی ایسے امور ہیں جو مکمل طور پر عمل کو ضائع کر دیتے ہیں ۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا '' وَ لَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ '' اور اگر فرضاً یہ

①: شیخ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ کی کلام نفاق اکبر پر محمول نہ ہو گی کیونکہ شیخ کا یہ کہنا اسکو اس کی برائی (نفاق) کے بقدر عذاب کے بعد آگ سے نکال لیا جائے گا ۔اس بات کی واضح دلیل ہے (کہ نفاق اکبر پر محمول نہیں) اور یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین پر مستقل جہنمی ہونے کا حکم لگایا ان کو اس (آگ) سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ وہ جہنم کے سب سے نیچے والے گھڑے میں ہوں گے اور آپ ان کے لئے کوئی مدد نہ پائیں گے ۔جس طرح کہ دیگر آیات قرآن میں بیان ہوا ہے اس لئے اس بات کو نفاق اکبر (جو کہ مخرج من الدین) سے اس پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ۔②: شرح العقیدہ الطحاویہ/ ۳۵۸،۳۵۹۔

حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے (الانعام ۸۸)۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ''منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں (المائدہ ۵)۔اور اسی طرح وہ آیات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مکلّف (انسان) کب کفر یا شرک کو اختیار کرے گا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہ دین سے خارج ہو جائے گا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں کے اعمال جو ظاہری طور پر صحیح لیکن حقیقت میں معتبر نہیں ہوں گے ان کو پراگندہ ذروں کی طرح کر دے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ''اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا (الفرقان ۲۳)۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ'' ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔جو بھی انہوں نے کیا اس میں کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے (ابراهیم:۱۸)۔

انکے کفر کے ارتکاب کے سبب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع کر دے گا اور ان میں سے کسی (عمل) کو بھی شرف قبولیت سے نہ نوازے گا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی پہلے مذکورہ کلام میں کفر اصغر ہی مراد ہے نہ کہ کفر اکبر کیونکہ کفر اکبر تو آدمی کو ہمیشہ کا جہنمی بنا کر اس کے تمام اعمال ضائع کر دیتا ہے۔اس طرح علماء کی کلام کو غیر محل یا غلط جگہ جو اس کے مناسب نہ ہو پر محمول کرنا صحیح نہیں۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

پانچواں مسئلہ: اہل کبائر (مرتکبین کبیرہ گناہ) کے متعلق حکم

سلف صالحین اہلسنت والجماعت نے اپنے عقائد میں یہ بیان کیا ہے کہ اہل قبلہ میں سے اگر کوئی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو اس کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ (اسی حالت میں) بغیر توبہ کیے مر جائے۔ اس مسئلہ میں وہ خوارج اور معتزلہ کے مخالف ہیں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں①۔

اور اس پر ابدی جہنمی ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ (خوارج و معتزلہ) اس (مرتکب کبیرہ) کے نام کے

---

①: کبائر (کبیرہ گناہوں) کے بارے میں اہل علم کا اختلاف کئی اقوال پر مشتمل ہے کہا گیا ہے کہ وہ سات ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ سترہ ہیں۔ اور کہا گیا کہ جس کی حرمت پر تمام شریعتیں متفق ہوں وہ کبائر ہیں۔ اور کہا گیا کہ جو اللہ کی معرفت کے دروازے کو مسدود کر دے اور کہا گیا کہ جان و مال کی ہلاکت (والے کو کبیرہ کہتے ہیں)۔ اور کہا گیا ہے ان کا نام کبیرہ ان کے مدمقابل کی طرف نسبت و اضافت کے اعتبار سے رکھا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کی حقیقت معلوم نہیں لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ ستر (۷۰) کے قریب ہیں۔ اور کہا گیا کہ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ کبیرہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جس گناہ پر کوئی حد یا جہنم، لعنت یا غضب کی وعید بیان کی گئی ہے وہ کبیرہ ہے ان تمام اقوال میں سے یہ بہترین قول ہے۔ (صغائر) صغیرہ گناہ کے بارے میں بھی سلف کی عبارتیں مختلف ہیں بعض کے نزدیک صغیرہ وہ ہے جس پر دنیا و آخرت کی کوئی حد نہ ہو اور بعض کے بقول ہر وہ گناہ جس پر لعنت، غضب یا جہنم کی وعید بیان نہ ہوئی ہو (وہ صغیرہ ہے) اور بعض کے بقول صغیرہ وہ ہے جس پر کوئی دنیاوی حد اور اخروی وعید نہ ہو اور وعید سے مراد خاص جہنم، لعنت اور غضب ہی ہے خاص اخروی وعید دنیا کی مخصوص مقررہ سزا کی طرح ہے دنیا میں تعزیر آخرت کی اس وعید کی مانند ہے جس میں لعنت، غضب اور جہنم سے مبرا ہو کبیرہ گناہ کی تعریف میں بیان ہونیوالا یہ قانون ایسے بہت سے اعتراضات سے محفوظ و مامون ہے جو اس کے علاوہ (قوانین) پر ہوتے ہیں کیونکہ اس میں وہ تمام گناہ شامل ہو جاتے ہیں جن کا کبیرہ ہونا نص سے ثابت ہے جیسے شرک، قتل، زنا، جادو، پاکدامن پر تہمت، میدان جنگ سے فرار، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، والدین کی نافرمانی، جھوٹی قسم، جھوٹی گواہی، اسی کی طرح کی دیگر اشیاء اور یہ قول کئی اعتبار سے راجح ہے۔

۱۔ یہ سلف صالحین ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عیینہ رحمہ اللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے رک جاؤ گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور تم کو عزت والی جگہ میں داخل کریں گے جو شخص رب کی جہنم، لعنت یا غضب والی وعید کا مصداق ہے وہ اس عمدہ وعدے کا مستحق نہیں ہو سکتا اسی طرح جو آدمی حد کا مستحق ہے اسکی غلطیاں بھی کبائر سے عدم اجتناب کی وجہ سے معاف نہیں (لہٰذا وہ بھی اس عزت والی جگہ کا مستحق نہیں)

۳۔ اس قانون کا مرجع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ گناہ ہیں اس طرح یہ شارح کے خطاب سے ماخوذ حد ہے۔

۴۔ دیگر اقوال کی بنسبت اس قانون سے صغیرہ اور کبیرہ کا فرق کرنا ممکن ہے جنہوں نے کہا کہ وہ (کبیرہ گناہ) سات یا سترہ کے قریب ہیں یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جس نے کہا کہ جسکی حرمت پر تمام شریعتیں متفق ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ شراب پینا، میدان جنگ سے بھاگنا، بعض محرمات سے نکاح اور رضاعت اور نشہ کے سبب سے حرام ہونے والی اشیاء کبیرہ گناہ نہیں اور یتیم کے مال کی چوری اور منفرد و مخفی جھوٹ وغیرہ کبائر میں شامل نہیں اور یہ بھی باطل ہے۔ اور جس نے کہا کہ جو چیز اللہ کی معرفت کے دروازے بند کر دے یا اموال و ابدان کو ہلاک کر دے (وہ کبیرہ ہے) اس کا تقاضا یہ ہے کہ شراب پینا خنزیر و مردار اور خون وغیرہ کا کھانا اور پاکدامنہ مؤمنہ عورت پر بہتان لگانا کبیرہ گناہوں میں شامل نہیں۔ اور جو کہتے ہیں کبائر کو ان کے مدمقابل جو چھوٹے گناہ ہیں ان کی بنسبت کبیرہ کہا ہے یا ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا (وہ کبیرہ ہے) یہ (قول) اس بات کا متقاضی ہے کہ خود بذاتہ صغیرہ کبیرہ میں منقسم نہیں حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ ان نصوص کے خلاف ہے جو گناہوں کے صغیرہ و کبیرہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جو کہتے ہیں ان کی حقیقت معلوم نہیں اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اس (کی حقیقت) کو نہیں جانتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے علاوہ بھی اس کو کوئی نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔ (دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ ج۱/ ۴۱۸-۴۱۹)

بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، خوارج تو اس کو کافر کہتے ہیں، جبکہ معتزلہ اس کو فاسق کہتے ہیں اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے مذہب کے صحیح ہونے کے بیشمار دلائل ہیں۔ جو کتاب وسنت سے معلوم ہیں جو کچھ پہلے بیان ہو چکے ہیں اور اگر طوالت کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم یہاں پر ذکر کر دیتے۔ لہٰذا اب میں صرف ائمہ اہلسنت وسلف کے اقوال بیان کرتا ہوں۔

① امام لالکائی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں ان کا قول نقل ذکر کیا ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو بھی مواحد فوت ہو جائے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے لئے بخشش کی دعا بھی کی جائے گی اس کے کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کی بناء پر اس کی نماز جنازہ ترک نہیں کی جائے گی اور باقی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

② امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کے عقیدے کے بارے میں ان کی ہمعصر جماعت سلف نے ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جس آدمی نے ایسے گناہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی جو جہنم کو واجب کرنے والا تھا مگر بعد میں وہ (بندہ) اس سے تائب ہو گیا تھا اور وہ اس پر مصر بھی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس پر اس گناہ کی حد نافذ ہو چکی تھی تو یہ اسکا کفارہ ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے①۔

جس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ موجب عقوبت گناہ پر مصر اور غیر تائب تھا اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے چاہے تو اس کو معاف کر دے چاہے تو اس کو عذاب سے اور جو شرک کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس کو عذاب ہوگا اور اس کے لیے معافی نہ ہوگی۔

---

①: یہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چیز پر میری بیعت کرلو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کرو گے اور نہ اپنے پاس سے وضع کردہ بہتان کسی پر تھوپو گے اور کسی نیکی کے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے تم میں سے جس نے تو عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جس نے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرلیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔ اور جس نے کوئی ایسا (ممنوع) کام کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمادی تو اللہ تعالیٰ چاہے اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے ہم نے ان امور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ (یہ حدیث بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

③ اسی طرح ابوثور ابراہیم بن خالد الکلبی رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں ایک سائل کے سوال میں جواب مذکور ہے پوچھا گیا کہ کیا اہل توحید میں سے کوئی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمارے بقول موا حد مستقل دوزخی نہیں۔

④ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں ان کے مشائخ سے جن سے وہ روایت بیان کرتے تھے مروی ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ''اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے (النساء:٤٨)۔

⑤ ابوزرعہ عبداللہ بن عبدالکریم رازی رحمہ اللہ اور ابوحاتم محمد بن ادریس بن منذر رازی رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں ان سے ناقلین جماعت سلف سے منقول ہے کہ کبائر کے مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشئیت میں ہیں۔ یہ اہل قبلہ کو ان کے گناہوں کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

⑥ سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں مذکور ہے ان سے سوال کیا گیا کب آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہلسنت والجماعت کے ساتھ ہے؟ انہوں نے کچھ چیزیں بیان کیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ اہل قبلہ میں سے گناہ کے سبب مرنے والے کی نماز جنازہ ترک نہیں کی جائے گی۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی ج۱/۱۵۱-۱۸۶)

امت کے اسلاف صالحین اور ائمہ مہدیین کے گروہ کا عقیدہ ایک ہی ہے جس سے یہ بات عیاں ہے کہ اہل قبلہ کے کسی گناہ کی وجہ سے ان کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا①۔

①: اس مسئلہ میں علماء سلف کے کلام میں گناہ سے مراد وہ کبائر و، معاصی ہیں جن کے فاعل کے بارے میں شرعی وضاحت ہے کہ وہ کافر نہیں، بلکہ وہ موحدین اور اہل شفاعت میں سے ہیں۔ اس پر اجماع ہے کہ شہادتین کا تارک اس میں داخل نہیں ہو سکتے اسلام کے باقی ارکان خمسہ کے تارک کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے تمام سلف صالحین تو اس بات پر متفق ہیں کہ قدرت رکھنے کے باوجود شہادتین کا اقرار نہ کرنے والا کافر ہے جب تک ⇐

اور عقیدہ توحید پر مرنے والا اگر کوئی جہنم میں چلا بھی گیا تو وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔لہٰذا اس بحث سے ان لوگوں کی گمراہی اور ان کے مذہب کا باطل ہونا واضح ہو گیا جو اہل قبلہ میں سے کبائر کے مرتکبین کو کافر قرار دیتے ہیں۔ان کا یہ قول وعقیدہ امت سلف کے عقیدے کے برعکس ہے اور یہ نظریہ خوارج ،معتزلہ اور ان کے ہمنواؤں کا ہے۔(اس مسئلہ میں) کچھ اور لوگ بھی گمراہ ہوئے ہیں انہوں نے سلف صالحین کے اقوال کے خلاف حقیقت تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اسلاف کے اقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اہل قبلہ جیسے بھی کفریہ یا غیر کفریہ اعمال کا ارتکاب کریں ان کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔اس موقف پر انہوں نے سلف کے مطلق اقوال سے دلیل لی ہے۔حالانکہ سلف کے اپنے اقوال ہی یہ واضح کررہے ہیں کہ ان کا مقصد خوارج کا رد ہے جو مسلمان کو گناہ کی وجہ سے کافر قرار دیدیتے ہیں۔ان کا یہ مقصد نہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کبھی کافر نہیں کہا جاسکتا خواہ وہ کفریہ اعمال کو ہی اختیار کیے ہو۔علماء سلف کے اقوال میں گناہ سے مراد عام گناہ ہے کہ جس میں کفر وشرک نہ ہو بلکہ گناہ سے ان کی مراد غیر کفریہ گناہ ہیں اور اس عبارت میں کفر اور شرک داخل نہیں کیونکہ اس (کفر وشرک) کا حامل گناہ

⇦ وہ اس کا اقرار نہیں کرتا اس کا کوئی عمل بھی صحیح نہیں کیونکہ دلائل کا تقاضا یہی ہے باقی مبانی اسلام کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی شہادتین کا اقرار نہیں کرتا وہ کافر ہے باقی چار اعمال کے تارکین کی تکفیر کے بارے میں اختلاف ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زنا،شراب نوشی وغیرہ جیسے گناہوں کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاسکتا۔بلکہ ارکان اسلام اور ان کے چھوڑنے والے کی تکفیر میں اختلاف معروف ہے امام احمد سے بھی اس بارے میں نزاع مروی ہے ان روایات میں ایک روایت یہ ہے کہ ان (ارکان) میں سے کسی ایک کے تارک کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا اسی کو ابوبکر اور امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ابن حبیب وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دسری روایت مروی ہے کہ صرف نماز وزکوۃ کے تارک کو کافر قرار دیا جائے گا۔اور تیسری روایت یہ ہے کہ تارک نماز وزکوۃ پر اس وقت کفر کا حکم لگائیں گے جب امام وقت اس سے اس کے انکار کی وجہ سے لڑائی کرے۔اور چوتھی روایت یہ مروی ہے کہ صرف تارک کو کافر قرار دیا جائے گا اور پانچویں روایت ان میں سے کسی چیز کے تارک کو کافر نہیں کہا جائے گا۔علمائے سلف کے یہ معروف اقوال ہیں۔حکم بن عتیبہ نے فرمایا جس نے قصداً نماز،زکوۃ،حج یا روزہ ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا زکوۃ کے بغیر نماز بھی معتبر نہیں۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے نماز ادا کی لیکن زکوۃ ادا نہ کی اس کی کوئی نماز نہیں ان روایات کو اسد بن موسیٰ نے بیان کیا ہے۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے شام کو شراب پی وہ صبح کو مشرک ہوجاتا ہے۔اور جس نے صبح کے وقت شراب کی وہ شام کو مشرک ہوجاتا ہے ابراہیم نخعی کو کہا گیا وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لئے کہ وہ نماز چھوڑ دیتا ہے ابوعبداللہ اخنس نے اپنی کتاب میں فرمایا جس نے نشہ آور شراب پی اس نے اپنے آپ کو نماز چھوڑنے کے لئے تیار کرلیا اور جس نے نماز چھوڑی وہ ایمان سے نکل گیا۔مجموع الفتاوی ج ۷/ ۳۰۲-۳۰۳۔ہم اس مسئلہ میں علماء سلف اور اہل علم کے اقوال بیان کریں گے تاکہ ان کا مقصد واضح طور پر سامنے آجائے۔انشاءاللہ

گا راس حالت میں مسلمانوں کی مشیت الٰہی میں داخل نہیں۔امام خلال رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ ان کے پاس ایک آدمی نے سوال کیا اے ابوعبداللہ (امام احمد کی کنیت) کیا تقدیر کے اچھا اور برا ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے؟امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جی ہاں اس نے کہا کیا ہم کسی کو بھی کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہہ سکتے ؟امام احمد نے فرمایا خاموش ہو جا جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا اور جس نے کہا قرآن مجید مخلوق ہے وہ کافر ہے ۔(المسند للامام احمد بتحقیق احمد شاکر:ج۱/ ۷۹)

امام احمد رحمہ اللہ جو کبار ائمہ دین میں سے ایک ہیں یہ ان کا کلام ہے جو اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ اس عبارت سے مراد مخصوص گناہ ہیں نہ کہ مطلقاً تمام گناہ مراد ہیں اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے مطلق کا اعتبار کرنے والے کا انکار کیا ہے ۔اب اسی مسئلہ میں علماء کے مزید اقوال ملاحظہ فرمائیں ۔امام اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کسی گناہ مثلاً زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ کے ارتکاب کی بناء پر کافر نہیں کہتے ،جیسا کہ خوارج نے اس روش کو اپناتے ہوئے ان کو کافر قرار دیدیا اور اس کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ یہ کبائر زنا، چوری، شراب نوشی یا اس جیسے دیگر گناہوں کو جو آدمی حرام سمجھنے کی بجائے اس حلال وجائز سمجھتے ہوئے ان کو اختیار کرتا ہے ہم اس کو کافر کہتے ہیں ۔(الابانۃ فی اصول الدیانۃ للاشعری / ۵۷، مقالات اسلامیین واختلاف المصلین ج۱/ ۳۴۷)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ جو آدمی بھی خوارج ومرجیئہ کے مفہوم ایمان کے نظریہ پر غور کرے گا وہ بدیہی طور پر جان لے گا کہ ان کا یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تتمہ ایمان ہے ۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر مسلم یہ جانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی ،زانی ،چور،اور بہتان لگانے والوں کو مرتد قرار نہیں دیا کہ ان کو قتل کرنا ضروری ہو۔ بلکہ قرآن مجید اور متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کی وہ سزائیں نہیں جو مرتدین کے لئے ہیں ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قذف زنا اور چور کا ہاتھ

کاٹنے کی سزا بیان کی ہے اور نبی ﷺ سے بھی یہ (سزائیں) تواتر سے ثابت ہیں جبکہ اگر یہ لوگ مرتد ہوتے تو ان کو قتل کیا جاتا۔ (مجموع الفتاوی: ج ۷/ ۲۸۷، ۲۸۸)

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ خوارج و معتزلہ کا وہ موقف بھی پہنچانا ضروری ہے کہ جس پر اہلسنت والجماعت میں سے کسی نے بھی ان کی موافقت نہیں کی۔ وہ بات یہ ہے کہ اہل کبائر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ حالانکہ معروف مبتدعین کا قول یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ دین رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس انسان میں رائی کے دانہ کے بقدر بھی ایمان ہے وہ ہمیشہ کا دوزخی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ نبی ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دیں گے آپ ﷺ ان کی سفارش کریں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ میں محمد ﷺ نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کے لئے چھپا لی ہے۔ (مجموع الفتاوی ج ۷/ ۲۲۲۔ بخاری مسلم، ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً انہی الفاظ سے یہ حدیث مروی ہے)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمام اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ جن گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا ان سے مراد زنا، شراب نوشی وغیرہ ہیں۔ (مجموع الفتاوی: ج ۷/ ۳۰۲)

ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ اپنی کتاب عقیدہ طحاویہ میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: کہ ہم اس وقت تک اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے جب تک وہ اس (گناہ) کو حلال نہ سمجھے اسی لیے بہت سے ائمہ دین اس بات کے اطلاق سے کہ ہم کسی کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے رک گئے ہیں۔ جیسا کہ خوارج کا وطیرہ ہے (کہ وہ ہر گناہ کے سبب کافر قرار دیتے ہیں) اور نفی عام اور نفی عموم میں فرق ہے۔ عموم کی نفی ضروری ہے۔ (شرح عقیدہ طحاویہ: ۳۱۷)

بعض لوگوں کو امام طحاوی کی عقیدہ طحاویہ میں مذکور عبارت کہ ہم اہل قبلہ میں کسی کو اس وقت تک کافر نہیں کہہ سکتے جب تک وہ اس کو حلال نہ سمجھیں، سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ انہوں نے گمان کرلیا کہ وہ

(طحاوی) مطلقاً اہل قبلہ کی تکفیر کے قائل نہیں خواہ گناہ کیسا بھی ہو۔جبکہ امام ابن ابی العز رحمہ اللہ کا کلام ان کی خطا اور کم فہمی واضح کر رہا ہے۔اور ابن ابی العز رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا تمام اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو ایسا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا جو دین سے خارج ہو۔جیسا کہ خوارج کا کہنا ہے، کیونکہ اگر اس کو دین سے خارج اور کافر قرار دیں تو یہ مرتد ہونے کے سبب ہر حال میں واجب القتل ہے۔پھر نہ والی مقتول کی معافی قبول ہوگی اور نہ ہی زنا، چوری اور شراب نوشی پر حد لگے گی۔حالانکہ اس قول کا فساد و بطلان دین اسلام سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔وہ (مرتکب کبیرہ) نہ کافر ہوا ہے نہ ہی وہ کافروں کے ساتھ ہمیشہ کا دوزخی ہوگا۔جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے (کہ وہ ہمیشہ کا دوزخی ہوگا) ان کا یہ موقف باطل ہے۔کیونکہ مرتکب کبیرہ کو ایمان والوں میں شمار کیا گیا ہے۔شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے (بہت سے) دلائل ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض پہلے ذکر کیے جاچکے ہیں۔(شرح عقیدہ الطحاویہ:۳۲۱)

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے ایک مخالف کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں تیسرا مسئلہ: یہ آپ لوگوں کا سب سے بڑا دھوکہ ہے جس کے ساتھ آپ لوگ عوام کو دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ کسی بھی گناہ کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر جائز نہیں۔حالانکہ یہ وہ (گناہ) نہیں جن کے بارے میں ہمارا نزاع ہے۔بلکہ ہماری بات ان سے بالکل مختلف ہے کہ خوارج ہر زانی، چور اور قاتل بلکہ کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔اور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کو صرف شرک کی وجہ سے ہی کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔اور ہم طاغوتوں اور ان کے ہمنواؤں کو صرف شرک کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں۔اور آپ لوگوں میں سب سے بڑا جاہل تو وہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے اور مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہے اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔یہاں تک کہ شیخ نے فرمایا مانعین زکوۃ سے قتال کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جب انہوں نے (مانعین زکوۃ) نے توبہ کا ارادہ کیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس وقت تک تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے جب تک تم یہ گواہی نہ دو

کہ تمہارے مقتول جہنمی اور ہمارے شہداء جنتی ہیں۔ تیرا کیا خیال ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو تو سمجھ نہ آئی اور تو اور تیرا باپ (اس بات کو) سمجھ گئے؟ اگر تیرا یہی عقیدہ ہے تو تو قابل افسوس بدترین جاہل آدمی ہے۔ (الرسائل الشخصیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ط: جامعۃ الامام محمد بن سعود/۲۳۳، ۲۳۴)

آل شیخ میں سے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بڑی وضاحت کے ساتھ ملا داؤد بن جرجیس عراقی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا یہ کہنا کہ شیخ الاسلام امام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے پس کہا جائے گا اگر اس کو علم ہوتا کہ اس جگہ اہل قبلہ سے کون مراد ہیں؟ وراس عبارت سے کیا مراد ہے؟ تو وہ اس عبارت کو نداء لغیر اللہ اور اس کے فاعل کی عدم تکفیر پر بطور دلیل پیش نہ کرتا۔ جو بھی اہل علم کے کلام سے اعراض کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے وہ اہل قبلہ میں سے ہے خواہ وہ مشرک اور دین اسلام کے ظاہری اعمال کا تارک ہی ہو۔ اس نے یہ بات کہہ کر اپنی جہالت وگمراہی کا اظہار کیا ہے اور اپنے مبلغ علم اور دین کی حقیقت کو کھولا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایک قائل کے قول کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: ہم اہل ذنوب (گناہگاروں) کو کافر قرار نہیں دیتے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب پر ہوں اس بات کے قائل کا مقصد ان خارجیوں کے مذہب سے اظہار برأت ہے جو فقط گناہ کی وجہ سے کافر کہہ دیتے ہیں۔ اس نے ان کی کلام کو غیر محل میں استعمال کر کے اپنی تروتازگی (عمدگی) کو زائل کر لیا ہے کیونکہ اس نے مشرکین اور صالحین کی دعا کے بارے میں جو تاویل کا سہارا لیا ہے۔ اسی لئے اس کا معاملہ خلط ملط ہو گیا اور وہ سلف صالحین کی مراد کو نہ جان سکا۔ یہ فاسد فہم وعقل حقیقت میں کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل علم کے اجماع کی وجہ سے مردود ہے۔ ہر مسلک کے کبار فقہاء نے اس مسئلہ پر مستقل باب قائم کیا ہے اور اہل قبلہ کے مرتدین کا حکم بیان کیا ہے اور بہت ساری اشیاء کا کفریہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جبکہ وہ (عبارتیں) ہماری تنازعہ بحث سے متعلقہ نہیں۔ اور انہوں نے صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ کفر وشرک سے بچاؤ صرف دعویٰ نمازوں کی ادائیگی کیساتھ

ساتھ مخالفت رسول ﷺ پر اصرار سے نہیں بلکہ دین اسلام کے ارکان کے التزام سے ہے۔

اس بات کو تو ادنیٰ طالب بھی جانتے ہیں اور حنبلی مذہب کی چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی یہ چیزیں مذکور ہیں لیکن اس (ملا داؤد) کو اس بات کا علم نہ ہوسکا جس کو مدارس اور لائبریریوں کے بچے بھی جانتے ہیں ۔اور یہ محض کھوکھلا اس کا ایک دعویٰ ہے (جس کی کوئی دلیل نہیں)اور اس کی لاچاری واضح ہے۔(الدرر السنیہ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج۹ کتاب الردہ ۲۹۰، ۲۹۱)

اور شیخ حافظ حکمی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ جن گناہوں کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان کی وجہ سے ہم کسی کو کافر نہیں کہتے ۔ان (گناہوں) سے مراد شرک کے علاوہ کبیرہ گناہ ہیں ان سے نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ ہی یہ قلبی و عملی اعتقاد کے منافی ہیں لیکن ہم ان (کبائر) کے فاعل کو فاسق کہیں گے۔(معارج القبول شرح مسلم الوصول لحافظ بن احمد حکمی ج ۲/ ۴۳۸)

اہل علم و فضل کے دلائل سے مزین یہ اقوال جو ہم نے بیان کئے ہیں بہت واضح شاہد و عادل ہیں۔ کیونکہ خوارج اور ان کے ہمنوا جو مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور وہ لوگ جو اہل قبلہ کو کسی بھی صورت میں کافر کہنے کے قائل نہیں خواہ وہ کفریہ اعمال کے مرتکب ہوں ان دونوں گروہوں کے مذہب باطل ہیں۔

اہل قبلہ کی کلی طور پر عدم تکفیر کا مذہب ہمارے زمانے میں بہت بڑی صورت اختیار کر چکا ہے حتی کہ بعض نے یہ چیز ثابت کرنے کے لئے کہ احکام اسلام بنام ''اسلام میں کوئی کفر نہیں'' کتب تصنیف کی ہیں ۔اس سے ان کا مقصد اسلام کی طرف منسوب لوگ خواہ وہ کیسے بھی کفریہ عقائد و اعمال کے حامل ہوں ان کی عدم تکفیر ہے ۔اس مسلک کے متبعین کا یہ گمان ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں کی عزتیں اور ان کی ذات کے بارے میں بحث سے ان کو بچاتے ہیں ۔اور اس منہج پر وہ اہل علم کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ محدثین اور امت کے سلف صالحین کے منہج کے مخالف ہیں ۔ان کے کچھ اقوال ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ نے داؤد بن جرجیس کی تردید میں بیان کیا ہے۔ کہ جو آدمی بھی اہل علم کے کلام سے

اعراض کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا قراری ہے اس سے خواہ کیسا بھی شرک اور دین اسلام کا ترک ظاہر ہو اہل قبلہ میں سے ہے۔اس نے درحقیقت اپنی جہالت وگمراہی کی منادی کی ہے اور اس بات کے ساتھ اپنے علم و دین کا لباب ظاہر کر دیا ہے۔اس نے ان (سلف صالحین) کے کلام کو غیر محل میں رکھا ہے اور اپنی عمدگی کو زائل کیا ہے کیونکہ اس نے مشرکین اور صالحین کو پکارنے کے بارے میں تاویل کو اختیار کیا ہے اسی وجہ سے اسکا معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے اسی لئے ہم اپنے مسلمان بھائیوں خصوصاً علماء اور طلباء کو علماء کرام اور ائمہ دین کے کلام کے بارے میں کج فہمی اور اس کے بعد اپنی اس کج فہمی کو ان (علماء) کی طرف منسوب کرنے سے ڈراتے ہیں۔یقیناً آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اہل کلام کا کلام پڑھتے ہیں مگر اس کو صحیح سمجھ نہیں پاتے،اور ان کا اصل کلام بھی ان کو یاد نہیں ہوتا۔اور وہ اپنے غلط فہم کو ان علماء کے کلام کے طور پر پیش کریں گے۔حالانکہ اہل علم کے اقوال کے حصول میں یہ سب سے بدترین طریقہ ہے۔اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے اور بچتا وہی ہے جس کو اللہ بچنے کی توفیق عنایت فرمادے۔اور اس کی رہنمائی فرمادے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

گناہوں کی معافی کے اسباب پر ایک نوٹ

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے متعلق ایک اہم بات کو سمجھنا ضروری ہے۔وہ یہ کہ بعض دفعہ کبیرہ گناہ کے ساتھ (انسان میں) شرم وحیاء خوف،اس (کبیرہ گناہ) کو بڑا سمجھنے کی بجائے کچھ ایسے امور واسباب ہوتے ہیں جو اس کو صغیرہ بنا دیتے ہیں اور کبھی صغیرہ گناہ کی صورت میں بے حیائی،اس کو حقیر سمجھنا انسان کا نڈر رہونا وغیرہ کچھ ایسے اسباب مل جاتے ہیں جو اس (صغیرہ گناہ) کو بھی کبیرہ بنا دیتے ہیں۔اس کام کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور یہ اصل فعل گناہ سے ایک زائد چیز ہے۔جس کو انسان اپنے آپ ہی اپنے میں اور غیر اپنے میں پہچان لیتا ہے۔اسی لئے بعض اوقات بڑے بڑے نیک اعمال کے حاملین سے جو درگزر کر لیا جاتا ہے وہ ان کے غیر سے نہیں ہوتا۔

کتاب وسنت میں کئی ایک ایسے اسباب معروف ہیں جن کے سبب برائیوں کے مرتکب انسان سے جہنم کی سزا ساقط ہوجاتی ہے۔

(پہلا سبب توبہ) اللہ تعالیٰ نے کثیر گناہوں کے باوجود جملہ معذبین میں سے توبہ کرنے والوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقام پر ارشاد فرمایا: ''اَلَمْ یَعْلَمُوْآ اَنَّ اللہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ'' کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے اور رحمت کرنے والا کامل ہے ،مزید ارشاد فرمایا: مگر جس نے توبہ کی مگر وہ لوگ جو تائب ہوگئے'' (التوبہ:۱۰۴)۔

اور اس نے فرمایا: ''وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ'' وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کررہے ہو (سب) جانتا ہے (شوریٰ:۲۵)۔

خالص توبہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا گناہ مخصوص نہیں۔ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ توبہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور تائب آدمی قابل مواخذہ نہیں اور صرف توبہ ہی ایک ایسا سبب ہے۔ جس کی بدولت تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللہِ اِنَّ اللہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ'' (میری جانب سے) کہہ دو اے میرے بندو! جنھوں ن اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش اور بڑی رحمت والا ہے (الزمر:۵۳)۔ یہ فرمان اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے توبہ کرلی اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم ناامید نہ ہو اور اس کے بعد فرمایا تم اپنے رب کی طرف انابت اختیار کرو۔''

(دوسرا سبب استغفار) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ

استغفار (بھی) کرتے ہوں''اور نبی ﷺ نے فرمایا! جب بندہ کوئی گناہ کرلیتا ہے تو کہتا ہے اے اللہ میں نے گناہ کرلیا تو معاف کردے اللہ فرماتا ہے میرے بندے کو یقین ہے اس کا ایک رب ہے جو اس کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، اور اس پر اس کا مؤاخذہ کرنے والا ہے میں نے اپنے بندے کو معاف فرمادیا وہ جو چاہے کرے تیسری یا چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ (یہ حدیث صحیح بخاری، مسلم، ابن حبان، بیہقی، حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو ختم کر کے ایسے لوگ لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اس سے استغفار کریں اور وہ (اللہ) ان کو معاف کردے۔ (یہ حدیث صحیح مسلم، ابن حبان ،طبرانی اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

کبھی اکیلا استغفار کیا جاتا ہے اور کبھی ساتھ توبہ کی جاتی ہے آدمی اکیلا استغفار (بھی) کرے تو اس میں توبہ بھی شامل ہوتی ہے جیسے اکیلی توبہ کرے تو اس میں استغفار بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ توبہ استغفار کو متضمن ہے اور استغفار توبہ کو متضمن ہے۔

ان الفاظ کے اطلاق کے وقت ان میں ہر ایک دوسرے کے مسمی میں داخل ہوتا ہے۔ ان دونوں میں ہر ایک جب الگ مستعمل ہوتا ہے تو استغفار کا مفہوم یہ ہے کہ سابقہ برائی سے بچاؤ طلب کرنا اور توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ لوٹنا اور مستقبل میں ہونے والے اعمال کی برائیوں کے شر سے پناہ طلب کرنا۔ ان الفاظ کی تفریق کی مثال لفظ فقیر اور مسکین کی طرح ہے۔

ان دونوں لفظوں میں سے ایک کا بیان دوسرے کو شامل ہوتا ہے لیکن جب دونوں مذکور ہوں تو ان میں سے الگ مفہوم رکھتا ہے۔ اسی طرح (لفظ) اثم وعدوان، بر وتقوٰی، فسوق، عصیان، قریباً یہی مفہوم کفر ونفاق کا ہے کیونکہ کفر کا لفظ عام ہے جب لفظ کفر بولا جاتا ہے تو وہ نفاق کو بھی شامل ہوتا ہے لیکن اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے مذکور ہوں تو ان میں سے ہر ایک اپنا الگ مفہوم رکھتا ہے۔ اور اسی طرح لفظ ایمان واسلام ہے۔

(تیسرا سبب گناہوں کو زائل کرنے والی نیکیاں) ایک نیکی دس گنا اجر رکھتی ہے اور برائیوں کو مٹاتی ہے۔اور ایک برائی کو بوجھ اس کے اپنے بقدر ہے اور وہ نیکیوں کو زائل نہیں کرتی۔اس آدمی کے لئے ہلاکت ہے جس کی نیکیوں پر برائیاں غالب آگئی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان الحسنات یذھبن السیات'' یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں (ھود:۱۱)۔اور نبی ﷺ نے فرمایا! گناہ کے پیچھے نیکی کو لگاؤ وہ اس کو مٹا دے گی ①۔اور نبی ﷺ نے فرمایا! پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک ،اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے ②۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔اور ایسی ہی بات نبی ﷺ نے قیام رمضان کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے ③۔

جس آدمی نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان اور ثواب کی نیت سے کیا اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ④۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق اور فجور سے بچا رہا وہ گناہوں سے اس

---

①: یہ حدیث جامع الترمذی ،مسند احمد ،طبرانی صغیر ،مصنف ابن ابی شیبہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے کہا آپ ﷺ مجھے وصیت فرمائیں نبی ﷺ نے فرمایا تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی کر وہ اس کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آ اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔اور امام احمد ،ترمذی ،بزار بیہقی ،دارمی ،ابو نعیم نے الحلیۃ اور ابن عبدالبر نے التمہید میں اس حدیث کو ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس نے کہا مجھے رسول ﷺ نے فرمایا تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہ کے پیچھے نیکی لگا وہ اس کو ختم کر دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ۔②: اس حدیث کو امام بخاری ،مسلم ،ترمذی ،ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس حدیث پر کئی ابواب قائم کیے ہیں۔بعض نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہیں۔باب الصوم کفارۃ ،باب الصلاۃ کفارہ ،اور کتاب الزکوۃ میں باب الصدقۃ تکفر الخطئیۃ۔③: صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کا قیام ایمان اور ثواب کی نیت سے کیا پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم ،ترمذی ،ابوداؤد ،نسائی ،احمد ،ابن خزیمہ ،بیہقی ،ابن حبان ،دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ،اسی طرح جس آدمی نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ،اسی طرح یہ حدیث مسلم ،نسائی ،مسند احمد ،ابن خزیمہ ،ابن حبان ،بیہقی ،طبرانی ،مسند ابی یعلیٰ میں بھی مروی ہے۔

③: اس حدیث کو بخاری ،مسلم ،ترمذی ،ابوداؤد ،احمد ،نسائی ،ابن خزیمہ ،ابن حبان ،بیہقی ،طبرانی اور ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا①۔

اور رسول ﷺ نے فرمایا آدمی کی اس کے اہل، مال اور اولاد میں آزمائش کی صورت میں اس کی نمازیں، روزہ صدقہ، نیکی کا حکم دینا، برائی سے منع کرنا اس کی طرف سے کفارہ بن جاتا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم، احمد، طبرانی، ابوعوانہ، ابن ابی شیبہ، البزار، سب نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا)

اور نبی ﷺ نے فرمایا جس نے ایک مومنہ گردن کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے اعضاء کو جہنم کی آگ سے آزاد کردے گا۔ (اس حدیث کو امام مسلم، بیہقی، ابوعوانہ، احمد، ابویعلی، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے)

اور رسول ﷺ نے فرمایا صدقہ اس طرح خطاؤں کو مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو مٹا دیتا ہے۔

(چوتھا سبب دنیاوی مصائب) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور احمد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا

---

①: اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی، دارمی، اور ابویعلیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اور امام طبرانی نے طبرانی کبیر میں طارق بن شہاب سے وہ کعب بن عجرہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول ﷺ نے مجھ سے کہا اے کعب بن عجرہ میں اپنے بعد آنے والے امراء سے تجھ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اور جو کوئی بھی ان کے دروازوں پر گیا اور ان کے جھوٹ پر ان کی تصدیق کی اور ان کے ظلم پر ان کا تعاون کیا تو اس کا میرے ساتھ اور میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا۔ اور جو ان کے پاس نہ گیا، ان کے جھوٹ پر ان کی تصدیق نہ کی اور ان کے ظلم پر تعاون نہ کیا وہ مجھ سے ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا۔ اے کعب نماز (آدمی کے ایمان کی) دلیل ہے اور روزہ محفوظ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو مٹا دیتا ہے اے کعب بن عجرہ جو بھی گوشت حرام مال سے بڑھتا ہے وہ آگ کا زیادہ حق دار ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ امام ترمذی اور احمد اور بیہقی نے سنن الکبریٰ میں معاذ جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس نے کہا میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر پر تھا ایک دن میں چلتا چلتا نبی ﷺ کے قریب ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے آپ ﷺ نے فرمایا تو نے ایک بہت بڑے کام کے بارے میں سوال کیا ہے۔ اور یہ یقیناً اس آدمی پر بہت آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان کردے تو اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اسی حدیث میں ہے صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح پانی آگ کو ختم کردیتا ہے۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا رسول ﷺ نے فرمایا حسد اس طرح نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور صدقہ اس طرح گناہ کو ختم کردیتا ہے جس طرح پانی آگ کو اور نماز مومن کا نور ہے اور روزہ آگ سے ڈھال ہے۔

مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے حتیٰ کہ جو کانٹا چبھتا ہے اس سے بھی۔ مسلم اور طبرانی میں یہی روایت معمولی سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔

جب قرآن کی یہ آنا نازل ہوئی ''جو بھی کوئی برا عمل کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ یہ تو کمر توڑ دینے والی آیت نازل ہوئی ہے۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جو برا عمل نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر کیا تجھے کبھی تھکان نہیں پہنچی؟ کیا تو کبھی غمگین نہیں ہوا؟ کیا تجھ کو کبھی مفلسی نہیں پہنچی؟ یہ تو وہ جزا ہے جو تم گناہوں کے بدلے میں دیئے جاتے ہو①۔

مصائب بذات خود گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اس پر صبر کرنے کے سبب آدمی کو ثواب ملتا ہے اور ان پر ناراضگی کی وجہ سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ حالانکہ صبر، شکوہ اور ناراضگی مصیبت کے علاوہ اور امر ہے۔ مصیبت بندے کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یہی اللہ تعالیٰ کی طرف بندے کے گناہ کی جزا اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہے آدمی ثواب یا گناہ کا مستحق اپنے عمل کی وجہ سے بنتا ہے۔ صبر اور ناراضگی اس (آدمی) کا اپنا فعل ہے۔ بسا اوقات انسان کو اجر وثواب اس کے اپنے عمل کی بجائے کسی طرف سے تحفۃً یا اللہ تعالیٰ کے فضل کی شکل میں بغیر کسی سبب کے بھی مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا'' اور (اللہ) خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب عطا کر دیتا ہے (النساء: ٤٠)۔ بیماری بذات خود بھی جزا و کفارہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بہت سارا اجر گناہوں کی معافی کی صورت میں بھی ہوتا ہے لیکن یہ ان مصائب کا مدلول نہیں بلکہ اس کا نتیجہ ہے۔

(پانچواں سبب) عذاب قبر اور اس میں پیش آمدہ فتنے، دباؤ، گھبراہٹ یہ بھی انسان کے گناہوں کا کفار

---

①: امام مسلم، احمد، ابن حبان، بیہقی، نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد بچاؤ کہاں ''جو کوئی بھی برا عمل کرے گا اسکو اس کی سزا دی جائے گی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اللہ تجھ پر رحم کرے کیا تو کبھی بیمار نہیں ہوا، کیا تجھے کبھی تھکان نہیں پہنچی؟ یہی تو تم کو اس کی جزاء دی جاتی ہے امام حاکم، ابویعلیٰ اور احمد نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے کہا یا رسول اللہ اس آیت کے بعد تحفظ کیسے ممکن ہے؟ کیا ہمارے ہر برے عمل کا ہمیں بدلہ ملے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تجھے معاف فرمائے کیا تو بیمار نہیں ہوتا کیا تجھے پریشانی نہیں آتی کیا تجھے تھکاوٹ نہیں ہوتی کیا تجھے بیماری نہیں پہنچتی؟ میں نے کہا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ تم کو جزا دی جاتی ہے امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری، مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا)

بنتے ہیں۔

(چھٹا سبب زندگی میں مومنین کا استغفار اور موت کے بعد ان کے لئے دعاء) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ الَّـذِيْـنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ '' وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں معاف فرمادے (الحشر: ۱۰)۔ اسی طرح اس کے جنازے پر ان کا دعا کرنا۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد ایک (۱۰۰) ہو جائے وہ اس مرنے والے کے لئے سفارش کریں تو اللہ ان کی سفارش قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، ابن حبان، ابن ماجہ، بیہقی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس فوت شدہ مسلمان کے جنازہ پر چالیس مواحد اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے والے مسلمان شریک ہوں اور وہ اس کے حق میں سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرمالیتا ہے①۔

(ساتواں سبب) انسان کو مرنے کے بعد روزوں، صدقہ یا حج وغیرہ کا جو ثواب پہنچتا ہے وہ میت کے اپنے نیک اعمال کا اجر نہیں ہوتا جبکہ اس پر کتاب وسنت کی صریح نصوص اور ائمہ کا اتفاق ہے کہ وہ (میت) اس ثواب سے مستفید ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو آدمی اس حالت میں مرگیا کہ اس کے ذمہ روزے ہیں تو اس کا ولی اس کی طرف س روزے رکھے گا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن حبان، بیہقی، دارقطنی، طبرانی، ابویعلیٰ)

①: اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد، احمد، ابن حبان، بیہقی نے بیان کیا ہے اور یہ مکمل حدیث صحیح مسلم میں کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اس کا ایک بیٹا قدید یا عسفان ایک جگہ پر فوت ہو گیا اس نے کہا اے کریب دیکھو کیا لوگ جمع ہو گئے ہیں؟ میں نکلا تو لوگ جنازہ کے لئے جمع تھے۔ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا انہوں نے کہا کیا وہ چالیس ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں ان کو جنازہ کے لئے نکالو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو بھی مسلمان فوت ہوتا ہے اور اس کے جنازہ پر چالیس ایسے آدمی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے پاک ہیں وہ سفارش کریں تو اللہ ان کی سفارش اس کے حق میں قبول کر لیتا ہے۔

یہ حدیث رمضان کے فرض روزوں کے بارے میں ہے اسی طرح کا فرمان نبوی ﷺ دیگر اسناد سے نذر کے روزوں کے بارے میں بھی ثابت ہے۔ دو مختلف اسباب کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''انسان کیلئے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی'' کے معارض بنانا جائز نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مذکورہ احادیث و آیات اس سے متعارض ہیں۔ جبکہ ان دونوں پہلوؤں کی وضاحت اس طرح ہے۔

اول پہلو: نصوص متواتر اور امت سلف کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مومن (اپنے) غیر کی سعی سے بھی مستفید ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کے فرشتے ان کے حق میں دعا و استغفار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے ''اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ ساتھ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (غافر:۷)۔ اگر مومن ان سے منتفع نہ ہوتا تو اس بات کو بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح وہ (مومن) انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مومنین کی دعا و استغفار سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ''اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ'' بلاشبہ آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے (التوبہ:۱۰۳)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ'' اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول ﷺ کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں (التوبة:۹۹)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ'' اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی (محمد:۱۹)۔ اسی طرح جنازہ پڑھنے والوں کا میت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان والوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں باعث ثواب و بخشش

ہوتا ہے①۔

(دوسرا پہلو) اس آیت کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ انسان کے لئے صرف اس کی اپنی ہی کاوش مفید ہے۔ وہ اپنی سعی کا ہی مالک و مستحق ہے نہ کہ غیر کی محنت کا لیکن یہ چیز اس سے مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کوئی فائدہ دے یا اس پر کسی بھی وجہ سے کوئی رحم کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ مختلف خارجی اسباب کی بناء پر جو انسان کی اپنی طاقت وبس میں نہیں ہوتے وہ اللہ اپنی حکمت ورحمت کے سبب اپنے بندوں پر ان مختلف اسباب کی وجہ سے کرتا رہتا ہے اور اسی طرح ان اسباب پر جن اسباب کو اس کے بندے اپنائے

①: مسلم، نسائی، ابن حبان، بیہقی ابو یعلیٰ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں جب بھی میری باری ہوتی نبی ﷺ رات کے آخری حصہ میں بقیع (قبرستان) کی طرف چلے جاتے اور کہتے۔ اے مسلمان بستی والو! تمہارے پاس وہ کل آ گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں اے اللہ بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔ اور سنن نسائی، ابن حبان میں محمد بن قیس بن مخرمہ سے مروی ہے اس نے کہا میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا کہ کیا تم کو اپنے اور نبی ﷺ کے بارے میں بیان نہ کروں؟ ہم نے کہاں کیوں نہیں (یعنی بیان کرو) آپ رضی اللہ عنہا نے کہا جب میری رات ہوتی نبی ﷺ جوتا اتارتے اور اپنی چادر اتار کر اس کا ایک کنارہ فرش پر بچھا دیتے تھوڑا سا وقت ٹھہرتے اور گمان کرتے کہ میں سو گئی جلدی جلدی جوتا پہنتے اور چادر اٹھا کر صحن میں نکل جاتے میں اپنی چادر اپنے اوپر لئے رہتی۔ پھر میں نے بھی اپنی چادر اتاری اور آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑی یہاں تک کہ آپ ﷺ بقیع پہنچ گئے پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر دعا کرتے رہے پھر آپ ﷺ پلٹے اور تیز تیز چلنے لگے میں بھی پلٹی اور چلنے لگی۔ آپ ﷺ ہلکی ہلکی دوڑ لگانے لگے میں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا آپ ﷺ نے بھاگنا شروع کر دیا میں بھی بھاگنے لگ گئی۔ یہاں تک کہ میں آپ ﷺ سے پہلے گھر آ گئی میں ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ آپ ﷺ آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ تجھے کیا ہوا ہے میں نے کہا کچھ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو مجھے ضرور بتا دیگی وگرنہ اللہ تعالیٰ مجھے بتا ہی دیں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں پھر میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میرے سامنے عکس کی جو سیاہی تھی کیا وہ تو تھی؟ میں نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے محبت سے میرے سینے پر ایک مکا مارا مجھے تکلیف بھی ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو یہ گمان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تجھ پر ظلم کریں گے میں نے کہا جو لوگوں سے چھپا ہے اللہ اس کو جانتا ہے پھر رسول ﷺ نے فرمایا جب تو نے مجھے دیکھا اس وقت جبریل علیہ السلام آئے تھے اور تو سونے کے لئے لیٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ تیرے پاس نہیں آیا اس نے آہستہ سے مجھے آواز دی جو تجھ سے مخفی رہی میں نے بھی تجھ سے چھپا کر اسے آہستہ سے جواب دیا میں سمجھا کہ شاید تو سو گئی ہے۔ میں نے تجھے بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا مجھے خدشہ تھا کہ کہیں تو ڈر نہ جائے اس نے کہا آپ ﷺ بقیع جا کر ان کے لئے دعا کریں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو کہہ اے مسلمانو اور مومنین کے گھر والو تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہمارے متقدمین اور متاخرین پر رحم فرمائے اور اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم کو ملنے والے ہیں۔ امام مسلم۔ بیہقی نے اس حدیث کا آخری حصہ بھی روایت کیا ہے اور مسند احمد، ابن ماجہ، ابو یعلیٰ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے نبی ﷺ کو ایک دن گم پایا کہاں آپ ﷺ ﷺ بقیع میں تھے اور آپ ﷺ کہہ رہے تھے۔ اے مومن قوم کے گھر والو تم پر سلامتی ہو تم ہمارے لئے آئندہ کام آنے والا ذریعہ اجر ہو اور بے شک ہم تم کو ملنے والے ہیں اے اللہ تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔ مسند احمد، ابن ماجہ میں سلیمان بن بریدہ سے مروی ہے وہ اپنے باپ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو قبرستان میں جانے کی دعا کے کلمات سکھائے: السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم للاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ)

ہوئے ہیں۔تاکہ اس کے بندے ان سباب پر قائم رہیں وہ اللہ سب پر رحم کرتا رہتا ہے۔جیسا کہ نبی ﷺ کے فرمان میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی آدمی اپنے بھائی کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کردیتا ہے وہ جب بھی اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو وہ مقرر فرشتہ کہتا ہے آمین (یا اللہ اس کی دعا کو قبول فرما) یعنی تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو①۔

جس طرح کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے ایک قیراط اجر ہے۔اور جو دفن تک اس کے ساتھ رہا اس کے لئے دو قیراط اجر ہے ان دونوں میں سے چھوٹا بھی احد پہاڑ کے برابر ہے②۔

---

①:امام مسلم،ابوداؤد،بیہقی نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کوئی بندہ اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لئے دعا کرتا ہے فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔یہ حدیث مسند احمد،طبرانی،ابن ابی شیبہ،اور امام بخاری کی الادب المفرد میں صفوان بن عبداللہ سے مروی ہے ام درداء نے اس (صفوان) کو کہا کیا تو اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے؟اس نے کہا ہاں اس نے کہا ہمارے لئے خیر کی دعا کرنا کیونکہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے ،مسلمان مرد کی اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے کی گئی دعا قبول ہوتی ہے اس کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر ہے وہ جب بھی اپنے بھائی کے لئے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اس پر مقرر فرشتہ کہتا ہے آمین یعنی اے اللہ اس کی دعا قبول فرما اور تیرے لئے بھی اس کے مثل ہو۔صفوان فرماتے ہیں پھر میں بازار کی جانب نکلا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی اس نے مجھے نبی ﷺ کا ایسا ہی فرمان سنایا امام احمد نے ام الدرداء سے یہ بھی بیان کیا ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آدمی کی اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے کی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے وہ جب بھی اپنے بھائی کے لئے کوئی دعا کرتا ہے اسی وقت فرشتہ یہ کہتا ہے تیرے لئے بھی اس کی مثل ہو۔

②:امام بخاری صحیح بخاری میں فرماتے ہیں نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا گیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ جو شخص دفن تک جنازے کے ساتھ رہے اس کو ایک قیراط ملے گا انہوں نے کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو بہت سی حدیثیں بیان کی ہیں پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہی فرماتے سنا جیسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تب تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے ہم نے بہت سے قیراطوں کا نقصان اٹھایا۔اور مستدرک حاکم میں یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ یہ حدیث بیان کررہے تھے،جو جنازہ کے ساتھ گیا اس کے لئے ایک قیراط ہے اگر دفن کے وقت بھی حاضر ہوا تو اس کے لئے احد پہاڑ سے بڑے دو قیراط ہیں۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیکھو تم کیا بیان کررہے ہو۔پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا اے ام المؤمنین میں تجھ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو جنازہ کے ساتھ گیا اور جنازہ ادا کیا اس کے لئے ایک اجر ہے اور اگر دفن کے وقت حاضر ہوا تو اس کے لئے احد پہاڑ سے بڑے دو قیراط ہیں تو انہوں نے فرمایا جی ہاں اللہ کی قسم۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر شادیاں اور بازاروں سے خرید وفروخت ہمیں مصروف نہ کرتی تو میں نبی ﷺ سے ایسا کلمہ کا مطالبہ کرتا جو آپ ﷺ مجھے سمجھاتے یا ایسے لقمہ کا مطالبہ کرتا جو آپ ﷺ مجھے کھلاتے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو ہم سے زیادہ نبی ﷺ کے پاس رہا ہے اور آپ ﷺ کے فرامین کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔امام بخاری،بیہقی،سعید بن ابی سعید المقبر ی وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو نماز جنازہ میں حاضر ہوا اس کے لئے ایک قیراط ہے اور جو دفن تک رہا اس کے لئے دو قیراط ہیں۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا گیا دو قیراط کیا ہیں انہوں نے کہا دو بڑے پہاڑوں کی مانند امام مسلم،بیہقی،ثوبان مولیٰ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا جو آدمی جنازے میں شامل ہوا اس کے لئے ایک قیراط ہے اور جو دفن تک رہا اس کے لئے دو قیراط اجر ہے ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے امام ترمذی نے اس کو مختصر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے وریہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی اسناد سے مروی ہے اس مسئلہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ،عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوسعید رضی اللہ عنہ،ابی بن کعب رضی اللہ عنہ،ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایات مروی ہیں)

جنازہ ادا کرنے والا میت کے حق میں دعا کرنے کی وجہ سے رحم کا مستحق بن گیا۔اور اسی طرح یہ میت بھی اس نمازی کی دعا کی وجہ سے رحمت کی مستحق بن گئی۔

(آٹھواں سبب قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور سختیاں)

(نواں سبب قیامت کے دن قصاص) جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مومنین جب پل صراط عبور کرلیں گے تو ان کو جنت دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ان میں سے بعض کو بعض سے قصاص دلوایا جائے گا جب اس سے بری ہوجائیں گے تو پھر ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی①۔

(دسواں سبب شافعین ''سفارش کرنے والی کی'' شفاعت) انہی میں سے نبی ﷺ وغیرہ کی قیامت کے دن گناہ گاروں کے حق میں سفارش ہے۔جیسا کہ یہ شفاعت متواتر احادیث سے ثابت ہے۔جیسے نبی ﷺ کا یہ فرمان ''میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے②۔

---

①:امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں،امام احمد نے مسند میں،امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن مندہ نے ایمان میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آگ سے نجات پا کر نکلیں گے تو ان کو جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ پر روک لیا جائے گا ان کے بعض کو بعض سے دنیاوی مظالم کا بدلہ دلوایا جائے گا حتیٰ کہ وہ جب اس سے پاک صاف ہوجائیں گے۔تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیدی جائے گی۔پھر نبی ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میں محمد ﷺ کی جان ہے ان (جنتیوں) کا ایک جنت میں اپنے مکان کو اپنے دنیاوی مکان سے زیادہ جانتا ہوگا۔امام حاکم اپنی مستدرک میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کو پل صراط عبور کرنے کے بعد ایک بلند جگہ پر روک دیا جائے گا۔اور ان کے بعض کو بعض سے ان کے دنیاوی مظالم کا بدلہ دلایا جائے گا حتی کہ جب وہ اس سے صاف ہوجائیں گے تو ان کو جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی ان (اہل جنت) کا ہر فرد اپنے اپنے جنت والے گھر زیادہ پہچانتا ہوگا۔قتادہ فرماتے ہیں ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے فرمایا وہ صرف اپنے گروہ کے مشابہ ہوں گے اور اپنے گروہ کی طرف پلٹ آئیں گے امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔②:اس حدیث کو امام ابوداؤد،ابن حبان،حاکم،بیہقی اور قضاعی نے مسند شہاب میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں کیا ہے۔انہوں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث بیان کی ہے اور طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا میری شفارش میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔امام ابن حبان اور حاکم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔بے شک نبی ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبیرہ کے لئے ہے اور مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت ''وہ صرف ان لوگوں کے حق میں سفارش کریں گے جن کے لئے اللہ پسند ⇐

اور نبی ﷺ کا یہ فرمان ! کہ مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ میں اپنی آدھی امت جنت میں لے جاؤں یا شفاعت کو اختیار کرلوں ،تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ یہ اس (آدھی امت) سے عام اور زیادہ ہے۔کیا تم اس کو متقین کے حق میں سمجھتے ہو؟ نہیں بلکہ یہ تو گناہ گاروں اور خطاؤں سے لتھڑے ہوئے لوگوں کے لئے ہوگی①۔

⇐ کرے گا۔تلاوت کی اور رسول ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث شرط الشیخین صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے۔اور طبرانی اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ہم اہل کبائر کے لئے استغفار سے اپنے آپ کو روکتے تھے حتی کہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کو یہ فرماتے سنا قیامت کے دن میں نے اپنی سفارش اہل کبائر کے لئے روک رکھی ہے۔ہم نے بہت سی دلی باتوں سے اپنے آپ کو روک لیا اور ان کے بارے میں رحمت کی امید کرنے لگے۔اور اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے السنہ میں روایت کیا ہے۔اور شیخ البانی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حرب بن سریج منقری کے علاوہ تمام راوی صحیح مسلم کے راوی ہیں اور حرب صدوق اور خاطئ ہے جیسا کہ تقریب میں مذکور ہے ایسے راوی کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے اس حدیث کو ابویعلیٰ نے اپنی مسند ابی یعلیٰ میں مصنف تک اپنی سند و متن کے ساتھ بیان کیا ہے علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا اس کے تمام راوی صحیحین کے ہیں حرب بن شریح کے علاوہ اور ثقہ ہیں اس کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے اور اس میں کچھ ضعف بھی ہے اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ابن مردویہ نے کئی اسناد سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اس حدیث کی جمیع اسناد میں ضعف ہے مگر جو عبدالرزاق نے بیان کیا ہے۔انہوں نے کہا ہم کو معمر نے خبر دی وہ ثابت سے وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا رسول ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور امام ابوعیسیٰ ترمذی اس حدیث کو اس سند سے عباس عنبری سے وہ عبدالرزاق سے پھر ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحیح بخاری میں اس مفہوم کا ایک شاہد بھی موجود ہے اور شفاعت کے بعد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے۔کیا تم اس شفاعت کو مومنین ومتقین کے لئے سمجھتے ہو؟ یہ ان کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو ان خطا کاروں کے لئے ہے جو گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہیں۔تفسیر ابن کثیر ج ۱/ ۴۸۸)۔

②:اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ، اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اور امام طبرانی نے اوسط کبیر میں بیان کیا ہے۔اور علامہ کنانی نے مصباح الزجاجہ میں کہا ہے اس کی سند صحیح ہے۔امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام احمد بن حنبل نے بھی مسند احمد میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں ان الفاظ کے ساتھ مختصراً بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میرے پاس رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے آدھی امت جنت میں پہنچانے اور سفارش کے درمیان اختیار دیا میں نے شفاعت کو اختیار کیا اور یہ اس آدمی کے لئے ہوگی جو بغیر شرک مرگیا۔اور امام حاکم نے بھی یہ حدیث اپنی مستدرک میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے اور کہا ہے اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔اس کے تمام راوی شیخین کی شرائط پر صحیح ہیں۔اس حدیث میں کوئی علت نہیں اور شفاعت کی تمام احادیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔اور ابن عاصم نے السنہ میں علی بن نعمان بن قرار سے وہ ایک آدمی سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے شفاعت اور نصف امت کو جنت میں لے جانے میں اختیار دیا گیا تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ اس سے زیادہ عام اور کفایت کرنے والی ہے تم کیا سمجھتے ہو۔یہ متقین کے لئے نہیں ہوگی بلکہ یہ خطا کاروں اور گناہوں میں لتھڑے ہوئے لوگوں کے لئے ہے۔معمر نے فرمایا یقیناً یہ برحق ہے لیکن میں نے اسی طرح اس کو سنا ہے علامہ ناصر الدین الالبانی نے فرمایا اس کی سند ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے اسی طرح ان کے شاگرد کو بھی ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں اس میں ایک اور علت بھی ہے کہ یہ روایت زیاد بن خیثمہ پر مضطرب ہے۔⇐

(گیارہواں سبب اللہ الرحیم الرحمٰن کا بغیر سفارش معاف کر دینا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان اللہ لایغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے

⇦ اسی طرح ایک حدیث ابن ابی عاصم نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی روایت کی ہے۔اس نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ رات کو مجھ کو میرے رب نے کس چیز کا اختیار دیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے آدھی امت جنت میں لے جانے اور شفاعت کرنے کا اختیار دیا ہے اور میں نے سفارش کرنے کو اختیار کیا ہے۔ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ سے دعا کریں ہم کو بھی ان میں شامل کر دے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہر مسلمان کے لئے ہے،اس کی سند صحیح لغیرہ ہے اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے ثقہ راوی ہیں مگر ہشام بن عمار ضبط کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کی متابعت موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس کو یاد رکھا ہے اس حدیث کو ابن خزیمہ اور آجری نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ابن خزیمہ نے اس حدیث کو غیر قادح سبب کی بناء پر معلول قرار دیا ہے۔ابن ابی عاصم نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں ہم ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ رات کے پچھلے پہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تو ہم بھی سو گئے (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بعد تمہارے رب کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے نصف امت جنت میں لے جانے اور شفاعت کرنے میں اختیار دیا تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ہم نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان لوگوں میں شامل کر لیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کرنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم انہی میں ہو۔ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم یہ بات لوگوں کو نہ بتا دیں؟ تمام لوگ یہ بات کہنے میں جلدی کرنے لگے حتی کہ بہت زیادہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہر اس آدمی کے لئے ہے جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہو۔اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے ثقہ راوی ہیں ماسوائے ابو محمد حکم بن ہشام کوفی دمشقی کے وہ ثقہ ہے اور ہشام میں کچھ ضعف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔اور ابن ابی عاصم کی سند میں عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو بھی نبی اور رسول مبعوث کیا انہوں نے مجھ سے جو بھی سوال کیا میں نے ان کو عطا کر دیا۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بھی سوال کر میں نے کہا اے اللہ میرا سوال قیامت کے دن میری امت کے بارے میں شفاعت ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کہوں گا اے اللہ میری سفارش جو میں نے تیرے ہاں کرنے کے لئے چھپا رکھی ہے اس کو قبول فرما اللہ کہے گا ہاں پھر اللہ میری امت کے باقی ماندہ لوگ جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا البانی نے فرمایا کی اس کی سند سخت ضعیف ہے اس کی سند میں عبدالوہاب بن ضحاک متروک ہے لیکن اس کی متابعت کی گئی ہے۔ابن ابی حاتم نے التعجیل میں روح بن زنباع کا ترجمہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اس میں جرح وتعدیل ذکر نہیں کی اور اس نے بیان کیا کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں اس حدیث کو امام احمد نے بھی بیان کیا ہے علامہ ہیثمی نے فرمایا اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور مسند احمد کے تمام راوی ثقہ ہیں جبکہ بعض میں ضعف بھی ہے اور ابن ابی عاصم نے بھی عبید اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اس کو روایت کیا وہ فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک روشن چہرے والا آدمی ہمارے پاس آیا ہم نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کو خوشخبری دینے آیا ہے۔اس کے چہرے کی تروتازگی اور چمک دمک سے ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمیں خوش کرے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میرے پاس جبریل امین آیا تھا اور اس نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ نے مجھ کو شفاعت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ہم نے کہا کیا یہ بنو ہاشم کیساتھ خاص ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہم نے کہا کیا تمام قریشیوں کے لئے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تو ہم نے کہا کیا آپ کی جمیع امت کے بارے میں ہوگی؟ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی گرہ لگائی اور فرمایا یہ میری امت کے بوجھل گناہگاروں کے لئے ہوگی۔البانی نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور عبدالواحد نصری کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں)

جانے کو ہرگز نہیں بخشتا اوراس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔النساء:۴۸)لیکن اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ اس کے کسی بڑے جرم کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس کی بخشش نہ فرمائے تو اس کو اپنے ایمان کو گناہوں کی خباثت سے پاک کرنے کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا۔جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔وہ جہنم میں نہ رہے گا۔بلکہ جس نے لا الہ الا اللہ بھی کہہ دیا (وہ بھی دوزخ میں باقی نہیں رہے گا)(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۷/ ۴۸۸،۵۰۱،شرح عقیدہ طحاویہ ج۱/ ۳۶۸،۳۷۱)

چھٹا مسئلہ: کفر کا حکم لگانے کی کیا شرائط ہیں؟

(کیا فرائض کے انکار اور محرمات کے حلال ہونے کا قائل ہونا کفر کا حکم لگانے کے لئے شرط ہے؟)

بعض فرقوں نے اہلسنت کی اس بات میں بھی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مکلّف پر کفر کا حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے وہ کام بطور تکذیب یا انکار یا حرام کو حلال سمجھتے ہوئے سرزد ہو تو ایسی صورت میں اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔حالانکہ یہ بات بھی مرجئہ کے قول کا نتیجہ ہے کیونکہ ان کے ہاں ایمان صرف تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کا نام ہے، وہ کہتے ہیں ہر وہ کفریہ قول یا فعل جو ایک مکلّف انسان سے سرزد ہوتا ہے اس قول یا فعل کے وقوع کی وجہ سے اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ قول یا فعل چونکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اللہ کی معرفت یا تصدیق نہیں ہے۔اور ایسے کفریہ قول یا فعل کا وقوع بھی صرف کافر سے ممکن ہوتا ہے لہٰذا اس بنیاد پر اس کو کافر شمار کریں گے۔اس سے ثابت ہوا کہ یہ مرجئہ اور جہمیہ کا قول ہے۔ان کے بعض فرقوں کے بارے میں امام اشعری نے بیان کیا ہے جس طرح کے پیچھے گزر چکا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی مکمل شریعت کی معرفت کا نام ہے، اور کفر اللہ کے بارے میں عدم معرفت کا نام ہے، اور یہ قول جہم بن صفوان سے منقول ہے۔اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایمان صرف اللہ کی معرفت کا نام ہے اور کفر صرف اللہ سے جہالت کا نام ہے اور یہ بات کہنے والا کہ (اللہ تینوں کا تیسرا ہے) کافر نہیں لیکن ایسی بات کا صدور

اظہار صرف کافر سے ہی ہوتا ہے۔اور بعض کہتے ہیں سورج کو اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر نہیں، لیکن یہ چیز کافر ہونے کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورج کو سجدہ صرف کافر ہی کرتے ہیں، اسی طرح اس کے علاوہ ان کے بے شمار باطل اقوال ہیں جو کتاب وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہیں۔

انہی میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کفریہ اقوال وافعال بذات خود یعنی فی نفسہ کفر نہیں بلکہ یہ کفر کی علامت اور دلیل ہیں اس لئے کہ ان اعمال واقوال کے مرتکبین کے دل سے اللہ کی تصدیق ومعرفت ختم ہو چکی ہے۔جس طرح انہوں نے ایمان کا تعلق صرف دل سے مربوط کر کے ظاہری اعضاء سے ایمان کا تعلق منقطع کر دیا ہے، اسی طرح انہوں نے کفر کا تعلق بھی فقط دل سے جوڑ دیا ہے اور اعضاء سے کفر کا تعلق منقطع کر دیا ہے سوائے اس کے کہ ان (اعضاء) پر اعمال کا اظہار ہوتا ہے۔یہ اصل میں اپنے اس مذہب کے سبب اسی وقت ان اقوال وافعال کے مرتکب کو کافر قرار دے دیتے ہیں جب اس کے کفر کا سبب اس میں معرفت وتصدیق کا نہ ہونا بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ ان اقوال وافعال کو اس کے کفر کی دلیل وعلامت قرار دیتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ کفر کا حکم لگانے کے لیے دل کی کیفیت کو جاننا شرط قرار نہیں دیتے کہ آیا کہ وہ دل سے اس کا منکر ہے کہ نہیں، یا اس حرام کا ارتکاب اس کو حلال سمجھتے ہوئے کر رہا ہے یا نہیں وغیرہ۔یہ لوگ اہلسنت والجماعت کے برحق مذہب سے کوسوں دور ہیں۔اس دور میں یہ گروہ بہت بڑا ہے اور اہلسنت والجماعت کے مسلک سے بہت زیادہ دور ہیں۔انہوں نے مکلّف پر کفر کا حکم لگانے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اس کام کا دل سے مکذب ومنکر ہو اور اس کو جائز سمجھتے ہوئے کرے، یہ تمام علماء کے اقوال اور شرعی دلائل کو اسی چیز پر محمول کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ جس نے کفریہ کام کیا یا کفریہ بات کہی تو اس کو اس وقت تک کافر نہیں کہہ سکتے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ اس کو جھٹلاتے ہوئے یا اس کا انکار کرتے ہوئے یا اس کو حلال سمجھتے ہوئے کر رہا ہے یا ان اقوال وافعال کے کفریہ ہونے کا معتقد تو نہیں ہے۔

یہ ان کفار و مرتدین کے لئے ایسے عذر تلاش کرتے ہیں کہ جن کی بناء پر وہ حقیقتاً معذور نہیں ہوتے۔ پہلے گروہ نے ایسے اقوال وافعال کے مرتکبین پر کفر کا حکم لگانے کے لئے دل کے عمل کو شرط نہیں قرار دیا، کہ وہ دل سے اس کا منکر ہو یا دل سے اس کی اباحت وحلت کا قائل ہو۔لیکن اس گروہ نے ایسے اقوال وافعال کے حاملین پر کفر کا حکم لگانے کے لیے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ دل سے اس کو جائز سمجھتا ہو یا دل سے اس کا منکر ہو۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس دور میں مرجئہ کا مذہب سابقہ مرجئہ کی نسبت حق ہے اور اہلسنت والجماعت کے مذہب سے بہت زیادہ دور ہے۔متقدمین میں سے اس مسئلہ میں غلطی کا شکار ہونے والے طحاوی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''عقیدہ طحاویہ'' میں کہا کہ بندہ اس وقت تک دین سے خارج نہیں ہوسکتا جب تک وہ دین کے کسی عمل کا انکار نہ کرے۔

اس کے کلام سے واضح ہوگیا کہ اس نے کفر کو صرف انکار پر بند اور محدود کر دیا ہے اس غلطی کی بنیاد ایمان کی حقیقت کی خطاء پر ہے کہ جس کے بارے میں اس نے کہا ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے۔اس کے حامل آپس میں برابر ہیں۔

ان مخالفین اہلسنت والجماعت کے اس بارے میں بھی اقوال بہت معروف ہیں اور مشہور ہیں کہ جو حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرتا ہے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق فیصلہ کرتا ہے یا اللہ کی شریعت کو تبدیل کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اپنے بنائے ہوئے کافرانہ وباطل نظام کا پابند ٹھہراتا ہے جس کی بنیاد ایک لادینی تحریک (تحریک علمانیہ) پر ہے①۔

(جس کا مقصد صرف دنیاوی علم وعقل پرستی کا پرچار ہے) مثلاً جمہوریت اور اس جیسے دیگر نظام حکومت جو اسلام کی اساس اور احکامات کے منافی ہیں ان کو مسلط کرتا ہے۔تو یہ نام نہاد علماء اس کے بارے میں

① : علمانیہ سے مراد عیسائی انگریزوں کی اپنے پوپ پالوں اور پادریوں کے متعلق تحریک ہے۔جس میں انہوں نے کہا کہ ان مذہبی رہنماؤں کو اقتدار اور حکومتی عہدوں سے الگ کیا جائے تاکہ ہم دنیاوی معاملات میں اپنی مرضی اور عقل کے مطابق فیصلے کرسکیں۔لہٰذا اسی سوچ کے تحت انہوں نے جمہوری نظام وضع کیا اور مختلف حربوں کے ساتھ اسے مسلمانوں پر بھی مسلط کر کے اپنا کنٹرول وقبضہ قائم کرلیا۔

کہتے ہیں اس حاکم کو اس وقت تک کافر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ احکام شریعت کا منکر نہ ہو اور اللہ کے حکم کو رد نہ کرتا ہو یا اللہ کے احکامات کے خلاف فیصلہ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔اس مسئلہ میں انہوں نے بطور دلیل بعض اہل علم کے بے محل اقوال پیش کیے ہیں۔جبکہ یہ موقع ان اقوال کی تفصیل کا نہیں ہم اس مسئلہ کی وضاحت اسی کتاب کے باب حاکمیت میں پیش کریں گے۔انشاءاللہ

اس مسئلہ میں جو ہم نے بیان کیا اس کی واضح مثالوں میں سے کچھ یہ ہے کہ کئی ممالک کے بعض گمراہ علماء جو اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے مسلمان ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نہ تو اللہ کی حاکمیت کے منکر ہیں اور نہ ہی اللہ کی تخلیق کائنات کے منکر ہیں۔ بلکہ وہ تو اس نہج پر کام کر رہے ہیں کہ اسلامی دعوت دور دراز تک مثبت انداز میں عملی طور پر پہنچ جائے لیکن اس انتظار دعوت کا سبب مناسب وقت کا انتظار ہے اسی طرح آخر تک ان کے کئی باطل قسم کے اقوال ہیں۔اس موقف کو مزید تقویت دینے والے وہ لوگ ہیں جو شرعی علوم کی طرف منسوب ہیں جن کی عادت اپنے دنیاوی اغراض ومقاصد کی خاطر مجاہدین سے جنگ کرنا اوران کو جہاد سے روکنا ہے۔اس موقف میں سچائی کم اور جھوٹ زیادہ ہے اس کا سب سے واضح بطلان یہ ہے کہ وہ ایسے حکمرانوں کے مومن مسلم ہونے کا بھی حکم لگاتے ہیں جن کی ایک طویل ترین تاریخ ،اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اور دین اسلام اور اللہ کی شریعت کے انکار سے بھری پڑی ہے۔جس کو ان میں سے ہر دور وقریب والا جانتا ہے یہ (علمانی جمہوری) بے دین حکومتیں اس کا اظہار بھی کرتی ہیں اور اس کو علانیہ بیان بھی کرتی ہیں اور علانیہ اس کی دعوت دیتی ہیں اور اس کے اظہار سے شرم بھی نہیں کرتی۔اس کی مثال ان کے ایک خبیث لیڈر کا کہنا ہے کہ اسلام میں سیاست نہیں اور نہ سیاست میں اسلام ہے۔

نوٹ :یہ ایک سیکولر (Secularism) بے دین خالص دنیاوی تحریک ہے جن کی دعوت دنیاوی زندگی کو عقل پرستی اور دنیاوی علم کے مطابق قائم کرنا ہے۔

یہ ان کے اپنے وضع کردہ قانون ودستور کی ایک واضح عبارت ہے جس دستور کی طرف وہ اپنے چھوٹے بڑے تمام مسائل حل کرنے کے لئے لوٹتے ہیں۔اگر کوئی آدمی اس قانون کی مخالفت کرتا ہے تو اس کو طویل عرصہ کے لیے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ اپنے بنائے ہوئے اس دستور جس کی حقانیت پر کوئی شرعی دلیل نہیں کا بہت احترام کرتے ہیں۔اور اس کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر مقدم کرتے ہیں۔اسی وجہ سے یہ حکومتیں یہود ونصاریٰ کے ایجنڈے کی تکمیل اور ان کی خدمت کے لئے بہت مستعد رہتی ہیں۔جبکہ سرکاری اور درباری علماء ومولویوں نے اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی بے ساختہ اور بلا دلیل مخالفت کی اور ان طاغوتی حکمرانوں کی راہ ہموار کرتے ہوئے انہوں نے کفر کو صرف تردید وانکار میں بند کردیا۔اور ان حکومتوں پر اسلام کا لیبل لگادیا کیونکہ ان کے گمان کے مطابق دونوں کفریہ کاموں میں کوئی کام بھی ان سے سرزد نہیں ہوا۔حالانکہ یہ بات اللہ کی محکم کتاب قرآن اور علماء امت کے اجماع کے خلاف ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ جو آدمی کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کو تبدیل کرتا ہے وہ کافر ہے خواہ وہ اس کا منکر وتردید کرنے والا ہو یا نہ ہو۔

اور یہ لوگ (یہ بات کہنے والے) اگرچہ انہوں نے یہ بات جہالت کی بناء پر کہی ہے لیکن ان کی حالت ویسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ''اسی کا نتیجہ ہوگا قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔دیکھو تو یہ کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں (النحل:۲۵)۔

اور جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا! جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور قیامت تک جو بھی اس پر عمل پیرا ہوگا اس کا بوجھ بھی اس کی ابتدا کرنے والے پر ہوگا۔اور ان کے بوجھ سے کچھ کمی نہ کی جائے گی ①......۔

انہوں نے یہ سب کچھ حق کو جاننے کے باوجود کیا ہے۔اسی لئے ان پر اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ''جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں،ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے (البقرہ:۱۵۹)۔ان سے یہ لعنت اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک یہ خالص توبہ نہ کرلیں اور خالص توبہ یہ ہے کہ حق کا اسی طرح اعلان کریں جس طرح انہوں نے باطل کا اعلان کیا اور جیسا کہ انہی سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا''اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ''مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور بیان کردیں تو میں ان کی توبہ قبول کرلیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں(البقرہ:۱۶۰)۔

---

①:اس حدیث کو امام احمد،نسائی،ابن حبان ابن خزیمہ،دارمی،ابن ماجہ،بیہقی،طبرانی،ابن ابی شیبہ۔بزار اور لالکائی نے الاعتقاد میں تفصیلاً بیان کیا ہے اور امام مسلم،ترمذی،نسائی،احمد،اور ابن ماجہ نے مختصر بھی بیان کی ہے مکمل حدیث جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ہم ایک وقت نبی ﷺ کے پاس تھے ایک قوم جسم اور پاؤں سے ننگی اور چیتوں کی کھالیں پہنے نبی ﷺ کے پاس آئی۔انہوں نے گلے میں تلواریں لٹکارکھی تھیں۔اکثر بلکہ تمام لوگ مضر قبیلے کے تھے۔نبی ﷺ نے جب فاقہ کشی سے ان کی یہ حالت دیکھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا آپ ﷺ گھر گئے پھر بلال کو حکم دیا اس نے اذان کہی پھر اس نے اقامت کہی آپ ﷺ آئے اور آپ ﷺ نے نماز ادا کی پھر فرمایا''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ''اے لوگو!اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔(النساء:۱)تم اللہ سے ڈر جاؤ اور ہر جان دیکھے اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے تو کسی آدمی نے ایک دینار صدقہ کیا کسی نے درہم صدقہ کیا کسی نے گندم کا ایک صاع اور کسی نے جوء کا ایک صاع صدقہ کیا پھر ایک انصاری آدمی ایک تھیلی لے کر آیا وہ اتنی بوجھل تھی کہ قریب تھا وہ اس کو عاجز کردیتی بالآخر اس نے اس کو عاجز ہی کردیا اس کو دیکھ کر لوگ پے در پے لوگ صدقہ کرنا شروع ہوگئے حتی کہ میں نے نبی ﷺ کے سامنے کھانے اور کپڑے کے دو ڈھیر دیکھے میں نے نبی ﷺ کا چہرہ دیکھا وہ اس طرح چمک رہا تھا گویا کہ وہ سونے کی ٹکیہ ہے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا اس کے لئے یہ طریقہ رائج کرنے کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والے کا اجر ہے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا اس پر اس برے طریقہ کا بھی بوجھ اور اس کے بعد اس عمل کرنے والوں کا بوجھ ہوگا۔

انشاء اللہ عنقریب علماء کے اقوال میں یہ واضح ہوگا کہ ان کی تمام شروط وقیود جو ہم نے بیان کی ہیں وہ معتبر نہیں۔قرآن وسنت کی ورق گردانی کرنے والا ہر انسان یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقام پر بہت سے لوگوں کو صرف ایک کلمہ کفر کہنے کی بناء پر بھی کافر قرار دیا ہے۔اور ان مقامات پر ان کے اس کفر یہ قول کے سوا اور کوئی سبب بیان نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے اس نے انکے کفر کو دل کے انکار یا اس کفر کو حلال سمجھنے پر موقوف نہیں کیا۔''وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ''اور یقیناً انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا ہے (التوبة: ٧٤)۔یہ آیت جلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے تھے انہوں نے کہا اگر محمد ﷺ ہمارے رؤسا (جو ہم میں سے بہترین ہیں) کے خلاف سچا ہے تو پھر ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ان کو عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں اللہ کی قسم محمد ﷺ صادق ومصدوق ہیں اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔اور عامر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی ﷺ کو بتادی جلاس نے منبر رسول ﷺ کے پاس آکر اللہ کی قسم اٹھا کر کہا کہ عامر رضی اللہ عنہ جھوٹا ہے۔عامر نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات کہی ہے اور ساتھ یہ دعا بھی کی ،اے اللہ اپنے برحق پیغمبر ﷺ پر اس بارے میں کچھ نازل فرما۔تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یہ بھی کہا گیا کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی عبداللہ بن ابی نے غفار قبیلہ کے ایک آدمی کو جہینہ قبیلہ کے ایک آدمی سے لڑتے ہوئے دیکھا جہینہ والے انصار کے حلیف تھے غفاری جہینی پر غالب آگیا عبداللہ بن ابی نے کہا اے اوس اور خزرج والو اپنے بھائی کی مدد کرو اللہ قسم ہماری اور محمد ﷺ کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا اپنے کتے کو خوب موٹا کرو تا کہ وہ تم کو ہی کھائے۔اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔نبی ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو عبداللہ بن ابی نے آکر قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کہی یہ قول قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اور تیسرا قول جو حسن بصری

رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت تمام منافقین کے بارے میں نازل ہوئی اور ابن العربی رحمہ اللہ کے بقول یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اور ان کے منہ سے کفر کا کلمہ نکل چکا ہے'' کہا گیا ہے کہ جلاس کی یہ بات کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت برحق ہے تو پھر ہم گدھے ہوئے، اور عبداللہ بن ابی کا یہ کہنا کہ عزت والے (اس مدینہ سے) ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے کلمہ کفر ہے۔ اور قرآن مجید کے یہ الفاظ (وکفروا بعد اسلامھم) انہوں نے اپنے اسلام لانے کے بعد کفر کیا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اس سے پہلے مسلمان تھے اور فقط اس بات کی بناء پر کافر ہوئے ہیں (تفسیر طبری ج ۲/ ۱۸۵، ۱۸۷، تفسیر قرطبی ج ۸/ ۲۰۶، ۲۰۷م، تفسیر ابی سعود ج ۴/ ۸۴، فتح القدیر ج ۲/ ۳۸۳)۔

سورہ کہف میں مذکور دو آدمیوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان میں سے ایک اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کرسکتا کہ کسی وقت یہ برباد بھی ہوجائے گا۔ اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں، اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں (اس لوٹنے کی جگہ کو) اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا، کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔ اس کے ساتھی نے دل کے عقیدہ کا ذکر کیے بغیر ہی اس کو اسی بات پر کافر قرار دیدیا۔ اگر یہ کفر کا حکم غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی تردید کر دیتا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ یہ حکم بالکل درست ہے۔ اسی لئے تو ان آیات کے آخر میں فرمایا اور اس کے (سارے) پھل گھیر لئے گئے پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا پڑا تھا، اور (وہ شخص) یہ کہہ رہا تھا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا (الکہف: ۳۲، ٤٤)۔

اسی لئے امام شوکانی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ باغ والا اسی بات کی بنا پر کافر ہوگیا۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ وہ اصل میں کافر ہی تھا اس بات کی بناء پر کافر نہیں ہوا ان کے موقف کو شوکانی رحمہ اللہ نے کمزور

قرار دیا ہے۔شوکانی رحمہ اللہ نے کہا! اس کافر کو اس کے مومن ساتھی نے باتوں کے دوران ہی اس کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا اگر تو یہ بات کہتا ہے کہ ''میں قیامت کو قائم ہونے والا خیال نہیں کرتا'' تو اس (رب) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا۔اور یہ بھی کہا گیا کہ احتمال ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو اور جو کفر اس میں موجود تھا اسی پر اس کا انکار کیا گیا ہو۔اس کا یہ مقصد نہیں کہ اس میں کفر اس بات کی وجہ سے پیدا ہوا ہو (فتح القدیر شوکانی ج ۳/ ۲۸۶ تفسیر طبری تحت آیات ہذہ ج ۱۵/ ۲۴۶، ۲۵۱، روح المعانی للآلوسی ج ۱۵/ ۲۷۷)۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کرتے ہوئے کہ کلمہ کفر کہنے سے بھی ہوتا ہے۔دل کے انکار وغیرہ کی شرط عائد نہیں کی۔''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ'' اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے، کہہ دیجئے کیا اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے (التوبہ ۶۵، ۶۶)۔یہ بات ثابت شدہ ہے کہ یہ آیت ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اسی کے مطابق ان پر دنیاوی احکام لاگو تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ چیز ثابت کی ہے ''قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ'' تم اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہا ہم نے ان بڑے پیٹوں والوں سے بڑھ کر جھوٹا اور دشمن کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر کوئی بزدل نہیں دیکھا۔انہوں نے یہ کفر قصداً نہیں کیا تھا کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا ہم تو ویسے ہی قصہ گوئی کر رہے تھے۔لیکن اللہ نے اس کے باوجود ان کے مومن ہونے کے بعد ان کو کافر قرار دیا ہے۔ہر ذی شعور اور عقلمند پر یہ بات واضح ہے کہ کفر جس طرح دل سے ہوتا ہے اسی طرح صرف عمل اور فقط بات کرنے سے بھی ہو جاتا ہے۔خواہ اس بات کا دل سے کوئی تعلق نہ بھی ہو۔

انکا قول مذہبی طور پر باطل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفریہ کلمات بیان کرکے ان کے قائلین کو کافر قرار دیتے ہوئے وعید کا مستحق ٹھہرایا ہے۔یہاں تک کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ نے صرف مجبور آدمی کو ان کفار سے مستثنیٰ کیا ہے،۔اگر کفر صرف دل کی جہالت اور تکذیب کا نام ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو مستثنیٰ قرار نہ دیتا کیونکہ ان کا اکراہ ممکن ہی نہیں،تو معلوم ہوا کہ حالت اکراہ کے علاوہ کفریہ کلمات کہنا کفر ہے(ملخص از مجموع الفتاوی ج۷/ ۵۷۷،۵۶۰)

اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ کفر کے لیے دلی انکار و استحلال شرط نہیں فرمایا! جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ ظاہر و باطن میں کافر ہے گالی دینے والا خواہ اس گالی کو حلال سمجھے یا حرام اس کا یہ اعتقاد ہو یا نہ ہو۔یہی مذہب تمام فقہاء اور تمام اہلسنت والجماعت کا ہے جو قول وعمل کے داخل ایمان ہونے کے قائل ہیں۔اور امام اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ کافر ہے خواہ وہ ان کے منزل من اللہ ہونے کا اقرار بھی کرے(الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ لابن تیمیہ ۵۱۲)۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ اس آیت ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ “اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں(ایسا نہ ہو کہ)تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو(الحجرات:۲)۔اس آیت کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ واضح نص ہے اور ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ایک ہی جملہ ان کے ایمان کو ضائع کردے گا اور صرف نبی ﷺ سے آواز کو اونچا کرنا ہی ان کے اعمال کو تباہ کردے گا خواہ حقیقتاً ان میں انکار رسالت ﷺ واسلام نہ ہی ہو کیونکہ اگر ان میں انکار ہوتا تو پھر وہ جان جاتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا(وھم لایشعرون)وہ تو شعور بھی نہیں رکھتے(الفصل ج۳/۲۲۰)۔

سابقہ کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو آدمی کفریہ قول وفعل کا ارتکاب کرتا ہے بشرطیکہ مجبور نہ ہو تو وہ ظاہر و باطن میں کافر ہے ناممکن ہے کہ ایسا آدمی کبھی بھی باطنی طور پر مومن ہو۔اور کفر کا یہ حکم انکار واستحلال پر موقوف نہیں۔کفر جس طرح دل کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح دل کے بغیر صرف قول وفعل سے بھی ہوتا ہے۔اس موقف کی مزید تفصیل اسی کتاب کے چوتھے باب میں کفر وارتداد کی تعریف پر بحث کے ضمن میں آئے گی۔

علماء نے کفریہ اعمال کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔اوپر شرعی احکام کے انکار جن کو انھوں نے دل کے انکار واستحلال کے ساتھ مشروط نہیں کیا۔اس کی مثال ابن کثیر رحمہ اللہ نے اجماع سے بیان کی ہے کہ احکام شرعیہ کو بدلنے والا کافر ہے۔وہ آدمی جو اللہ کا حکم چھوڑ کر غیر کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس کے بارے میں ابن کثیر نے فرمایا، جو آدمی خاتم النبیین محمد ﷺ بن عبداللہ پر نازل شدہ محکم شریعت کو چھوڑ کر دوسری منسوخ شرائع کی طرف فیصلہ لے جاتا ہے وہ کافر ہے۔

علماء نے بہت سے ایسے اقوال بیان کیے جن کے قائلین کو انکار واستحلال کے بغیر ہی کافر کہا گیا ہے۔ان میں بعض اسی کتاب کے چوتھے باب میں آئیں گے۔

وہ لوگ جو کفر کو دل کے عمل پر معلق کرتے ہیں ان کے اقوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا یہاں سے جہم بن صفوان اور اس کے ہمنواؤں کی غلطی واضح ہو رہی ہے، جو صرف تصدیق قلب اور علم کو ایمان قرار دیتے ہیں اور دل کے اعمال کو ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔ان کے زعم میں انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینے، ان سے دشمنی رکھنے اولیاء سے دشمنی رکھنے، اور ان کے دشمنوں سے دوستی رکھنے، انبیاء علیہم السلام واولیاء اللہ کو قتل کرنے اور مساجد گرانے کے باوجود بھی دلی طور پر مومن ہوتا ہے۔یہاں تک کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا وہ کہتے ہیں یہ تمام معصیتیں (گناہ) قلبی ایمان کے منافی نہیں، بندہ ان اعمال کے ارتکاب کے باوجود باطنی طور پر عنداللہ مومن ہی ہوتا ہے۔اور وہ کہتے ہیں ہم دنیا میں ان پر کفار والے احکام جاری کرتے ہیں کیونکہ یہ اقوال کفر کی علامت ہیں۔شیخ

الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا جب ان کے خلاف پہلے ہی کتاب وسنت اور اجماع سے بیان ہو چکا ہے کہ ان میں ہر ایک حقیقت میں کافر اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہے تو ان کے بقول یہ چیز ان کے دل سے تصدیق وعلم کے انتفاء کی دلیل ہے (مجموع الفتاوی ج ۷/ ۱۸۸، ۱۸۹)۔

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا! جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بخوشی (بغیر اکراہ) گالی دیتا ہے بلکہ جو آدمی طوعاً کفر یہ کلمات کہتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ سے استہزاء (مذاق) کرتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ آدمی ظاہر و باطن میں کافر ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ ایسا آدمی تو باطن میں مومن ہے صرف بظاہر کافر ہے۔ جبکہ جس نے یہ کفر یہ کام کیا اس کے کفر پر تو پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ '' کیا یہ لوگ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ (المائدہ: ۵۰)۔'' فَلاَ وَ رَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا '' سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ ان میں کر دیں ان پر اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں (النساء: ۶۵، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۱۳/ ۱۱۹)۔ اور امام رحمہ اللہ نے سورہ مائدہ کی سابقہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کو منکر قرار دیتا ہے جو اس کے فیصلے سے خروج کرتا ہے۔ جو فیصلہ ہر قسم کی بھلائی کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر قسم کے شر سے بچانے والا اور لوگوں کی خواہشات وآراء اور ان کی شریعت کے مقابلہ میں بے دلیل وضعی اصلاحات سے کہیں زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا جو ایسا کام کرتا ہے وہ کافر ہے اس سے اس وقت تک قتال فرض ہے جب تک وہ چھوٹے وبڑے فیصلے میں فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پلٹ نہیں آتا (تفسیر ابن کثیر ج ۲/ ۱۰۷، ط دار الفکر)

غور کیجئے کہ کس طرح ابن کثیر رحمہ اللہ نے اجماع نقل کر کے اس آدمی پر کفر کا حکم لگایا جو آدمی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے فیصلہ کرواتا ہے۔ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ (کفر کا) حکم لگانے کے لئے دل کے انکار، استحلال یا احکام شرعیہ کی تردید کو مشروط قرار نہیں دیا۔یہیں سے آپ جان لیں جو آدمی کفریہ کام کرتا ہے یا کفریہ بات کہتا ہے اگر اس کا کوئی شرعی عذر معتبر اکراہ، جہالت اور قابل عذر تاویل وغیرہ نہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔اور جو آدمی ایسے کفریہ اعمال وافعال کے فاعل وقائل پر حکم کفر دلی عمل پر موقوف کرتا ہے اس کا قول کتاب وسنت اور اجماع علماء کے صریح کے خلاف ہے وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ تکفیر سے ورع اختیار کرتے ہیں اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کو کافر کہا ہے اور اسی طرح جو آدمی شریعت اسلامیہ سے مذاق کرتا ہے یا یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھتا ہے اس کو بھی کافر کہا ہے تو وہ کہتے ہیں تمہارے بیان کردہ تمام لوگ اس وقت تک کافر قرار نہیں دیئے جاسکتے جب تک وہ یہ صراحت نہ کردیں کہ وہ ان اعمال کو حلال سمجھتے ہیں یا وہ اس کی حرمت کے انکاری ہیں۔وہ ان لوگوں کو ان اعمال کی وجہ سے اس وقت تک کافر نہیں کہہ سکتے جب تک ان سے انکار یا استحلال کی صراحت نہ مل جائے۔یہ تمام اقوال ہماری بیان کردہ سابقہ تصریحات اور اہل علم کے آئندہ آنے والے اقوال کے مخالف ہیں۔

ہمارے اس زمانے کے طاغوت، مشرکین اور مرتدین جتنا ان اقوال سے خوش ہوتے ہیں اور کسی سے ان کو اتنی خوشی نہیں ہوئی۔خاص کر جب یہ اقوال ایسے لوگوں سے صادر ہوں جو علم وفقہ کی طرف منسوب ہوں۔ایسے موقعوں پر حکام کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ باطل کو لوگوں کے سامنے مزین کر کے اور حق کا لبادہ پہنا کر پیش کریں اور یہ باور کرواتے ہیں کہ یہ اہل علم کا کلام ہے۔جبکہ درحقیقت یہ علماء سوء، حاکم اور گمراہ شیوخ باطل کا دفاع کرتے ہیں اور اس کے ارکان کو ثابت کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے خلاف احکامات کو پھیلانے میں ان کو تقویت دیتے ہیں۔اور یہ اہل حق کو اس انداز سے متہم قرار دیتے ہیں کہ جس سے وہ اس بات کے لائق معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے وہ احکام شریعت سے خارج اس کے مقاصد

واھداف سے جاہل ہیں۔جبکہ درحقیقت یہ علماءسوء،اور باطل حکمران ہی احکام شریعت سے خارج اور اس کے مقاصد واھداف سے ناواقف ہیں ۔جیسا کہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا،دین کو بگاڑنے والے بادشاہ،علماءسوءاوررہبان ہیں۔

ساتواں مسئلہ: ایمان کے بارے میں انشاءاللہ کہنا

وہ مسائل جن میں سلف صالحین سے دوسرے فرقوں نے اختلاف کیا ہےان میں سے ایک ایمان میں استثناء کا مسئلہ ہے یعنی آدمی کا یہ کہنا کہ میں انشاءاللہ مومن ہوں۔مرجئہ نے اس کومطلق طور پرممنوع قراردیاہےوہ کہتے ہیں جب کسی نے انشاءاللہ کہاتووہ شک میں مبتلا ہوگیااور جوایمان میں شک کا شکار ہوگیااس کا ایمان صحیح نہیں اوروہ کہتے ہیں کہ ایمان حتمی چیز ہے(اس کا مطلب یہ ہے کہ) آدمی کہے میں برحق مومن ہوں۔

ایمان کے بارے میں سلف صالحین کامذہب علمی احتیاط اورسوءخاتمہ کےڈرکےپیش نظرکااستثناءکاہے ۔کیونکہ ایمان کی بہت زیادہ شاخیں ہیں انسان یہ نہیں جانتا کہ اس نے تمام اجزاء ایمان کا احاطہ کرلیاہےتاکہ وہ کہہ سکےکہ میں برحق مومن ہوں یااگراس نےان (تمام اجزاء) کااحاطہ نہیں کیا تواس وقت بھی وہ پختہ طورپریہ نہیں کہہ سکتا۔اسی طرح ایسےتزکیہ نفس کااظہارکرنا کہ جس سےاللہ تعالیٰ نےمنع فرمایاہے بچاؤ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اپنے آپ ہی بہت زیادہ متقی اور پرہیزگار ہونے کادعوی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نےفرمایاہےکہ"تم اپنے آپ کومتقی قرارنہ دواللہ زیادہ جانتاہے(کہ تم میں سے کون ہے) جومتقی ہے"۔اسی طرح آدمی اللہ تعالیٰ کی تدبیرسے بھی امن میں نہیں ہےاورنہ ہی آدمی یقین کےساتھ کہہ سکتاہے کہ وہ ایمان پرہی مرےگا۔یہ تیسری وجہ مروجہ مذاہب کےبعض علماء کے نزدیک رائج ہے۔

اہلسنت اوردیگرفرقوں میں منبع اختلاف ایمان کی تعریف کااختلاف ہے۔مرجئہ کےبقول ایمان صرف

تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کا نام ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ استثناء کو ممنوع قرار دیں۔ کیونکہ اس تعریف سے استثناء ایمان میں شک قرار پاتا ہے۔ لیکن اہلسنت کے بقول ایمان قول، فعل اور اعتقاد کا نام ہے۔ وہ ذو اجزاء ہے۔ وہ بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ اس تعریف کی بناء پر سابقہ احتیاط عمل کی عدم تکمیل اور سوء خاتمہ سے تحفظ کے پیش نظر ایمان میں استثناء کرنا صحیح ہے۔ اس استثناء سے شک لازم نہیں ہوتا جیسا کہ مرجئہ کا دعویٰ ہے۔

بعض علماء جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی شامل ہیں انہوں نے معانی کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں امر استثناء اور عدم استثناء کو جائز قرار دیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب ان کلام میں ذکر ہوگا۔ جو اس کے باوجود مرجئہ کے موافق نہیں ہیں۔ ابوبکر خلال نے اپنی کتاب السنہ میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے ''ایمان میں استثناء کے بارے میں مرجئہ کا رد'' اور شیخ ابوبکر رحمہ اللہ نے فرمایا! مجھے محمد بن حسن بن ھارون نے خبر دی اس نے کہا میں نے ابوعبداللہ سے ایمان میں استثناء کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا ہاں (ایمان میں استثناء ہے) شک کے مفہوم سے ہٹ کر خوف اور عمل میں احتیاط کے پیش نظر استثناء ہے ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم نے استثناء کیا اور یہی سلف کا مذہب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ'' انشاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے (الفتح: ۲۷)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ میں تم میں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں①۔

---

①: امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الایمان باب قول النبی انا اعلمکم باللہ کے تحت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی حکم دیتے تو انہی کاموں کا دیتے جن کو وہ کر سکتے وہ عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تو نہیں ہیں آپ کے تو اللہ نے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا غصہ ہوتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرے پر غصہ نمودار ہو جاتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے (کیا تم کو معلوم نہیں) تم سب سے زیادہ پرہیز گار اور اللہ کو زیادہ جاننے والا میں ہوں اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور زیادہ جاننے والا ہوں اور ایسا کتاب النکاح میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ پرہیز گار اور اللہ کو زیادہ جاننے والا میں ہوں اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور ایسا ہی کتاب النکاح میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا زیادہ پرہیز گاری اختیار کرنے والا ہوں اس طرح کتاب الادب باب من لم یواجہ الناس بالعتاب میں ⇦

اور اہل بقیع کے بارے میں فرمایا انشاء اللہ اسی پر تم اٹھائے جاؤ گے۔

اور شیخ نے فرمایا مجھے حرب بن اسماعیل نے خبر دی اس نے کہا میں نے امام احمد سے سنا وہ اہل قبور کو سلام کہنے کے بارے میں فرما رہے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اور بے شک اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں''۔ یہ ایمان میں استثناء کی دلیل ہے کیونکہ ان سے ملنا تو ضروری ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ عزوجل نے فرمایا! اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے یہ بھی اس کی دلیل ہے کیونکہ وہ لازمی طور پر اسی میں داخل ہونے والے تھے۔ اور اس نے کہا مجھے حرب نے خبر دی اس نے کہا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایمان میں استثناء کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم بھی اسی (استثناء) کے قائل ہیں کہا گیا ایک آدمی کہتا ہے انشاء اللہ میں مومن ہوں، (کیا یہ درست ہے) کہا جی ہاں۔ اور اس نے ابو عبداللہ سے اپنی سند بیان کی اس نے کہا میں یحییٰ بن سعید القطان کو فرماتے ہوئے سنا اور میں نے اپنے اصحاب (محدثین) اور کسی اور کے بارے میں بھی یہ نہیں سنا کہ وہ استثناء کا قائل نہ ہو۔ ہمارے تمام ساتھی محدثین جن کو ہم جانتے ہیں وہ تمام ایمان میں استثناء کے قائل ہیں اور اس نے ابو عبداللہ تک اپنی سند بیان کی اس نے کہا قبرستان میں کھڑے ہونے کے وقت نبی ﷺ کا جو فرمان ہے آپ ﷺ نے فرمایا اور بے شک ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی مرنے والے ہیں۔

اور ایک صاحب قبر کے قصے میں آپ ﷺ نے فرمایا اسی پر تو زندہ رہا اور اسی پر تو مرا اور انشاء اللہ اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔

⇦ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے ایک کام کیا اور لوگوں کو رخصت دیدی کچھ لوگوں نے اس سے اعراض کیا جب نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد بیان کی پھر فرمایا لوگو! تم کو کیا ہو گیا ہے تم ایسے کام سے اعراض کرتے ہو جس کو میں نے کیا۔ اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ صحیح مسلم میں بھی ایسے مروی ہے اور مستدرک حاکم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں ان سے زیادہ متقی ہوں اور ان کی امانتوں کو سب سے زیادہ ادا کرنے والا ہوں۔ اسماعیلی نے اپنی مستخرج میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہوں اور مسند ابی یعلیٰ میں ہے مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ حدود اللہ کو جاننے والا ہوں۔ اور یہ حدیث مسند احمد، ابن حبان، طبرانی، للکائی، مسند شافعی، موطا مالک، اور التمہید لابن عبدالبر میں مختلف الفاظ سے مروی ہے)

اور نبی ﷺ کے فرمان میں ہے میں نے اپنی دعاء (شفاعت) کو چھپا رکھا ہے جو انشاءاللہ ہر اس انسان کو پہنچنے والی ہے جو شرک کیے بغیر فوت ہو گیا۔اور اس آدمی کے مسئلہ میں جس نے نبی ﷺ سے سوال کیا ہمارا ایک حالت میں صبح کرنا کہ وہ جنبی ہوتا ہے کیا وہ روزہ رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں خود یہ کام کرتا ہوں پھر روزہ رکھ لیتا ہوں۔اس نے کہا آپ ﷺ ہم جیسے تو نہیں آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

اور خلال نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) تک اپنی سند بیان کی اس (ابوعبداللہ) کو ایک آدمی نے کہا مجھے کہا گیا کیا تو مومن ہے میں نے کہا ہاں کیا اس بارے میں میری ذمہ کوئی چیز ہے؟ کیونکہ لوگ فقط مومن ہوتے ہیں یا کافر۔امام احمد رحمہ اللہ غصہ میں آ گئے اور کہا یہ تو مرجئہ کا کلام ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا!''واخرون مرجون لامر اللہ'' اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے (التوبۃ:۱۰۶)۔یہ کون ہیں؟ پھر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کیا ایمان قول وعمل کا نام نہیں؟ آدمی نے کہا کیوں نہیں اس (امام احمد رحمہ اللہ) نے کہا کیا ہم نے قول کو اختیار کر لیا؟ آدمی نے کہا جی ہاں،آپ نے کہا کیا ہم نے عمل کو اختیار کر لیا؟ اس آدمی نے کہا نہیں۔امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ تو ایمان کے بارے میں انشاءاللہ کہنے کو کیوں معیوب سمجھتا ہے؟ اور خلال نے ابوعبداللہ تک اپنی سند کو بیان کیا۔خلال نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات پہنچی انہوں نے کہا کہ مرجئہ کی ابتداء (ایمان میں) انشاءاللہ کا ترک ہے۔(السنہ لابی کبر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال/۵۹۳،۶۰۱)

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا جو آدمی ایمان میں انشاءاللہ کہنے کا قائل نہیں اس کے خلاف اہل قبور کے بارے میں رسول ﷺ کا یہ فرمان کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی ﷺ میری باری کی رات جب قبرستان جاتے تو یہ کلمات کہتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا عذاب قبر کا فتنہ،میرے بارے میں تم فتنے میں مبتلا کیے جاؤ گے اور میرے

بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا①۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں پھر انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثل بھی حدیث بیان کی۔ میرے باپ (امام احمد رحمہ اللہ) نے فرمایا ہم عمل میں اس لئے انشاء اللہ کہنے کے قائل ہیں کیونکہ ہم نے قول ادا کرلیا ہے۔ اور سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبرستان جانے کے لئے یہ کلمات سکھلائے۔ ان میں کہنے والا یہ کلمات کہتا ہے ''السلام علیکم اھل الدیار من المومنین و مسلمین و انا ان شاء اللّٰہ بکم للاحقون''......(اے مومنوں کی بستی والو تم پر سلام ہو اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم کو ملنے والے ہیں) یہاں تک کہ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میرے باپ احمد بن حنبل نے فرمایا میں نے یحییٰ بن سعید کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ ہم نے اپنے جتنے بھی ساتھی محدثین دیکھے ہیں اور جن کی آراء ہم تک پہنچی ہیں وہ سب (مسئلہ ایمان میں) انشاء اللہ کہنے کا نظریہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ایمان قول وفعل کا نام ہے۔ یحییٰ نے کہا سفیان ثوری یہ بات کہنے کا کہ میں مومن (بغیر استثناء) ہوں اس کا انکاری تھا۔ اور یحییٰ نے (ایمان میں) کمی وزیادتی کو مستحسن قرار دیا ہے اور اسی رائے کو اختیار کیا۔ اور مجھ کو میرے باپ نے کہا میں نے سفیان بن عیینہ کو فرماتے ہوئے سنا جب مومن سے اس کے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ اس کا جواب نہ دے اور کہے کہ تیرا میرے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے میں اپنے ایمان میں شک نہیں کرتا اور نہ ہی اس آدمی پر سختی کرتا ہوں جو کہتا ہے بے شک ایمان کم ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ

① : مسند احمد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت میرے دروازے پر کھانا مانگنے آئی اس نے کہا مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تم کو دجال اور قبر کے فتنے سے محفوظ رکھے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک روکے رکھا میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہودیہ کیا کہتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا کہتی ہے؟ میں نے کہا کہتی ہے کہ اللہ تم کو دجال کے فتنہ اور عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو اٹھا کر لمبا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے فتنہ دجال اور عذاب قبر سے پناہ مانگنا شروع ہوگئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کا فتنہ وہ چیز ہے کہ ہر نبی علیہ السلام نے اس طرح اپنی امت کو اس سے ڈرایا۔ وہ کانا ہوگا اور اللہ عزوجل کانا نہیں اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔ جس کو ہر مومن پڑھ لے گا اور جو قبر کا فتنہ ہے اس میں تم میرے بارے میں فتنے میں مبتلا کیے جاؤ گے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔ اس کو ابن مندہ نے الایمان میں اور امام احمد، طبرانی نے بھی تقریباً یہی حدیث براء بن عازب سے روایت کی ہے)

ایمان کے بارے میں انشاء اللہ کہہ دیتا ہے تو یہ مکروہ نہیں اور نہ ہی شک میں مبتلا ہوا ہے۔اور مجھ کو میرے باپ (احمد رحمہ اللہ) نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم کو وکیع نے بیان کیا۔وہ فرماتے ہیں سفیان ثوری نے کہا وراثت واحکام میں لوگ ہمارے نزدیک مومن ہیں۔اور ہمیں امید ہے کہ وہ ایسے ہی ہوں گے۔اور ہم یہ نہیں جانتے ہماری اللہ کے ہاں کیا حالت ہوگی۔(السنہ لعبداللہ بن احمد بن حنبل/ ۳۸، ۳۱۱)

امام آجری رحمہ اللہ نے فرمایا وہ حق پرست اہل علم جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان کی صفت یہ ہے کہ وہ استثناء ایمان کے پیش نظر تزکیہ نفس سے ڈرتے ہوئے ایمان میں انشاء اللہ کہنے کے قائل ہیں نہ کہ شک کی بناء پر شک سے ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے یا نہیں جو حقیقی ایمان کے مستحق ہیں۔اور اس لئے بھی اہل حق سے جب بھی سوال کیا گیا کیا آپ مومن ہیں؟ تو اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر ایمان رکھتا ہوں۔(الشریعۃ للآجری/ ۱۳۶)

شیخ ابن بطہ رحمہ اللہ نے فرمایا اہل ایمان کی صفات یہ ہیں کہ ان میں ایمان ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔اور وہ اپنے ایمان کے بارے میں ہمیشہ محتاط اور بہت چوکس رہتے ہیں ان کو گھبراہٹ نے گھیر رکھا ہوتا ہے۔کیونکہ وہ تزکیہ نفس سے بچتے ہیں اس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ باقی ماندہ عمر میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔اور وہ اپنے رب کے اس فرمان کی پیروی کرنے والے ہیں جس میں اس نے فرمایا اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو وہ زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔اور ان پر یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ کہیں اللہ کی تدبیر کیوجہ سے ان کا خاتمہ بالشر نہ ہوجائے یہاں تک کہ اس نے کہا اگر تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور تو جانتا ہے کہ تیرا دل تیرے رب کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہے اس کو پھیر دے تو تیرے لئے جائز نہیں کہ تو حتمی طور پر یہ کہے کہ میں کل کو مومن ہوں گا۔اور نہ حتمی طور پر یہ کہنا جائز ہے کہ کل میں کافر ہوجاؤں گا مگر یہ کہ تو اپنی بات کے ساتھ انشاء اللہ کہے۔انشاء اللہ کہنا بھی یقین میں داخل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اگر اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کے پاس

سے گزرے تو آپ ﷺ نے کہا ،اور اگر اللہ نے چاہا تو بے شک ہم ضرور تم سے ملنے والے ہیں ۔حالانکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے بھی لامحالہ فوت ہونا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ جب بھی وہ کوئی ایسی بات کہیں جس سے کوئی امید وابستہ ہو یا کوئی خوف ہو یا کسی چیز کو پسند یا نہ پسند کریں تو اس میں اللہ کی مشیئت کی شرط لگائیں۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ''وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ''اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے (انعام: ۱۸۰)۔اور شعیب علیہ السلام نے فرمایا ''وَ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ''اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو (الاعراف ۷۹)۔

اور امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا علماء سلف اور دیگر علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ انسان مطلقاً کہے کہ میں مومن ہوں یہ مذہب ہمارے بعض اصحاب سے ہمارے اکثر متکلمین اصحاب کا مروی ہے ۔اور دوسرا گروہ اس کے مطلقاً جواز کا قائل ہے۔وہ انشاء اللہ نہیں کہتے یہی مسلک مختار ہے۔اور امام اوزاعی کے نزدیک دونوں امر جائز ہیں۔تمام اعتبار سے یہ تمام مسلک صحیح ہیں۔جس نے مطلق کہنے کو اختیار کیا ہے اس نے موجودہ حالت جس حال میں اس پر ایمان کے احکام جاری ہیں اس کا اعتبار کیا ہے۔اور جس نے انشاء اللہ کہا ہے یا تو اس نے بطور تبرک کہا ہے یا اخروی انجام اور تقدیر الٰہی کا لحاظ رکھا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ ایمان پر ثابت رہے گا یا پھر جائے گا دونوں اقوال کے ماخذوں کے لحاظ سے اور حقیقی طور پر اختلاف مٹانے کے اعتبار سے اختیار والی بات بہتر اور صحیح ہے۔(شرح مسلم للنووی ج۱/۲۶۵۔ط دارالقلم بیروت)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ایمان کے بارے میں انسان کا کہنا میں انشاء اللہ مومن ہوں اس مسئلہ میں لوگوں کے تین قسم کے اقوال ہیں ۔بعض تو اس کو فرض قرار دیتے ہیں ۔اور بعض اس کو حرام قرار دیتے

ہیں بعض دونوں امر کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں طرح (قول انشاء اللہ اور عدم انشاء اللہ) کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جو لوگ اس کو حرام قرار دیتے ہیں وہ مرجئہ، جہمیہ اور ان کے ہم مثل وہ لوگ ہیں جو ایمان کو ایک ایسی چیز جس کو انسان بذات خود جانتا ہے قرار دیتے ہیں۔ جیسے رب تعالیٰ کی تصدیق یا اسی طرح کی دیگر وہ چیزیں جو اس کے دل میں ہوں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ میں اپنے مومن ہونے کو اسی طرح جانتا ہوں کہ جس طرح میں اپنے شہادتین کے اقرار کو اور فاتحہ پڑھنے کو جانتا ہوں اور جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور یہود و نصاری سے بغض رکھتا ہوں۔ تو میرا یہ کہنا کہ میں مومن ہوں، میں مسلمان ہوں ایسے ہی ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں میں نے فاتحہ پڑھی میں شہادتین کا اقرار۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ جس طرح یہ کہنا جائز نہیں کہ میں نے انشاء اللہ فاتحہ پڑھی اسی طرح یہ بھی کہنا جائز نہیں کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں ہاں اگر اس کو شک ہو تو یوں کہے میں نے یہ کام کیا ہے انشاء اللہ۔ وہ کہتے ہیں جب اس نے انشاء اللہ کہہ دیا تو وہ اس کے بارے شک میں مبتلا ہو گیا۔ انہوں نے اس کا نام شکی رکھا ہے۔

اور جو لوگ انشاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں ان کے دو ماخذ ہیں اول حقیقی ایمان تو وہی ہے جس پر آدمی کا خاتمہ ہو کیونکہ انسان عند اللہ مومن و کافر تو موت اور تقدیر الٰہی سے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔ اس سے قبل کی حالت کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں ایسا صاحب ایمان جس پر بعد میں کفر طاری ہو گیا اور وہ اسی حالت کفر میں مر گیا اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ کسی نے نماز پڑھنی شروع کی اور مکمل ہونے سے پہلے ہی توڑ دی، یا روزہ رکھا اور مغرب سے پہلے ہی افطار کر دیا۔ یہ آدمی اللہ کے علم کے مطابق کفر پر خاتمہ سے عند اللہ کافر ہے اور اسی طرح انہوں نے کفر کے بارے میں کہا ہے۔

یہ اکثر کلابیہ متکلمین وغیرہ کا مذہب ہے جو اہلسنت و محدثین کے مشہور مذہب انا مومن انشاء اللہ کے مددگار بننا چاہتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایمان میں درجہ بندی کے قائل نہیں۔ یہاں تک شیخ الاسلام

رحمہ اللہ نے فرمایا! سلف محدثین جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھی یا شاگرد ثوری، ابن عیینہ اورکوفہ کے اکثر علماء اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے جو علماء بصرہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ اہلسنت نے بیان کیا ہے کہ وہ ایمان میں انشاء اللہ کہتے ہیں۔ یہ ان سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ میں نے موت کی وجہ سے انشاء اللہ کہا ہے بلکہ ان ائمہ نے وضاحت کی ہے کہ انشاء اللہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ ایمان اپنے اور بہت سے فرض عمل کو متضمن ہے اور ہم ان تمام کو نہیں کر پاتے جس طرح کہ نیکی وتقویٰ کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ پاتے یہ انسان کی جہالت ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا تزکیہ نفس کررہا ہے یعنی اپنے آپ کو بغیر انشاء اللہ ہی مومن کہتا ہے۔

انشاء اللہ کہنے کے بارے میں دوسرا ماخذ: مطلق ایمان اللہ تعالیٰ کا بندے کو عطا کردہ تمام اوامر کے کرنے اور تمام محرمات کے ترک کرنے کو متضمن ہے۔جب آدمی کہتا ہے میں اس اعتبار سے مومن ہوں تو وہ اپنے حق میں یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ان نیک لوگوں کی صف میں شامل ہے جو اللہ کے تمام اوامر پر عمل پیرا اور تمام منہیات کا تارک ہے۔اور یہ انسان کی اپنے بارے میں ایک ایسی گواہی ہے جو کو وہ جانتا ہے۔اگر یہ گواہی صحیح ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے جنتی ہونے کا اعلان کردے بشرطیکہ اسی حالت میں مرجائے۔

اپنے حق میں جنتی ہونے کا کوئی دعویدار نہیں اپنے نفس کے بارے میں ایمان کی گواہی دینا اپنے بارے کی گواہی دینے کی طرح ہے بشرطیکہ وہ اسی حالت پر مرجائے۔یہ ان تمام علماء سلف کی دلیل ہے جو ایمان میں انشاء اللہ کہتے ہیں۔(مجموع الفتاوی ج ۷/ ۴۲۹، ۴۲۰ باختصار شدید/ ۶۶۶، ۶۶۹، وشرح العقیدة الطحاویة لابن ابی العز ۳۵۳)

میں کہتا ہوں! سابقہ دلائل اور اہل علم کے اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ میں صحیح ترین قول انشاء اللہ کہنے کا ہے۔اس سے روکنے والے مرجئہ ہیں۔جس کی بنیاد ایمان کی تعریف کے بارے میں ان کا فاسد قول ہے۔

بغیر شک کے انشاءاللہ کہنے کا جواز اور مکلّف کا کہنا میں انشاءاللہ مومن ہوں۔یہی اس امت کے ہدایت یافتہ سلف صالحین کا مذہب ہے①۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

①: بعض علماء سلف نے انسان کے لئے اس بات کو پسند کیا ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی قصد کے دوسروں سے یہ سوال کرتا پھرے کہ کیا تو مومن ہے۔عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ سفیان کو کہا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کیا تو مومن ہے؟ سفیان نے کہا مجھے اپنے ایمان میں کوئی شک نہیں اور تمہارا میرے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے (حالانکہ) میں نہیں جانتا کہ میں اللہ کے ہاں مقبول العمل ہوں یا نہیں۔عبداللہ بن احمد نے کہا اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے اس سے ایک آدمی نے سوال کیا کیا تو مومن ہے؟ ابراہیم نخعی نے کہا میں اپنے ایمان میں شکی نہیں۔اور تیرا میرے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔(دیکھئے السنہ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ج۱/ ۳۳۹)

تیسرا باب الاسلام الحکمی

حکمی اسلام: ایمان کی تعریف اور درجات

دوسرے باب میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل سنت کے ہاں ایمان قول، فعل اور اعتقاد کا نام ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ان میں کچھ شاخیں تو ایسی ہیں جو بنیاد (اصول) کی حیثیت رکھتی ہیں ایمان ان کے بغیر صحیح نہیں ہوتا اور ان میں سے بعض واجبات (فرائض) ہیں، اور بعض مستحب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان تمام اجزاء کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔وہ تمام اجزاء جو ایمان کی بنیاد ہیں ان کا احاطہ کرنا آدمی کے لیے ضروری ہے تاکہ واجبی ایمان متحقق ہو جائے جس کی وجہ سے آدمی آخرت میں جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔انشاءاللہ۔

اگر آدمی اصولِ ایمان (بنیاد) پر قائم ہونے کے باوجود فرائض میں کچھ کمی کوتاہی کرے یا محرمات میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو جائے تو یہ آدمی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور اللہ کی وعید کا مستحق ہے اگر اللہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو عذاب دیدے کیونکہ اس نے ایسے ممنوعہ اعمال کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ آدمی ایمان کی بنیاد پر قائم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کی جہنم کی آگ سے نجات پا جائے گا۔اور اگر مکلّف انسان اصول ایمان پر قائم ہونے کے ساتھ ساتھ فرائض کا پورا پورا اہتمام کرے اور محرمات سے کنارہ کش رہے لیکن بعض مستحب کاموں میں کچھ کوتاہی کر جائے تو اس کو مقتصد کہیں گے۔اور اگر آدمی ایمان کی بنیاد پر قائم ہو اور فرائض و مستحبات کا التزام کرنے والا ہو تو پھر اسکا شمار محسنین اور نیکیوں میں بڑھ جانے والوں میں ہو گا جن کے لئے بلند درجات ہیں اور یہی کامل ایمان والا ہو گا۔یہ تینوں درجات اور اقسام قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔

''ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ'' (پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنادیا جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے اُن میں سے کئی تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور کچھ (مقتصد) درمیانی راہ پر چلنے والے اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں (فاطر: ۳۲)۔ نیکیوں میں بڑھ جانے والا وہ ہے جو ایمان کے تمام فرضی اور مستحب اجزاء کا احاطہ کرنے والا ہو اور مقتصد وہ ہے جو اصول ایمان کے ساتھ فرائض کا اہتمام کرنے والا آدمی وہ ہے جو اصول ایمان پر تو قائم ہے لیکن کچھ فرائض میں کمی کرنے والا اور کچھ محرمات کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔ اور اگر وہ بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ گناہ گار ہے اور اللہ کی مشئیت کے تحت ہے اگر اللہ چاہے تو اپنی رحمت سے اسے معاف فرمادے اور اگر چاہے تو اپنے انصاف کے مطابق اس کو سزا دیدے۔ یہ تمام احکامات اخروی پیش نظر ہیں کہ جو حساب کتاب قیامت کے دن ہونا ہے اور اسے اللہ ہی جانتا ہے۔

دنیا میں ایمان کے متعلق احکام

باقی دنیا میں تو یہ احکام ظاہر کے مطابق ہوں گے مکلّف سے جیسے اقوال وافعال ظاہر ہوں گے اسی کے مطابق اس پر حکم لاگو ہوگا۔ جیسے ایک آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا اور اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی بھی دیتا ہے یا اسلامی شعائر میں سے کسی علامت کو اختیار کیے ہوئے ہے تو اس پر ظاہر کے اعتبار سے مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے۔ لیکن آخرت میں یہ ایمان اس وقت

تک قابل قبول نہیں جب تک اس کے ساتھ دلی اعمال ،اخلاص وصدق اورانابت الی اللہ اوراللہ کی خشیت شامل نہ ہواس لحاظ سے دنیا اورآخرت کے احکامات میں فرق ہے①۔

ظاہری اور حقیقی ایمان میں فرق

دنیاوی احکامات کی بنیاد ظاہری اقوال واعمال پر ہے کیونکہ یہ ایک محدود چیز ہے جس کی پہچان انسان کی طاقت میں ہے لیکن دل کے حالات کی معرفت چونکہ انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لیے اس پر دنیاوی احکامات منطبق نہیں ہوں گے۔کسی کے دل کی حقیقت تو سینوں کے چھپے راز جاننے والی ذات ہی جانتی ہے۔اسی لیے اللہ کے احکامات ظاہری اور حقیقی طور پر لاگو ہوں گے کیونکہ اللہ تو آنکھوں کی چھوٹی سے چھوٹی خیانت اوردل میں چھپی باتوں کو جانتا ہے۔جس طرح اللہ ظاہری اعمال کا محاسبہ کرے گا اسی طرح دلی معاملات کا محاسبہ بھی اللہ ہی کرے گا۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دنیا اورآخرت کے احکامات میں فرق بیان کرتے ہوئے معاویہ بن حکم کا اپنی لونڈی کوآزاد کرنے والی اس حدیث② پراپنی تعلیق میں فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کے ظاہری ایمان جس کے متعلق ظاہری احکامات ہی ہیں کے بارے میں گواہی دی تھی کہ یہ مومنہ،مسلمہ ہے۔اسی طرح جس آدمی کے متعلق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یہ مومن ہے اس کو مال دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

①:اس مسئلہ میں اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اگرکسی شعائر اسلام میں سے کوئی ایک یا زیادہ علامت ظاہر ہوں تو اس کو ظاہری طور پر مسلمان سمجھا جائے گا مگر باطنی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جو اس کا قیامت کے دن حساب لے گا۔اسی بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی کے صرف شہادتین کے اقرار سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اس کے باطن میں بھی ایمان ہے یا نہیں۔اوراسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی کے متعلق کہا تھا کہ وہ مومن ہے یا مسلم۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ’’ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُن ...... ‘‘(الممتحنہ:۱۰) ۔یہ آیت بھی واضح کرتی ہے کہ صرف ظاہری ایمان جو کہ باطنی ایمان پر دلالت نہیں کرتا۔(مجموع الفتاویٰ ج۷/۵۸۱)

②:صحیح مسلم میں روایت ہے کہ معاویہ بن حکم نے اپنی لونڈی کے چہرے پر تھپڑ مارا جس پر وہ بعد میں نادم ہوئے تو انہوں نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کو بلوالیا اوراس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے اس نے جواب دیا آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میں کون ہوں تو اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے)

تھا کہ یہ مومن ہے یا مسلم حالانکہ وہ اس لونڈی سے ظاہری ایمان میں زیادہ تھا اصل میں یہاں مراد حقیقی ایمان ہے اور لونڈی کے معاملے میں مراد ظاہری ایمان ہے۔تو ضروری ہے کہ ایمان والوں کے ظاہری احکامات جن کے مطابق دنیا میں فیصلہ ہوتا ہے اور جزاء وسزاء کے اخروی احکامات میں فرق کیا جائے۔(مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۲۱۵)

اسی طرح شیخ الا اسلام رحمہ اللہ نے فرمایا وہ ایمان جس کے متعلق دنیاوی احکامات ہیں وہ ظاہری ایمان ہے ۔ظاہری احکامات کے اعتبار سے اسلام اور ایمان ایک چیز کا نام ہے ۔اسی لیے امام الاثرم رحمہ اللہ نے جب امام احمد رحمہ اللہ کے سامنے مرجئہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (**اعتقها فانها مومنة**، اس کو آزاد کر دے یہ مومنہ ہے) سے دلیل لینا بیان کیا تو امام احمد نے حدیث کی یہ توضیح کی کہ اس سے مراد اس کا دنیاوی حکم مومنہ عورتوں والا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہ تھی کہ یہ اللہ کے ہاں بھی اسی طرح مومنہ ہے جو صرف اس اقرار سے جہنم کے بغیر جنت میں داخل ہو جائے گی۔(مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۴۱۶)

اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ' کفر و ایمان کے مسائل کے بارے میں بحث کرنے والے بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اہل خواہشات (اہل الاھواء) کی تکفیر کو ملحوظ نہیں رکھا اور نہ ہی انہوں نے ظاہری و باطنی احکام میں فرق کیا ہے حالانکہ یہ فرق متواتر نصوص اور مسلمہ اجماع سے بھی ثابت ہے بلکہ اضطراری حالت میں تو یہ دین اسلام یہ فرق واضح طور پر معلوم ہوتا ہے ۔(مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۶، ۴۷۲، ۶۱۰)

اور شیخ حافظ حکمی رحمہ اللہ نے فرمایا اے میرے بھائی تو جان لے' اللہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے اس دین کے التزام کی طرف کہ جس کی وجہ سے دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات ممکن ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کامیابی کے ساتھ جنت میں داخل اور جہنم سے دور کیا جائے گا۔

ظاہراور باطن میں فرق اور حکمی اسلام

درحقیقت تمام وہ چیزیں جو حدیث جبریل یا اسی مفہوم کی آیات واحادیث میں بیان ہوئی ہیں کی رو سے اگر کوئی صرف ظاہری ایمان رکھتا ہے اور ظاہر کے خلاف کوئی عمل (شرک یا کفر) کا ارتکاب نہیں کرتا تو دنیا میں اس پر مسلمانوں والے احکام لاگو ہوں گے اور اس کا باطن اللہ کے سپرد ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا''فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ''اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو(التوبہ:۵)۔اور دوسری آیت میں فرمایا''فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ '' وہ تمہارے دینی بھائی ہیں (التوبہ:۱۱)۔اور اس کے علاوہ بھی بے شمار آیات ہیں۔(معارج القبول الشیخ حافظ احمد حکمی رحمہ اللہ ج ۲/ ۳۷)

سابقہ کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیاوی اور اخروی احکامات میں فرق ہے۔دنیاوی احکامات ظاہر کے مطابق ہوں گے جبکہ اخروی احکام ظاہر و باطن دونوں پر منطبق ہوں گے۔اور دنیاوی احکام کے لحاظ سے بے شک کچھ اقوال وافعال ایسے ہیں کہ جو ان کو اپنائے گا اس کے ظاہری ایمان کا اعتبار کیا جائے گا ۔اسی کو حقیقی ایمان کے مقابلے میں حکمی ایمان کہتے ہیں۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے شہادتین کا اقرار آدمی کے مسلمان ہونے کی دلیل وعلامت ہے جب کوئی آدمی اس کو اختیار کرے گا تو دنیا میں ظاہری احکام کے مطابق وہ مسلمان ہوگا اور پھر اسلام کے باقی احکامات پر اس کو پابند کیا جائے گا۔اس کو حکمی وظاہری اسلام یا ایمان کہتے ہیں یعنی جس پر دنیا میں اسلام کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔لیکن اس کے علاوہ جو باقی اقوال وافعال ہیں اس میں (علماء وفقہاء) میں بہت اختلاف ہے اس باب میں انشاءاللہ ہم دلائل اور علماء کے اقوال سے بیان کریں گے کہ اصلی کافر اگر مسلمان ہونا چاہے اور مرتد اگر دوبارہ توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونا چاہے تو وہ کیا واجبات ادا کرے گا اور وہ کون سی چیزیں ہونگی جو اس کے اسلام کی علامت اور دلیل ہوں گی اس بارے

میں راجح موقف کیا ہے اس کی بھی وضاحت کریں گے۔کتاب وسنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ کچھ اقوال وافعال ایسے ہیں جو ان کو اپنائے گا اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا۔مثلاً شہادتین ،نماز،مکمل حج ،زکوۃ،اذان،مسلمانوں کوسلام کہنا،تکبیر(اللہ اکبر کہنا) کسی بستی میں مسجد کا ہونا اوراس کے علاوہ ایسے کام جوصرف ہماری شریعت کے ساتھ خاص ہیں اور باقی شرائع وادیان سے متمیز کرنے والے ہیں جو آدمی ان میں سے کسی چیز کواختیار کرے گا اس پر ظاہری اسلام کا حکم لگایا جائے گا اگر چہ اس میں اس کے علاوہ دیگر علامات وقرائن نہ بھی ہوں۔یہ تمام احکام اس وقت ہوں گے جب ان کے خلاف کفر یا شرک اکبر نہ ہواوراگران علامات وقرائن کے باوجود کفر یا شرک اکبر پایا گیا تواس وقت ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔کیونکہ اسلام کے ساتھ جب شرک اکبر ملتا ہے تو شرک کا حکم غالب ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' **وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** ''یقیناً آپ ﷺ اورآپ ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو بلاشبہ تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے(الزمر:٦٥)۔اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:''**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ** ''یقیناً اللہ شرک معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جتنے گناہ جس کے چاہے گا معاف کردے گا(النساء:٤٨)۔

شیخ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس آیت''**افحکم الجاهلية يبغون** ''کی تفسیر پر اپنی تعلیق میں اس معنیٰ کو بیان کیا ہے فرمایا اوراسی کی مثل بلکہ اس سے بھی بدتر لوگ وہ لوگ ہیں جو انگریز کے(فیصلوں) کلام کوقوانین بناتے ہیں اوراپنی عزت اور جان ومال کے فیصلے اس کی طرف لے جاتے ہیں اوران قوانین کو کتاب اللہ اورسنت رسول ﷺ پر مقدم کرتے ہیں ایسے لوگ بلاشبہ کافر ہیں اورمرتد ہیں جب تک وہ اس پر اڑے ہوئے ہیں اوراللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کی طرف نہیں لوٹتے یہ اپنا کوئی بھی نام رکھ لیں نماز،روزہ،وغیرہ جومرضی کرتے چلے جائیں وہ ان کو کوئی نفع نہیں دے گا۔(فتح

المجید/۴۰۶ طبع المکتبة التجاریہ بمکہ)

اسلام کی علامات وقرائن

اسلام کی علامات وقرائن کے بارے میں احادیث اور اہل علم کے بیان سے قبل ہم ایک مسئلہ ''صحت وعمل کا اثبات علامات وقرائن سے'' ذکر کرتے ہیں جن کا نام بعض علماء نے السیما یعنی علامت رکھا ہے ۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایک علامت ہے کبھی اس کو ممدود بھی پڑھا جاتا ہے ہے اور کبھی السیما بھی کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(تعرفهم بسيماهم) آپ ان کو ان کی علامات سے پہچان لیں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ علامت آدمی کے ظاہر کا اعتبار کرنے میں موثر ہوتی ہے۔حتیٰ کہ مملکت اسلام میں اگر کسی ایسے نامعلوم مردہ شخص کو دیکھا جائے کہ جس نے (زنار) دھاگے سے بٹا ہوا بیلٹ پہن رکھا ہو اور اس کے ختنے بھی نہ ہوں تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا،اکثر علماء کے قول کے مطابق ان علامات مملکت اسلام کے حکم پر مقدم کیا جائے گا۔(تفسیر قرطبی ۳۴۶ طبع دارالحدیث راجع ج۴/۱۵۴)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان '' وَّ اَعۡیُنُهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ'' اور ان کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں (التوبہ ۱۲) ۔کی تفسیر میں فرمایا اس آیت سے حالات کے قرائن پر استدلال کیا گیا ہے ان میں تو کچھ تو ایسے ہیں جو علم یقینی کا فائدہ دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو تردید کا احتمال رکھتے ہیں ۔یقینی علم کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی ایسے گھر کے پاس سے گزرتا ہے جس میں موت کی خبر پھیلی ہوئی ہے اور رخساروں کو پیٹا جا رہا ہے اور بالوں کو مونڈھ دیا گیا ہے اور رونے کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور گریبانوں کو چاک کیا جا رہا ہے اور گھر میں کسی کی ہلاکت کی منادی ہو رہی ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فوت ہو گیا ہے۔دوسرے قرینہ کی مثال یتیم بچوں کا حکام کے دروازوں پر آنسوں بہانا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے

فرمایا ''وَجَآءُوْ آ اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ '' وہ رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے (یوسف:١٦) ۔حالانکہ وہ جھوٹے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا '' وَجَآءُوْا عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ کَذِبٍ '' وہ اس قمیض پر جھوٹا خون لگا کر لائے (یوسف:١٨) ۔اس کے باوجود کچھ ایسے قرائن ہیں جن کے ساتھ اکثر استدلال کیا جاتا ہے اور ظاہری حالات کی بناء پر گواہیوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے ۔اور شاعر نے کہا ! جب رخساروں پر آنسو بہتے ہیں ،تو واضح ہوجاتا ہے کہ رونے والوں میں (حقیقتاً) کون رویا ہے۔(تفسیر القرطبی ج۸/۲۳۰)

ابن فرحون مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کی قمیص کے پھٹنے کا قصہ بیان ہوا ہے اور اس کو گواہی کے قائم مقام رکھا گیا ہے ابن الفرس فرماتے ہیں اس آیت سے ان علماء نے دلیل پکڑی جو دلائل کی عدم موجودگی میں علامات ونشانات کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہیں ،اللہ تعالیٰ نے فرمایا' وہ اسکی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے یہ بھی مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر اپنے باپ کے پاس لائے تو یعقوب علیہ السلام نے اس کو غور سے دیکھا لیکن نہ تو پھٹا ہوا تھا اور نہ ہی اس میں دانتوں کے نشانات تھے اس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ جھوٹے ہیں اور اس نے ان کو کہا بھیڑیا اتنا سمجھ دار کب ہوگیا کہ اس نے یوسف علیہ السلام کو تو کھالیا لیکن اس کی قمیص کو نہ پھاڑا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا جب انہوں نے خون کو اپنی صداقت کی دلیل بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسی قمیص کا صحیح وسالم ہونا ان کے جھوٹا ہونے کی علامت بنادی تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے صحیح ہونے سے ان کے جھوٹا ہونے پر استدلال کیا۔اسی آیت سے فقہاء نے بے شمار فقہی مسائل میں اعمال کا علامت پر استدلال کیا ہے۔اور اسی کو دلیل کے قائم مقام قرار دیا ہے یہاں تک کہ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا اسی قسم کا غزوہ بدر میں بنی عفراء کا وہ واقعہ بھی ہے جب دو چھوٹے بھائیوں نے ابوجہل کو قتل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی تلواریں دکھلاؤ، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو دونوں میں سے ایک کی تلوار پر خون لگا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی ابوجہل کا قاتل ہے اور

اس کے مسلوبہ مال کا فیصلہ بھی اسی کے حق میں کیا۔ آپ ﷺ نے تلوار کے نشانات پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ابن ابی الحقیق کے قتل کے قصہ میں ہے کہ جب نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم رات کے وقت اسکے گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس پر اپنی تلواروں کے وار کیے تو ایک صحابی نے اپنی تلوار کو اس کے پیٹ میں گھونپ دیا یہاں تک کہ وہ اس کی پشت کی جانب نکل گئی۔ نبی ﷺ نے ان کی تلواروں کو غور سے دیکھا تو جس کی تلوار میں کھانے کے ذرات دیکھے فرمایا یہ اس کا قاتل ہے ①۔ اور اس کے قاتل ہونے کا فیصلہ دیا اور اس کو گواہی کے قائم مقام ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ شیخ نے فرمایا! جب حق غالب آ گیا اور انصاف کا یہ طریقہ واضح ہو گیا تو اسی سے یہ اللہ کی شریعت اور دین قرار پا گیا۔ (تبصرہ الحکام لابن فرحون المالکی ج ۱/ ۲۴۷،۲۴۴)

شیخ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا، قرائن سے عمل منسوخ نہیں ہوتا اور قسامہ کے احکام جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں وہ اسی مسئلہ سے متعلق ہیں اور قرائن کے مطابق عمل ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ طریقہ ہے اور اس کی مثال فتح خیبر سے حاصل شدہ فوائد ہیں۔ اور شیخ نے فرمایا کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ دعویٰ کے صحیح اور باطل ہونے میں قرائن سے استدلال لیا جائے گا اس کی دلیل نبی ﷺ کا عامل کو یہ کہنا کہ مال ختم ہو گیا ہے۔ اصل میں اہل خیبر سے معاہدہ ہوا تھا کہ کسی بھی چیز کو غائب نہیں کریں گے وگرنہ ان کے لئے کوئی

---

①: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنحضرت ﷺ نے ابورافع کی طرف (اسکو مارنے کو) عبداللہ بن عتیق اور عبداللہ بن عتبہ اور کئی آدمیوں کو ان کے ساتھ بھیجا جب یہ لوگ اس کے قلعے کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو کہا کہ یہاں ٹھہرو میں دیکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئے اور اندر داخل ہونا چاہا تو اتنے میں قلعہ والوں کا گدھا گم ہو گیا اور وہ روشنی لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلے میں ڈرا کہیں مجھے پہچان نہ لیں میں چھپ گیا اب دربان نے آواز دی کہ جسے اندر آنا ہے آ جائے میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں یہ سن کر میں اندر داخل ہو گیا اور جہاں گدھے تھے وہاں چھپ گیا قلعہ والوں نے ابورافع کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو گئے دربان نے دروازہ بند کیا اور چلا گیا میں نے دروازے کی کنڈی کھول دی تاکہ کسی کے جاگنے پر بھاگ سکوں اور لوگوں کے گھروں کے دروازے باہر سے بند کر دیئے مجھے ابورافع کے ٹھکانہ کا پتہ نہیں تھا اور اندھیرا تھا میں نے ابورافع کو آواز دی اس نے کہا کون ہے میں آواز کی طرف لپکا اور اس پر تلوار سے وار کیا لیکن بے سود رہا اس کے بعد میں نے اور وار کیے وہ نیچے گرا میں نے اس کے پیٹ میں تلوار گھونپ دی اور وہاں سے بھاگا اور گر گیا میرے پاؤں میں چوٹ لگی میں بہت مشکل سے اپنے ساتھیوں تک پہنچا اور انہیں کہا کہ نبی ﷺ کو جا کر خوشخبری سنا دو میں نے ابورافع کو قتل کر دیا میں نے کہا میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خبر دینے والے کی آواز نہ سن لوں صبح ہوئی تو اس کی موت کا اعلان ہو گیا میں وہاں سے چل دیا اب میرا پاؤں ٹھیک تھا اور میں اپنے ساتھیوں سے جا ملا اور آنحضرت ﷺ کو خود کو خوشخبری سنائی (صحیح بخاری، مسلم۔ بیہقی۔ احمد۔ طبرانی)

عہد و پیمان نہ ہوگا تو انہوں نے حیی بن اخطب کا ایک مشکیزہ جس میں مال و زیورات تھے اس کو چھپا لیا جب نبی ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا تو عامل نے کہا جنگ و اخراجات کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا تو اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا عرصہ بہت تھوڑا گزرا جبکہ مال اس سے کہیں زیادہ تھا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جب دو عورتیں ایک بچے کے معاملہ میں جھگڑتی ہوئی آئیں دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ بچہ میرا ہے جبکہ جس عورت کے بچے کو بھیڑیا کھا گیا تھا اس کی ماں بڑی تھی داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ بچہ اس کا ہے۔ پھر وہ دونوں سلیمان علیہ السلام کے پاس چلی گئیں، انہوں نے پوچھا اللہ کے نبی علیہ السلام نے تمہارا کیا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بتایا تو سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے پاس ایک چھری لاؤ میں اس بچے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا کر دیتا ہوں چھوٹی عورت بولی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کرنا بچہ اسی کا ہے آپ علیہ السلام اسے ہی دے دیں تو سلیمان علیہ السلام نے وہ بچہ چھوٹی عورت کو دیدیا سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اس (چھوٹی) عورت کے دل میں بچے سے پیار و محبت اور اس کے قتل کو برداشت نہ کرنے کے جذبات ہیں جبکہ بڑی عورت کو اس کے قتل کی کوئی پرواہ نہ تھی اور وہ چاہتی تھی کہ بچہ قتل ہو جائے تاکہ یہ بھی اپنا بچہ کھو کر میرے جیسی ہو جائے ان قرائن سے استدلال کرتے ہوئے سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی عورت کو دیدیا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے قصہ میں شاہد کا یوسف علیہ السلام کی قمیص کے پیچھے سے پھٹنے پر یوسف علیہ السلام کے سچے اور امراۃ العزیز کے جھوٹی ہونے پر استدلال کرنے کو بیان کیا ہے کہ وہ (یوسف علیہ السلام) منہ موڑ کر بھاگ رہے تھے، عورت کے پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ لہٰذا اس کے خاوند اور موجود تمام لوگوں پر یوسف علیہ السلام کی سچائی واضح ہو گئی، اور انہوں نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا اور عورت کو قصور وار ٹھہرایا اور اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا اللہ نے قصہ کو کو ایک ثابت شدہ حقیقت (جس کا کوئی منکر نہیں) کے طور پر بیان کیا۔ یہ اور اس کے ہم مثل واقعات کی پیروی جن کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت بیان نہیں کیا بلکہ ایک مسلمہ حقیقت کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ قران کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ قصے

بے مقصد بیان نہیں کیے بلکہ ان سے مراد علم وحکمت کی باریکیاں سمجھانا ہے جن کو دلیل بنا کرامت اپنے مسائل حل کرسکتی ہے۔ اگر ہم قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ایسی مثالیں تلاش کرنا شروع کردیں تو یہ موضوع بہت لمبا ہوجائے گا۔ اس بحث کا اصل مقصد نبی ﷺ کی سیرت کے واقعات سے احکام اخذ کرنے کی تنبیہ کرنا ہے۔ (زادالمعاد/ ١٤٦ء، موسسة الرسالہ ج ٣/ ١٥٠)

یہ علامات وقرائن کے ذریعہ عمل کے صحیح ہونے کا خلاصہ تھا، جو اس بارے میں مزید تفصیل چاہتا ہے وہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب الطرق الحکمیہ کا مطالعہ کرے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ایسی اشیاء بیان کی ہیں جو بیمار کے لیے تندرستی اور پیاسے کے لیے سیرابی ہیں۔

قرآن وسنت میں اسلام کی علامات وقرائن کے دلائل بے شمار ہیں جن میں سے چندایک درج ذیل ہیں ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ’’وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ‘‘ اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تمھیں سلام علیک کرے تم اسے ایمان والا نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں تم دنیاوی اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں (النساء: ٩٤)۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کا ایک لشکر ایک آدمی سے ملا جس کے پاس کچھ بکریاں تھیں اس نے السلام علیکم کہا یا اس نے کلمہ توحید پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا تو لشکر والوں میں سے ایک نے اسے قتل کردیا۔ جب وہ واپس آئے تو انھوں نے نبی ﷺ کو یہ بات بتائی آپ ﷺ نے فرمایا اس کے مسلمان ہونے کے باوجود تو نے اس کو قتل کیوں کیا؟ اس نے کہا اس آدمی نے قتل سے بچتے ہوئے کلمہ پڑھا تھا۔ نبی ﷺ کے فرمایا، کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ آپ ﷺ نے مقتول کے ورثاء کو اس کی دیت اور بکریاں ادا کیں۔ (رواہ احمد وترمذی وقال حسن صحیح، والحاکم وقال صحیح الاسناد، صحیح البخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے قریب قریب الفاظ مروی ہیں)

یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو آدمی مسلمانوں والا سلام کہتا ہے یا شہادتین کی گواہی دیتا ہے اس پر

اسلام کا حکم لگانا صحیح ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے سلام کہنے کے باوجود مقتول ہونے پر اس کو قاتل کو ناراض ہو کر ڈانٹا ہے اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ ﷺ نے اس مقتول کو مسلمان قرار دیا کیونکہ آپ ﷺ نے اس کے اہل خانہ کو اس کی دیت ادا کی تھی۔اور ان کی بکریاں ان کو واپس کی تھیں۔اور نبی ﷺ نے فرمایا، مجھے لوگوں سے قتال (لڑائی) کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ صرف اللہ ہی معبود ہے جب وہ اس کا اقرار کرلیں گے۔تو انہوں نے اپنے خون واموال مجھ سے محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔(رواہ البخاری ومسلم، الترمذی، نسائی، احمد وابن ماجہ، وابن حبان والطبری، والبیہقی فی السنن والاعتقاد، ابن ابی شیبہ ابویعلیٰ والشافعی فی مسندہ، یہ حدیث ابن عمر، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، بقول امام سیوطی یہ حدیث متواتر ہے)

اس حدیث میں بھی خون ومال کی حفاظت کا بیان ہے اور نبی ﷺ نے توحید ورسالت کی گواہی کو خون ومال کیلئے محافظ قرار دیا ہے۔اگر چہ اس کا باطن اس کے برعکس ہی ہو، باطنی معاملات اللہ کے ذمہ ہیں ،دنیا میں ظاہر کے مطابق احکام جاری ہوں گے اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا انکا حساب اللہ کے ذمہ ہیں اگر یہ اپنے باطن میں ظاہر کے برعکس ہوں گے تو ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے وہی ان کا حساب کرے گا۔

عبداللہ ابن انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنے کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے اس کو اجازت دیدی اس نے آہستہ سے ایک منافق آدمی کے قتل کی اجازت مانگی نبی ﷺ نے اونچی آواز میں کہا کہ وہ (لا الہ الا اللہ) اللہ ایک ہے کی گواہی نہیں دیتا اس نے کہا کیوں نہیں لیکن اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا وہ محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی نہیں دیتا اس نے کہا کیوں نہیں لیکن اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا اس نے جواب دیا کیوں نہیں لیکن اس کی نماز کا بھی کوئی اعتبار نہیں تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے

قتل سے مجھے منع کیا گیا ہے۔(مسند احمد،السنن الکبریٰ،موارد الظمآن للہیثمی ،مسند شافعی ،موطا امام مالک،تعظیم قدر الصلاۃ محمد ابن نصر المروزی،التمہید لا بن عبدالبر مذکورہ تمام کتب میں یہ حدیث عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح ہیں)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے اس کو ترک کیا اس نے کفر کیا ۔(رواہ احمد والترمذی وقال حدیث صحیح غریب ،ورواہ النسائی وابن حبان والہیثمی عن بریدہ باسناد صحیح ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال ہذا حدیث صحیح الاسناد)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے آدمی کے کفر وشرک کے درمیان (فرق) نماز کا چھوڑنا ہے۔(رواہ مسلم وترمذی ،ابوداؤد،نسائی ،احمد،ابن ماجہ،وابن حبان والہیثمی وابوعوانہ وابن ابی شیبہ،والطبرانی)

سابقہ احادیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ نماز یا شہادتین کا تارک مسلمان نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کفر واسلام کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت فرمائی ہے اس کی جو آدمی نماز پڑھتا ہے اس کا خون کسی کے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ وہ اس حالت میں مسلمان ہے اور اس کا خون محفوظ ہے جب تک وہ یہ عہد (نماز والا) نہیں توڑتا۔

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کافر آدمی سے میرا ٹکراؤ ہو جائے اور وہ مجھ سے لڑنے لگ جائے اور اپنی تلوار سے میرا ایک بازو کاٹ دے پھر وہ درخت کی اوٹ میں پناہ لے لے اور کہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو کیا میں اس سے لڑائی کروں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل نہ کرنا اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو قتل کرنے سے پہلے تو جس مقام پر تھا وہ اس مقام پر ہوگا (یعنی وہ مسلمان ہوگا) اور تو اس کے مقام پر ہوگا جو اس کا مقام کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والبیہقی وابن حبان وشافعی مسند ابن ابی شیبہ والبزار والطبرانی عن المقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا وہ مسلمان ہے اس کا خون محفوظ ہے

اس کا قتل کسی کے لئے جائز نہیں اور نہ ہی اس کا خون کسی کے لئے حلال ہے بشرطیکہ یہ اپنے کسی کفریہ قول یا فعل سے اس عہد کو توڑ نہ دے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسلمان بنی عقیل کے ایک آدمی کو پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو یہ کلمہ اس وقت کہہ دیتا جب تو اپنے معاملہ کا مالک تھا تو تو مکمل طور پر فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا۔ (رواہ مسلم، ابوداؤد واحمد، شافعی، ابن حبان، بیہقی وابوعوانہ عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ ہی معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کے بعد وہ آدمی مر گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کہا اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے والی بنو①۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا اس حدیث میں وہاں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے حکم تھا کہ وہ بیمار آدمی کے معاملہ کے والی بنیں، کیونکہ وہ توحید و رسالت کی گواہی کی وجہ سے انکا بھائی بن چکا تھا اور بیماری کی شدت کی وجہ سے فوت ہو گیا۔

---

①: (ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی کو آگ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے پاس یہودیوں کے کلیساء میں گئے۔ دیکھا کہ یہودی ایک مریض کے پاس تورات پڑھ رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہو کر سنتے رہے یہاں تک کہ تورات میں وہ مقام آیا یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں مذکور تھیں تو انہوں نے اس مقام کو نہ پڑھا اپنے ہاتھ سے اس کو چھپاتے ہوئے رک گئے تو اس قریب الموت مریض نے کہا کہ یہاں تم اس لئے ٹھہر گئے ہو کہ یہاں اس نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کی امت کی نشانیاں ہیں یہ کہہ کر اس نے تورات خود پکڑی اور اس مقام کو پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لایا۔ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ شہادت دیتے ہی اس کی موت واقع ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ الفاظ کہے کہ اپنے بھائی کے لئے اٹھو اور اس کے وارث بنو (یعنی اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو) اس حدیث کو احمد، طبرانی، ابویعلیٰ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک غلام بچے کی بیمار پرسی کے لئے گئے اس کے سرہانے بیٹھے اور فرمایا کہ تو مسلمان ہو جا وہ بچہ پاس بیٹھے اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا جس نے اس سے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے تو ابوالقاسم کی بات مان لے تو وہ مسلمان ہو گیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے وہاں سے باہر نکلے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو دوزخ سے بچا لیا (صحیح البخاری کتاب الجنائز)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ جس میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر بنی جذیمہ کی طرف گئے تو یہ قوم اچھے انداز سے نہ کہہ سکی کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں بلکہ انہوں نے کہا صبانا صبانا (ہم نے مذہب تبدیل کرلیا، ہم نے مذہب تبدیل کرلیا) اور اچھے طریقے سے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار نہ کرسکے (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنی ہدید سے جنگ میں اہل قبیلہ کو قتل کرنا شروع کردیا حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنا دین بدل لیا اپنا دین بدل لیا (یعنی انہوں نے صراحتاً اسلام کی شہادت نہ دی) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ اے اللہ میں خالد بن ولید کے اس کام سے بری ہوں) خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے ان کو قتل کردیا اور قیدیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیدیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو ناپسند کیا اور ان کی دیت ادا کی ۔ یہ اور اس سے پہلی حدیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ جس آدمی نے شہادتین کا اقرار کرلیا صریح لفظوں میں یا اس کے مثل کوئی اور عمل شرعی کی دلیل پیش کی تو وہ مسلمان ہے کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس پر زیادتی کرے یا اس کے خون کو حلال سمجھے مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی قوم پر حملہ کرنا ہوتا تو جب تک صبح نہ ہوجاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ نہ کرتے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سن لیتے تو حملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صبح کے بعد حملہ کردیتے۔ (رواہ بخاری ومسلم وابوداؤد وابن حبان وابوعوانہ والشافعی، والبیہقی وابن ابی شیبہ والدارمی کلھم عن انس)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے بعد حملہ کرتے ورنہ اذان کی طرف متوجہ ہوتے اگر اذان سن لیتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے وگرنہ حملہ کردیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ انسان فطرت اسلام پر ہے پھر اس نے کہا اشھدان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ ہی معبود ہے) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو آگ سے آزاد ہوگیا۔ (رواہ احمد، مسلم، الترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، البیہقی، ابوعوانہ عن انس)

عاصم المزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مسجد دیکھو یا تم موذن کو سنو

وہاں کسی کو بھی قتل نہ کرنا۔(رواہ الترمذی ،ابن ماجہ ،ابوداؤد،ابن حبان ،البیھقی ،والبزار،ابن ابی شیبہ،الطبرانی،وقال الترمذی حسن غریب الھیثمی رواہ الطبرانی قال حسن وقال ترمذی ھذاالحدیث واسنادھماافضل من اسنادہ)

یہ دونوں احادیث بھی مذکورہ بات کومزید پختہ کرتی ہیں کہ جس آدمی نے شہادتین کا اقرار کیا وہ مسلمان ہےاور جس شہر میں اذان ہوگی یا وہاں کے لوگ مسجد میں نماز ادا کریں گےاس شہر کو مسلمانوں کا شہر شمار کیا جائے گا جب تک وہ اپنے اس عہد کو توڑ نہیں دیتے کیونکہ نبی ﷺ نے منافقین کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ان کو قبول کر لیتے تھے اوران کے باطن کو اللہ پر چھوڑ دیتے تھے حالانکہ وہ اپنے دلوں میں کفر رکھتے تھے۔مزید کچھ دلائل اہل علم کے اقوال میں بھی آئیں گے۔انشاءاللہ

امام شافعی رحمہ اللہ نے وہ باتیں بیان کرتے ہوئے کہ جن سے کافر آدمی مسلمان ہوجاتا ہےفرمایا ایمان کا اقرار دوطریقوں پر ہے جوآدمی بت پرست یا بے دین ہے جب وہ گواہی دے کہ(لا الٰہ الا اللہ) کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کہ اورمحمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو اس نے ایمان کا اقرار کرلیااور جب وہ اس (عقیدہ) سے پھر جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو آدمی یہود ونصاریٰ کے دین پر ہے یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مدعی ہیں حالانکہ انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا ہوا ہے جبکہ اللہ نے ان کی شریعت میں ہی محمد ﷺ کی اتباع کا عہد لیا تھا اورانہوں نے اپنے اس عہد کو جھٹلایا اور نبی ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جواپنے دین پر قائم ہونے کے باوجود اللہ کے معبود برحق ہونے اورمحمد ﷺ کے رسول ﷺ ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں لیکن ہماری طرف مبعوث نہیں ہوئے اگرکوئی ایسی بات کہتا ہے کہ میں اللہ کے معبود ہونے اورمحمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں تو اس آدمی کا اقرار اس کے ایمان کو مکمل نہیں کرے گا جب تک وہ یہ نہیں کہتا کہ محمد ﷺ کا دین برحق ہےاور سب پر ماننا ضروری ہے۔اور میں ہر اس دین سے لاتعلق ہوں جو محمد ﷺ کے دین اسلام کے مخالف ہے جب وہ یہ اقرار کرے گا تب اس کا ایمان کا اقرار مکمل ہوگا۔اگر وہ اس سے اعراض کرے گا تو اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک

ہے وگرنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (کتاب الام للشافعی ج ۶/ ۱۵۸)

امام شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا مرتد جب توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی خواہ اس کے ارتداد کا کفران کے متبعین میں اعلانیہ ہو یا مخفی ہو۔ جیسے زندیقیت کا اظہار اور صفات باری تعالیٰ کا انکار۔ کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ ہی معبود ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ اس چیز کی گواہی دیں کہ صرف اللہ ہی معبود ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں اور ہماری طرح نماز پڑھیں تو ان کے خون و مال ہم پر حرام ہیں مگر اسلام کے حق کے ساتھ ان کے لئے تمام وہ آسائشیں ہوں گی جو عام مسلمان کے لئے ہیں اور ان کے وہ تمام حقوق ہوں گے جو عام مسلمانوں کے ہیں۔ (اسے بخاری، مسلم اور سابقہ مذکورہ محدثین نے روایت کیا ہے)

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین سے اپنے آپ کو روک لیا تھا جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا لیکن باطنی طور پر اس کے مخالف تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ صفات الٰہی کے منکر اور زندیق کے ظاہری اسلام کی وجہ سے ان سے باز رہا جائے۔ اگر کوئی ایسا مرتد ہے جس کے کفر میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں وہ شہادتین کا اقرار کر لیتا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا اور اگر کوئی دارالحرب میں نماز ادا کرتا ہے تو یہ حکماً مسلمان سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر دارالاسلام میں نماز ادا کرتا ہے تو اس پر اسلام کا حکم لاگو نہیں ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ دارالاسلام میں اس کا نماز ادا کرنا بطور ریاء و تقیہ ہو جبکہ دارالحرب میں یہ احتمال نہیں یہاں تک کہ امام شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ کسی فرض کا منکر ہونے یا حرام کو حلال سمجھنے کی وجہ سے مرتد ہے تو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے عقیدہ سے رجوع نہ کرے اور دوبارہ شہادتین کا اقرار نہ کرے۔ کیونکہ اس نے اپنے عقیدے کی وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے اس کا اسلام اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ شہادتین کا اعادہ نہ کرے۔

امام نجیب المطیعی امام شیرازی رحمہ اللہ کی سابقہ کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصلی کافر اور مرتد کا اسلام برابر ہے ان کو دیکھا جائے گا اگر وہ ایسا (کفر) ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں جیسے بتوں کے بچاری ان کے اسلام کے لئے صرف شہادتین کا اقرار ہی کافی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،جب انہوں نے یہ کلمات کہہ لیے تو انہوں نے حق کے ساتھ اپنے اموال وخون مجھ سے محفوظ کر لیے باقی ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۔اور اگر ان کا ارتداد اجماعی فرض کے انکار مثلاً نماز ،روزہ یا اجماعی حرام چیز مثلاً شراب ،خنزیر ،سود کو حلال سمجھنے کی صورت میں ہو تو ان کو اس وقت تک مسلمان شمار نہیں کیا جائے گا جب تک شہادتین کے اقرار کے ساتھ یہ حرام کو حرام اور حلال کو حلال نہیں سمجھتے ۔(المجموعہ شرح المہذب ج۲۱/ ۶۸ تا ۸۱)

میں کہتا ہوں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں جو شہادتین کو حکمی (ظاہری) اسلام کے لئے معتبر قرار دیا گیا ہے یہ صحیح ثابت شدہ دلائل کے عین مطابق ہے ۔اور جس آدمی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اقرار معلوم ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے سابقہ دین پر بھی قائم ہو تو اس کیلئے اسلام کے علاوہ باقی ادیان کے ترک کی صراحت ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ شہادتین کا اقرار شرک اور بتوں کے پجاری کے حق میں اس کے قبول اسلام ہونے کی علامت ہے اس لئے اس پر تو ہم اسلام کا حکم لگائیں گے لیکن جو آدمی شہادتین کے اقرار سے پہلے ہی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو تسلیم کرتا تھا تو اس کے لیے یہ (شہادتین) اس وقت تک اس کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی جب تک یہ اسلام مخالف تمام ادیان باطلہ سے براءت کا اظہار نہ کرلے تاکہ واضح ہو جائے کہ اب اس نے صحیح معنوں میں اسلام کو قبول کرلیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں نماز کے اعتبار کو کفر واسلام کیلئے حد فاصل قرار دیا گیا ہے یہ صحیح بات ہے یا نہیں عنقریب اس کا رد امام ابن قدامہ کے قول پر تعلیق کے ضمن میں آئے گا انشاء اللہ

امام شیرازی اور مطیعی کے قول میں بیان ہوا ہے کہ مرتد کی توبہ اور اسلام کی طرف رجوع کیلئے صرف

شہادتین کافی نہیں بلکہ جو چیز اس کے مرتد ہونے کا سبب ہے اس سے بھی رجوع لازمی ہے یہ بات بالکل صحیح ہے۔انشاءاللہ

مرتد کے اسلام سے نکلنے کا سبب شہادتین کے اقرار کا ترک نہیں کیونکہ شہادتین کا قرار اُس آدمی کے حق میں اسلام کی علامت ہوگا جو پہلے شہادتین کا اقراری نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے شرک کی حالت میں اس کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا اور اپنے شرک و بتوں کی عبادت کو ہی حق سمجھتا ہے۔جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو چیز اس کے ارتداد کا سبب ہے وہ اس سے رجوع کرے اگر وہ حرام چیز کو مباح سمجھنے کی وجہ سے کافر ہوا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس کی حرمت کا اعتقاد رکھے اور گر اس کے ارتداد کا سبب شریعت سے ثابت شدہ امر ہے جس چیز کا اس نے انکار کیا ہے اسی طرح اس کا اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتدین کے گروہوں سے قتال کرتے تھے۔حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو شہادتین کا اقرار کرتے تھے نماز پڑھتے تھے اسلام کے فرائض کو ادا کرتے تھے لیکن زکوۃ ادا نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا موقف صرف یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ نہیں دی جائے گی۔

ان سے قتال شہادتین کے عدم اقرار کی وجہ سے نہیں تھا جیسے بت پرستوں سے ہوتا ہے بلکہ یہاں معاملہ کچھ اور تھا شہادتین کا اقرار بلکہ نماز کا قیام بھی ان کے حق میں اسلام کی دلیل نہ بن سکا جب تک کہ وہ اس چیز سے لوٹ نہیں آئے جو ان کے ارتداد کا سبب بنی تھی۔(واللہ تعالیٰ اعلم)۔

اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے اس کتاب تبیان کے چوتھے باب سے رجوع کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس قول ''**قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى**'' کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو گے اللہ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں (الاسراء: ۱۱۰)۔اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ کافر جب رحمٰن کی وحدانیت کا اقرار کریگا تو اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔امام حلیمی رحمہ اللہ نے اس میں مشترک اسماء کو

خاص کیا ہے جیسے کوئی طباعی (کمیونسٹ) کہتا ہے کہ لاالٰہ الا المحی الممیت (صرف زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہی معبود ہے) تو اس کو مومن نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ ایسے صریح کلمات واسماء نہ کہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور اگر کوئی یہودی جو اللہ کے مجسم بالذات ہونے کا قائل ہے اور کہتا ہے لا الٰہ الا الذی فی السمآء (صرف وہی ذات معبود ہے جو آسمان میں ہے) اسی طرح یہ بھی مومن نہیں ہاں اگر عام آدمی جو مجسم بالذات کے معنیٰ ومفہوم کو نہیں جانتا تو اس کی اتنی گواہی اس کے اسلام کیلئے کافی ہے جیسا کہ ایک لونڈی کا قصہ ہے جس سے رسول ﷺ نے سوال کیا تھا کہ کیا تو مومنہ ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا این اللہ (اللہ کہاں ہے؟) اس نے کہا آسمان میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کردو یقیناً یہ مومنہ ہے۔ یہ مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے اور جس انسان نے بھی لا الٰہ الا الرحمٰن (رحمٰن کے سوا کوئی معبود نہیں) کہا اس پر بھی اسلام کا حکم جاری ہوگا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے دشمنی کے طور پر اللہ کی بجائے رحمٰن کا الفاظ بولا ہے جیسے مسیلمہ کذاب کے ساتھی کیا کرتے تھے۔ تو ان کو بھی مسلمان نہیں کہا جائے گا۔

امام حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی یہودی لا الٰہ الا اللہ کہے تو وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوگا جب تک یہ نہ کہے کہ (اللہ) کی مثل کوئی نہیں اور اگر بت پرست لا الٰہ الا اللہ کہے اس کا گمان ہو کہ یہ بت اس کو اللہ کے قریب کرتے ہیں تو یہ بھی مومن نہیں یہاں تک کہ وہ بتوں سے براءت کا اظہار کرے۔ (فتح الباری ج ۱۳/ ۳۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اہلسنت کے تمام محدثین، فقہاء ومتکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ اہل قبلہ اور مخلد فی النار نہ ہونے کا حکم ایسے مومن پر ہوگا جو دل کے ساتھ دین اسلام پر پختہ ہو اور اس کا دل شکوک وشبہات سے پاک ہو اور وہ شہادتین کا اقرار کرنے والا ہو۔

اگر کوئی آدمی حقیقت میں اہل قبلہ میں سے نہیں لیکن وہ زبان میں خرابی کی وجہ یا موت کی مشقت کے باعث یا اسی طرح کسی اور رکاوٹ کے باعث صرف ایک گواہی دیدیتا ہے تو یہ مومن ہوگا۔ اور اگر وہ

شہادتین کا ہی اقرار کرلے تو اس پر یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ وہ کہے کہ میں اسلام مخالف تمام ادیان سے بری ہوں ۔لیکن اگر وہ ایسے کفار میں سے ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ محمد ﷺ کی نبوت ورسالت صرف عرب کے ساتھ خاص ہے اس کا اسلام اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ اس نظریہ سے براءت کا اظہار نہ کرے علماء شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ مطلقاً تمام ادیان سے براءت کا اعلان کرے لیکن یہ قول کچھ حقیقت نہیں رکھتا اگر کوئی آدمی صرف لا الہٰ الا اللہ کہتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نہیں کہتا ہمارا اور تمام علماء اسلام کا مذہب یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ ہمارے کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ مسلمان تو ہوگا لیکن اس سے دوسری شہادۃ (محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے! (امرت ان قاتل الناس حتی یشھدوا ان الالہ الا اللہ فاذا قالوھا فقد عصموا منی دمائھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ) مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لا الہٰ الا اللہ کے برحق ہونے کی گواہی دیں جب وہ یہ کہہ لیں تو انہوں نے اپنی جان اور مال مجھ سے محفوظ کرلیا مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک اس سے دونوں ہی گواہیاں مراد ہیں ایک بیان دوسرے سے کفایت کر جائے گا کیونکہ یہ دونوں ہی لازم وملزوم اور معروف ہیں۔ (واللہ اعلم)

سوال اگر کوئی آدمی نماز، روزہ، یا دیگر ارکان اسلام کا اقرار کرتا ہے حالانکہ یہ چیزیں اس کے مذہب کے خلاف ہیں۔ کیا اس کو مسلمان سمجھا جائے گا؟

جواب ہمارے علماء کی اس میں دو آراء ہیں جو اس کے اسلام کا اعتبار کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس کے انکار سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے اگر کافر اس کا اقرار کرے گا تو اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا۔! اس موقف کی حقیقت کیلئے دیکھئے۔ (فتح الباری ج ۱۳/ ۳۵۵)

جبکہ اگر کوئی عجمی زبان میں شہادتین کا اقرار کرتا ہو حالانکہ وہ اچھی طرح عربی زبان جانتا ہے اس کو مسلمان کہا جائے گا اس بارے میں بھی ہمارے علماء کی دو آراء ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اقرار کرنے کی وجہ

سے یہ مسلمان ہو جائے گا یہی بات زیادہ صحیح ہے لیکن دوسری رائے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(شرح مسلم للنووی ج۱/ ۱۴۹،عمدۃ القاری شرح بخاری لبدر الدین العینی ج۱۳/ ۳۵۵)

میں کہتا ہوں! یہ تمام اقوال امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر علماء شوافع کے تھے۔جس سے انکا مذہب واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک جو بھی شہادتین کا اقرار کرے گا وہ ظاہری طور پر مسلمان سمجھا جائے گا۔شہادتین کا اقرار اسلام کا لیبل ہے اور جو آدمی حالت کفر میں شہادتین کا اقرار کرتا ہے حالانکہ وہ اپنے کفریہ مذہب پر ہی ہے یا مرتد تو اس کو اس وقت تک مسلمان نہیں سمجھا جائے گا جب تک وہ کفریہ مذہب سے براءت کا اعلان نہ کرے یا جو چیز اس کے ارتداد کا سبب ہے اس کو ترک کر کے شہادتین کا اظہار نہ کرے۔اور شیخ علاء الدین الکاسانی الحنفی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی آدمی حقیقت میں الصانع (ایسے الفاظ جو قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی صفات واسماء کے سلسلہ میں مذکور نہیں اور ان سے مشرکین کچھ اپنی مرضی کے معنی مراد لیں ایسے الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے) ہی کا منکر ہے یا رب کی وحدانیت کا منکر ہے تو اس سے لا الہ الا اللہ قبول کیا جائے گا۔اور اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اصل میں وہ شہادتین سے باغی ہیں جب وہ اس کا اقرار کریں گے تو یہ ان کے ایمان کی دلیل ہوگی۔اگرچہ وہ مطلق رسالت کے منکر ہوں یا محمد ﷺ کے منکر ہوں اور جب وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تو ان پر اسلام کا حکم جاری نہ ہوگا کیونکہ منکر رسالت عموماً یہ کلمات کہہ لیتے ہیں۔اور اگر وہ اشہد ان محمد رسول ﷺ کہے تو اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ اس گواہی سے اپنے آپ کو روکے ہوئے تھا لہٰذا اب گواہی کا اقرار اس کے ایمان کی دلیل ہے اگر کوئی آدمی محمد ﷺ کی رسالت کا انکاری ہے اس کا اسلام قابل قبول نہیں جب تک وہ دین یہودیت ،نصرانیت سے براءت کا اقرار نہ کرے کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو رسول ﷺ کی رسالت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ وہ صرف عرب کی طرف مبعوث ہیں اور دوسروں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ادیان باطلہ سے براءت کے بغیر شہادتین ان کے ایمان کی دلیل نہیں بن سکتی اس طرح اگر وہ کہے میں مسلمان ہو گیا یا میں ایمان لے آیا تو اس کے اسلام کا اعتبار نہ

ہوگا کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلک یا مذہب پر ہیں وہ ہی اسلام، ایمان ہے لہٰذا ہم مسلمان مومن ہیں۔

قرائن کے ذریعہ سے جن کے ایمان کا اعتبار کیا جائے گا وہ یہ ہیں کیسے کوئی کتابی (یہودی وعیسائی) نماز پڑھتا ہے یا کوئی مشرک باجماعت نماز ادا کرتا ہے ہمارے نزدیک اس کا اسلام معتبر ہوگا جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اسلام معتبر نہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے اگر نماز پڑھنا اسلام کی دلیل ہوتی تو پھر انفرادی اور اجتماعی طور پر نماز پڑھنا اس میں فرق نہ ہوتا کیونکہ اگر انفرادی طور پر نماز پڑھنے والا مسلمان نہیں تو باجماعت نماز پڑھنے والے کے اسلام کا بھی اعتبار نہیں۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ جس انداز سے ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں ہم سے پہلی شریعتوں میں اس طرح نماز نہیں تھی یہ صرف ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے خاص ہے اس لئے باجماعت نماز ادا کرنا اسلام میں داخل ہونے کی دلیل ہوگی۔بخلاف اس کے کہ وہ نماز پڑھے، امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر آدمی انفرادی طور پر قبلہ کی طرف ہوکر نماز ادا کرتا ہے تو اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے(من شهد جنازتنا وصلى الى قبلتنا واكل ذبيحتنا فاشهدوا له بالايمان)جو ہمارے جنازہ میں حاضر ہوا اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھالیا تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دے دو۔

(نوٹ): مذکورہ الفاظ سے متعلق کوئی بھی حدیث ہمیں کہیں نہیں ملی جبکہ بخاری، ترمذی، ابوداؤد ونسائی وغیرہ میں ایک حدیث ان الفاظ سے مروی ہے!امرت ان اقاتل الناس ....فاذا شهدوا ان لااله الاالله واستقبلوا قبلتنا واكلوا ذبيحتنا وصلوٰتنا حرمت علينا دماء وهم واموالهم الا بحقها۔

اسی اختلاف پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی آدمی ایسی مسجد میں اذان کہتا ہے جس میں نماز باجماعت ادا ہوتی ہے تو ہمارے نزدیک اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا امام شافعی رحمہ اللہ کو اس سے اختلاف ہے جبکہ

ہماری دلیل یہ ہے کہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔تو ان کلمات کی ادائیگی اس کے قبول اسلام کی دلیل ہے۔اور اگر وہ قرآن پڑھتا ہے یا اس کو قرآن کی تلقین کی جاتی ہے تو اس کے اسلام کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ احتمال کا اندیشہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی چیز سیکھ رہا ہو یا ایسا کام کر رہا ہو جس کے برعکس اس کا عقیدہ ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی جو کچھ سیکھتا ہے اس کو تسلیم بھی کرتا ہو جیسے معاند کافر (یعنی اپنے کفریہ عقیدے پر پختہ ہوں) ہیں۔''حکمی مسلمان اتباعی طریقہ سے'' جیسے کوئی بچہ ہو تو اس کو والدین کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا وہ عاقل ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ وہ عاقل ہو کر بذات خود بھی مسلمان ہی رہے اور ان کے علاقے کو بھی اسی مناسبت سے مسلمانوں کا گھر شمار کیا جائے گا۔اور والدین میں سے کسی ایک کی موجودگی میں بھی علاقہ کا ہی اعتبار کیا جائے گا کیونکہ بچہ کا حکم والدین کے تابع رکھنا زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ وہ انہی میں سے پیدا ہوا ہے۔اور والدین کی عدم موجودگی میں تبعیت (پیروی) اس علاقہ کی طرف منتقل ہوجائے گی جس میں زندگی گزار رہا ہے۔(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع العلاء الدین الکاسانی الحنفی رحمہ اللہ ج ۴/ ۴۳۱۱)

اور امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا! اسلام کا انحصار اعمال پر ہے جیسے با جماعت نماز کی ادائیگی، اس کا اقرار بعض مساجد میں اذان یا جمعہ اور اس کے مناسک پر حاضری ہے، نہ کہ صرف نماز اکیلے پڑھنا۔ان افعال کے فاعل کو مسلمان کہا جائے گا۔اور اسی طرح فرمایا نمازی کے مسلمان ہونے کے چار شرائط ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ بروقت اور با جماعت نماز ادا کرے اور اگر اس نے کسی مسجد میں اذان دی یا سجدہ تلاوت کیا یا زکوٰۃ ادا کی تو یہ مسلمان سمجھا جائے گا۔اور اگر کوئی بے جا وقت گزار کر اکیلے نماز پڑھے یا بطور امام پڑھے اور نماز کو خراب کرے یا ایسی عبادات کرے جو ہماری شریعت سے خاص نہیں تو اس پر اسلام کا حکم لاگو نہ ہوگا۔اور یہ بھی فرمایا کہ جن اشیاء سے کافر مسلمان ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں
(۱):قول (۲):فعل

قول کی مثال جیسے شہادۃ کے دو کلمے ہیں اور عمل جیسے سجدہ تلاوت کیونکہ یہ ہماری شریعت کے ساتھ خاص

ہیں اوراس لئے بھی کہ اللہ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہےتو وہ سجدہ نہیں کرتے ۔صاحب بحرالرائق سے بھی منقول ہے کہ کافر جب کوئی ایسی عبادت کرتا ہے جوتمام ادیان میں پائی جاتی ہےتو یہ اس کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوگا جیسا کہ کوئی اکیلے نماز پڑھے، روزہ رکھے، ناقص حج کرے تو یہ قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ ایسے کام نہ کرے جوصرف ہماری شریعت سے خاص ہیں ۔جبکہ اس کے پاس وسیلہ بھی ہو۔جیسے تیمّم ،باجماعت نماز ،کامل حج ،مسجد میں اذان ،قرآن مجید کی تلاوت ،سجدہ تلاوت ودیگر شعائر اسلام ادا کرے تو وہ ان کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا۔(ردالمختار علی الدرالمختار بحاشیہ ابن عابدین ج۴/ ۲۳۹)

میں کہتا ہوں !امام کاسانی کے کلام میں یہ بیان ہوا ہے کہ نماز باجماعت تو اسلام کی دلیل ہے اور اکیلے نماز پڑھنا نہیں اسی طرح جو ابن عابدین کے کلام میں بیان ہوا ہے یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ ان کا یہ موقف انہی کے اصول اور کلام کے مخالف ہے کہ جس نے کوئی ایسی عبادت کی جوسابقہ شریعتوں میں نہ ہوتو وہ اس کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا۔حالانکہ ہماری شریعت کا طریقہ نماز جیسے تکبیر،رکوع ،سجدہ ،تلاوت ۔اذکار،سلام کہنا ،سابقہ شریعتوں میں نہیں صحیح بات یہ ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر طریقہ نماز ہی کافی ہے خواہ جماعت ہو یا اکیلے کیونکہ جو دلائل کفر واسلام میں فرق کرتے ہیں اس میں نماز ادا کرنا بھی ہے وہ مسلمان ہے اس کے لیے تمام وہ حقوق ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے ہیں اور اس پر وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو عام مسلمانوں پر ہیں ۔نماز باجماعت یا اکیلے میں کوئی فرق نہیں اور اس کے اسلام کے معتبر ہونے میں یہی صحیح ہے ۔امام کاسانی نے جو بات کہی ہے کہ نماز باجماعت یہ اسلام کے قرائن میں سے ہے کیونکہ یہ ہماری شریعت کے ساتھ خاص ہے یہی بات انفرادی نماز پر بھی کہی جاسکتی ہے اور جو امام کاسانی اور دیگر فقہائے احناف نے نماز باجماعت اور اکیلے نماز میں فرق کیا ہے ۔اس پر بھی کوئی معتبر دلیل نہیں امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کے کلام میں آئے گا جس میں یہ بیان ہوگا کہ اکیلے یا باجماعت نماز ادا کرنا اسلام کے لئے قرینہ میں برابر ہیں اور یہی صحیح ہے ۔(انشاءاللہ)

ابن عابدین اور صاحب بحر کے کلام جو بیان ہوئے ہیں کہ اسلام کے دلائل اور علامات میں کوئی فرق نہیں خواہ وہ مقاصد عبادات میں سے ہوں مثلاً نماز ، یا ذرائع و وسائل سے ہو جیسے تیمّم ، یہ بات بھی قابل تردید ہے ان لوگوں کے نزدیک کہ جو واجبات کو اسلام کا معتبر قرینہ تسلیم کرتے ہیں لیکن وسائل وغیرہ کو قرینہ تسلیم نہیں کرتے اس کا بھی بیان آئے گا۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات معروف و معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس آدمی سے جو بھی قبول اسلام کے ارادہ سے آتا اس سے صرف شہادتین کو قبول کر لیتے تھے۔اس کی وجہ سے ان کے خون کو محفوظ قرار دیتے تھے اور اس کو مسلمان قرار دیتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو بہت سخت ڈانٹا تھا کہ جب انہوں نے ایک لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے مقتول پر تلوار اٹھائی ۔اور جو آدمی بھی قبول اسلام کے لیے آتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پہلے سے کوئی شرائط عائد نہیں کرتے تھے یعنی جو اسلام قبول کر لیتا تو پھر اس پر نماز اور روزہ لازمی ہو جاتا۔(جامع العلوم والحکم :۱۰۱)

اور یہ بھی فرمایا کہ جو اسلام کی بنیادوں کو کامل ترین انداز میں اپنا لیتا ہے وہ حقیقی مسلمان ہے اور جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے حکمی مسلمان ہے جب وہ اس (شہادتین) کے سبب اسلام میں داخل ہو گیا تو اسلام کی باقی خصلتیں بھی اس پر لازم ہو جائیں گی ۔(جامع العلوم والحکم :۲۳)

میں کہتا ہوں : یہاں حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کے قول میں یہ بات قابل غور ہے کہ ایک حقیقی اسلام ہے اور ایک حکمی اسلام ، جیسا کہ اس کے قول میں بیان ہوا ہے ۔"وہ حقیقی مسلمان ہو گیا" "وہ حکمی مسلمان ہو گیا" بعض علماء کے کلام میں یہ تقسیم پائی جاتی ہے انہی میں ابو محمد الحسن البربہاری رحمہ اللہ کا قول ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا اہل قبلہ میں سے اس وقت تک کسی کو اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے جب تک قرآن مجید کی کوئی آیت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس کے ارتداد پر دلیل نہ مل جائے ۔یا وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرے یا نماز پڑھنا شروع کر دے ۔اگر وہ ایسے کام کرے تو اس کو اسلام سے خارج قرار دینا واجب ہے اور اگر وہ ان میں کوئی کام نہیں کرتا تو حکمی مسلمان شمار ہو گا نہ کہ حقیقی ۔(شرح السنۃ لابی محمد الحسن بن

علی بن خلف البر بہاری ۱۳۱ طبع دار لا بن القیم)

یہ کوئی نئی اصطلاح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔امام ابن قدامہ الحنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے اصحاب (علماء) نے فرمایا ہے کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے اس پر اسلام کا حکم جاری ہوگا خواہ وہ دارالحرب میں داخل ہو یا دارالاسلام میں ،خواہ وہاں جماعت سے نماز ادا کرے یا علیحدہ طور پر اگر وہ اس کے بعد بھی اسلام پر قائم ہے تو پھر اس کے بارے میں کوئی بحث نہیں ۔لیکن اگر وہ اس پر قائم نہیں رہتا تو وہ مرتد ہوگا۔اس پر مرتدین والے احکام جاری ہوں گے،اگر وہ فوت ہو جاتا ہے لیکن اس سے کوئی ایسا عمل ظاہر نہیں ہوتا جو اسلام کے منافی ہو تو وہ مسلمان ہے اور مسلمان اس کے وارث ہوں گے نہ کہ کافر۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ باجماعت یا اکیلا مسجد میں نماز پڑھتا ہے تو صحیح ہے لیکن اگر وہ مسجد سے باہر کسی جگہ اکیلا نماز ادا کرتا ہے تو اس کا اسلام معتبر نہ ہوگا۔

بعض شافعی علماء نے کہا کہ نماز کی صورت میں اس کے اسلام کا اعتبار نہ ہوگا۔کیونکہ نماز اسلام کے فروعی مسائل میں سے ہے صرف اس کی وجہ سے وہ مسلمان نہ ہوگا اسی طرح حج۔روزہ وغیرہ اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں جب وہ اس کا اقرار کرلیں تو انہوں نے مجھ سے اپنا مال اور خون اسلام کے حق کے ساتھ محفوظ کرلیا''اور بعض نے کہا اگر وہ دارالاسلام میں ہے تو پھر وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ وہ نماز کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو چھپا رہا ہے،لیکن اگر وہ دارالحرب میں ہے تو اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ایسی حالت میں اس پر یہ تہمت نہیں لگ سکتی۔اور ہماری دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے''مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے''اور آپ ﷺ نے فرمایا''ہمارے اور ان کے درمیان (حد فاصل) نماز ہے''آپ ﷺ نے کفر و اسلام کے درمیان نماز کو حد قرار دیا ہے۔

جس نے نماز کی ادا کی وہ اسلام میں داخل ہوگیا اور نبی ﷺ نے ایک غلام کے بارے میں فرمایا تھا''یہ

نماز ادا کرے تو تیرا بھائی ہے‘‘اس لیے بھی کہ یہ عبادت مسلمانوں کے لئے خاص ہے لہٰذا اس کو ادا کرنا اسلام ہے جیسے شہادتین کا اقرار ہے۔لیکن حج کی بات اور ہے کیونکہ حج کافر بھی کرتے تھے۔اور چونکہ روزہ صرف مفطر چیزوں سے پرہیز کرنا ہے اور یہ ایسے لوگ بھی کرتے ہیں جو روزہ دار نہیں ہوتے۔(المغنی وشرح الکبیر ج۱۰/۱۰۲)

اور میں کہتا ہوں کہ ابن قدامہ نے شافعی مذہب سے جو نقل کیا ہے کہ نماز اسلام کا فروعی مسئلہ ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ نماز تو اسلام کا بنیادی رکن ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث مبارکہ میں بھی اس کی وضاحت ہے کہ یہ اسلام کی بنیاد ہے۔اور نبی ﷺ نے نماز کو کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے جبکہ فروعات کا تارک تو کافر نہیں ہوتا اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔اور اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ دارالاسلام میں نماز ادا کرنا قابل قبول نہیں یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمیں تو ظاہری علامات دیکھ کر حکم لگانے کا حکم ہے اور باطن کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔یعنی اکثر لوگ جو نماز پڑھتے ہیں خواہ وہ تقیہ یا کسی اور غرض سے مسلمانوں میں داخل ہوں تو ان کے ظاہر کے مطابق ہی ان کا معاملہ ہوگا۔اور دوسروں کے اچھے اعمال کو بہتر جاننا چاہیے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے خود ہی فرمایا کے عمل کرنے والے کے متعلق یہ سوچنا کہ یہ تقیہ کر رہا ہے یا حقیقت میں ایمان لایا ہے تو اس بات کو مقدم رکھنا چاہیے کہ وہ ایمان والا ہے اصل بات یہی ہے کہ کسی کا مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرنا خواہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں اس کے ایمان پر دلالت کرتا ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا جس کا مرتد ہونا دلیل سے ثابت ہوگیا اور پھر وہ گواہی دے کہ صرف اللہ ہی معبود ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس کی گواہی کے صحیح ہونے کے بارے میں بحث نہیں ہوگی اور اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا جو چیز اس کی طرف منسوب ہے اس کے اقرار کا اس کو مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔یہاں تک اس نے فرمایا اگر وہ کہے کہ میں مسلمان ہوں یا میں مومن ہوں تو قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا اس کے ان الفاظ کی وجہ سے اس کے اسلام کا اعتبار ہوگا۔خواہ وہ شہادتین کے

الفاظ نہ ہی ادا کرے کیونکہ (مسلم ومؤمن) یہ دونوں نام معروف چیز توحید ورسالت کی گواہی کے ہیں اگر وہ اپنے بارے میں ایسے الفاظ بیان کرتا ہے جس میں شہادتین کا مفہوم پایا جاتا ہے تو اس کو شہادتین کا اقرار تصور کیا جائے گا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے اگر میری ملاقات کسی کافر آدمی سے ہو جائے اور وہ مجھ سے لڑائی کرے اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر میرا ایک ہاتھ کاٹ دے۔ پھر وہ ایک درخت کی پناہ لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا تو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس کو قتل کردوں جبکہ وہ یہ بات کہہ چکا ہے۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل نہ کرو، اگر تو اس کو قتل کر دیتا ہے تو اس کو قتل کرنے سے پہلے جس مقام پر تو تھا وہ اس مقام پر ہوگا (یعنی معصوم الدم) اور تو اس کے مقام پر ہوگا جو اس کا مقام کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا (یعنی حلال الدم)

اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان بنی عقیل کا ایک آدمی گرفتار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو یہ کلمات اس وقت کہتا جب تو بااختیار تھا تو مکمل طور پر کامیاب ہو جاتا۔ان دونوں احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے ان احادیث میں یہ احتمال ہے کہ اصلی کافر کے بارے میں ایسے یا ایسے آدمی کے بارے میں جو اللہ کی واحدانیت کا منکر ہے۔لیکن جو آدمی کسی نبی، کتاب یا اسلامی فریضہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہوا ہو تو اس انکار کی بناء پر وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام وہی ہے جس پر وہ قائم ہے، کیونکہ تمام مبتدعین یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ ان میں کافر بھی ہیں (المغنی لابن قدامہ ج ۸/ ۱۴۱،۱۴۳ط عالم الکتب)

ابن قدامہ رحمہ اللہ کے اس کلام سے اور اس سے قبل امام شیرازی رحمہ اللہ کے کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو آدمی کسی فرض کا منکر ہے یا کسی حرام چیز کو حلال سمجھتا ہے تو اس کی توبہ بت پرستوں اور عام کافروں

سے مختلف ہوگی ۔ منکر فرض پر لازم ہے کہ اس کا اقرار کرے اور اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھے اور جو آدمی حرام کو حلال سمجھتا ہے وہ اس کی حرمت کا اقرار کرے ان کے حق میں صرف شہادتین کا اقرار اسلام کی علامت نہیں بن سکتا کیونکہ ایسے لوگوں کے کفر کا سبب شہادتین کے اقرار کا ترک نہیں کہ وہ اقرار کر لیں تو ان کا اسلام معتبر ہو جائے۔

اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے عیسائیوں کے وفد نجران کے فوائد کے ضمن میں فرمایا ہے کہ کتابی کا ہن کا نبی ﷺ کے بارے میں اقرار کرنا کہ آپ ﷺ نبی ہیں اس اسلام میں داخل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ آپ ﷺ کا مطیع و فرمانبردار نہیں بن جاتا۔ اگر وہ اس اقرار کے باوجود اپنے دین پر مضبوطی سے کاربند رہتا ہے تو اس کو مرتد نہیں کہیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس دو یہودی عالم آئے انہوں نے تین مسائل کے بارے میں آپ ﷺ سے سوالات کیے جب آپ ﷺ نے ان کو جواب دیدیئے تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں میری اتباع سے کون سی چیز مانع ہے انہوں نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ یہودی ہمیں قتل کر دیں گے اس طرح ان کے صرف آپ ﷺ کی تصدیق کرنے سے مسلمان ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح ابو طالب کی شہادت اور یہ کہنا کہ آپ ﷺ سچے ہیں اور آپ ﷺ کا دین تمام ادیان سے بہتر ہے اس کی صرف یہ گواہی اس کو اسلام میں داخل نہیں کرتی۔

نبی ﷺ کے جہادی واقعات اور صحیح احادیث میں بے شمار اہل کتاب اور مشرکین کی آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں شہادتین موجود ہیں جو آدمی بھی ان میں غور و فکر کرے گا وہ جان لے گا کہ اسلام صرف گواہی کے علاوہ اور چیز ہے ۔ نہ تو فقط معرفت کا نام ہے اور نہ ہی صرف معرفت و اقرار بلکہ معرفت، اقرار اور فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی اطاعت اور دین اسلام کا ظاہری و باطنی طور پر اہتمام کرنا ہی اسلام کہلاتا ہے۔

ایسا کافر جو صرف اشہد ان محمدا رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کہتا ہے

اس کے بارے میں ائمہ اسلام کا اختلاف ہے کہ صرف اتنی شہادۃ پر اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس بارے میں تین روایات مروی ہیں۔

① اس گواہی کی وجہ سے اس کے اسلام کا اعتبار ہوگا۔

② جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی نہ دے اس کا اسلام معتبر نہ ہوگا۔

③ اگر وہ توحید کا اقراری ہے تو اس کے اسلام کا اعتبار ہوگا اگر توحید کا اقراری نہیں تو اس کو مسلمان شمار نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرلے۔ (زادالمعادج ۳/ ۶۳۸)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو سب سے پہلے جس چیز کا حکم دیا جائے گا وہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی ہے اسی کے ساتھ کافر آدمی مسلمان ہوگا (مجموع الفتاویٰ ج ۲/ ۶۲)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب حربی (جنگ لڑنے والا) آدمی تلوار دیکھ کر مسلمان ہوجائے وہ آزاد ہو یا گرفتار اس کا اسلام صحیح ہے اور اس کے کفر سے توبہ قابل قبول ہے اگرچہ اس کی حالت سے یہی معلوم ہورہا ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے۔اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ظاہر کا اعتبار کرتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا تھا کہ انہوں نے اپنے ایمانوں کو ڈھال بنا رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!'' يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ '' یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے ہیں اور انہوں نے اس کام

کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔ یہ صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول ﷺ نے دولت مند کر دیا ہے اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا (التوبہ: ۷۴)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو آدمی اسلام اور کفر سے توبہ کا اظہار کرتا ہے تو اس کی توبہ معتبر ہوگی۔ (الصارم والمسلول ۲۳۹، مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۲۵۹)

ابھی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی وضاحت درج ذیل آیت ''وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ '' کہ جو تم سے سلام علیکم کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا ہے (النساء ۹٤)۔ اہل علم سے جو تفسیر منقول ہے اس سے بھی یہی وضاحت ہوتی ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا (اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) جب تم اللہ کی راہ میں اپنے دشمنوں سے جہاد کے لئے چلو اور (فَتَبَيَّنُوْا) جس آدمی کا معاملہ تم پر مشتبہ ہو گیا اس کے قتل میں رک جاؤ۔ تحقیق کر لو کیونکہ تم اس کے کفر و اسلام کی حقیقت کو نہیں جانتے اس کے بارے میں جلدی نہ کرو کہیں تم ایسے آدمی کو قتل نہ کر دینا جس کا معاملہ تم پر خلط ملط ہو جائے۔ اور صرف اسی کے قتل پر اقدام کرو جس کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ یہ تم سے، اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا ہے۔ (وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ) اور جو آدمی تمہارے سامنے اسلام قبول کرے اور یہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو روک لے کہ وہ تمہارے عقیدہ و ایمان پر ہے تو اس کو مت کہو تم مسلمان نہیں ہو۔ (لَسْتَ مُؤْمِنًا) اور اسے قتل نہ کرو۔ (تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تم دنیا کا مال متاع چاہتے ہو۔ اللہ کے ہاں بے شمار نعمتیں ہیں اس کا رزق اور مزید نعمتیں اگر تم اللہ کی اطاعت کرو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے وہ تمہاری اطاعت پر تمہیں بہت زیادہ اجر دے گا اس اجر و ثواب کو تلاش کرو جو اللہ کے ہاں ہے ۔ (كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ) اللہ فرماتا ہے جس طرح یہ تمہیں سلام کہنے والا جس کو تم نے یہ کہہ دیا کہ

تو مومن نہیں اور قتل کر دیا اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے ۔یعنی جب تک اللہ نے اپنے متبعین وناصرین کیساتھ دین اسلام کو عزت نہیں دی تھی تم بھی اسی طرح اپنے دین کو چھپاتے تھے جس طرح اس نے چھپایا ہے کہ جس کو تم نے قتل کر دیا۔اور تم نے اس کے دین کے باوجود اس کی قوم سے اس کے مال کو چھین لیا یہ کہتے ہوئے کہ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ) کا یہ معنی ہے تم بھی اسی طرح کافر تھے (فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ)اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل کیا اپنے دین کی مدد کر کے اور اس کے متبعین کی تعدا کو بڑھا کر تم کو عزت دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے ہ جس آدمی کو تم نے قتل کر کے اس کا مال پکڑ لیا حالانکہ اس نے تم کو سلام کیا تھا اس پر تمہاری توبہ کر لی (فَتَبَیَّنُوۡا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس آدمی کے اسلام کا معاملہ تم پر مشتبہ ہو جائے اور تم اس کے قتل کا ارادہ کیے ہوئے تو اس کے قتل میں جلدی نہ کرو۔ہوسکتا ہے کہ اللہ اس پر اپنا اسلام والا احسان کردے جس طرح تم کو ہدایت وایمان نصیب ہوا (اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا)اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،جن کو تم قتل کرتے ہو اور جن کے قتل سے تم رک جاتے ہو خواہ وہ تمہارے دشمنوں میں سے ہو یا اللہ کے دشمنوں سے اور اس کے علاوہ تمہارے اور تمہارے غیر کے معاملہ کی خبر رکھنے والا اللہ ہی ہے۔یعنی اللہ باخبر وعلم والا ہے وہ تم پر نگہبان ہے حتیٰ کہ تم سب کو قیامت کے دن ایسا بدلا دے گا جیسے ایک محسن احسان کا بدلہ دیتا ہے یا برا برائی کا بدلہ دیتا ہے۔امام طبری نے بیان کیا کہ ایک غزوہ میں ایک مقتول جس نے اسلام کا اظہار کیا تھا اور مجاہدین نے اس کو قتل کر دیا تھا اور اس کا مال لے لیا تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا راستہ میں عامر بن انبط سے ان کی ملاقات ہوئی جاہلیت میں ان کی آپس میں دشمنی بھی تھی اس نے اس کو سلام کہا لیکن محلم نے تیر مار کر قتل کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس معاملہ کا پتہ چلا اور محلم دو چادریں لے

کر آپ ﷺ کے پاس آیا کہ بخشش کی دعا کریں نبی ﷺ نے فرمایا تیرے لئے کوئی معافی نہیں ۔ وہ روتا ہوا واپس چلا گیا ابھی ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہ مرگیا اس کو جب دفن کیا گیا تو زمین نے نکال کر باہر پھینک دیا لوگوں نے یہ ماجرہ نبی ﷺ کے سامنے بیان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا زمین تو اس سے بدتر لوگوں کو بھی پناہ دیتی ہے لیکن اللہ تم کو نصیحت کرنا چاہتا ہے ۔لوگوں نے اس کو ایک گھاٹی میں پھینک کر اوپر پتھر ڈال دیئے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوْا) اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں لڑائی کیلئے نکلو تو تحقیق کر لیا کرو۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک چرواہا اپنی بکریوں سمیت نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرا اور اس نے سلام کہا صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے سلام کہا ہے انہوں نے اس کو قتل کر کے اس کا مال پکڑ لیا اور اس مال کو نبی ﷺ کے پاس لائے تو یہ آیات نازل ہوئیں (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوْا)۔(تفسیر الطبری ج۵/ ۲۲۱، ۲۲۷)

امام جصاص رحمہ اللہ نے سبب نزول کی روایت ذکر کر کے فرمایا امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو مسلمان کے مال وجان کی حفاظت بنادیا اور جزیہ کو کفار کے جان ومال کا محافظ بنادیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا اسلام کا اظہار کرنے والے کے ایمان کو اللہ نے درست قرار دیا اور ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ظاہر پر احکام جاری کریں خواہ وہ باطنی طور پر اس کے برعکس ہی ہو۔(احکام القرآن للجصاص ج۱/ ۲۴۶، ۲۴۷، احکام القرآن لابن العربی ج۱/ ۴۸۰، ۲۸۱)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی کسی کافر کو ملے تو اس کو قتل کرسکتا ہے لیکن اگر اس نے کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) کا اقرار کرلیا تو پھر اس کا قتل جائز نہیں کیونکہ اس نے مضبوط دفاع اپنا لیا ہے اگر وہ اس کے باوجود قتل کردیا گیا تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔شروع شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن لوگوں کو کلمہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کردیا ان سے قصاص نہیں لیا گیا کیونکہ ابھی یہ احکام نہ آئے تھے اور لوگوں نے یہ تاویل کی کہ انہوں نے اسلحہ کے ڈر سے اور اپنی جان بچانے کے لئے یہ کلمہ کہا ہے۔لیکن

نبی ﷺ نے تو یہ کلمہ اس کے لئے حصار قرار دیا خواہ کسی بھی حالت میں کہا ہو۔اسی لیے تو نبی ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ جس کو تو نے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا تھا یہ کہ اس نے دل سے پڑھا ہے یا دکھلاوے کے طور پر کہا ہے۔(مسلم)

حالانکہ یہ ممکن نہیں لہٰذا اس کی زبان کا بھی اعتبار ہوگا یہ فقہ کا بہت اہم پہلو ہے کہ احکام کا دارومدار ظاہر پر ہوگا نہ کہ سرائر (باطن) پر یعنی دل کی حقیقت اور یقینی ذرائع پر۔(تفسیر قرطبی ج۵/ ۳۳۸)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی آدمی نے نبی ﷺ کو کہا میں اللہ کے ایک ہونے اور آپ ﷺ کے رسول ﷺ ہونے کی گواہی دیتا ہوں پھر مر گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا! اپنے بھائی کا نماز جنازہ ادا کرو دوسری حدیث میں ہے کہ اپنے بھائی کے والی بنو۔امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے ولایت کا یہ حکم اس وقت موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو تھا کیونکہ وہ آدمی اس کے اقرار کے بعد ان کا بھائی بن چکا تھا اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ بنو جذیمہ کی طرف سے خالد بن ولید کے لشکر والی حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کی شرح (صاحب منتقی الاخبار) میں اس باب کی احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ شہادتین کے اقرار کے سبب کافر آدمی مسلمان ہو جائیگا گرچہ یہ اقرار کنایۃً ہی ہو صریحاً نہ ہو۔(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار شوکانی ج ۷/ ۲۲۳)

امام شوکانی رحمہ اللہ درج ذیل احادیث کہ ''نبی ﷺ نے کب کسی قوم پر حملہ کرنا ہوتا تو آپ ﷺ صبح کے وقت کرتے اگر اذان کی آواز سن لیتے تو رک جاتے وگرنہ صبح ہوتے ہی قوم پر حملہ کر دیتے۔'' اسی طرح وہ حدیث میں جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ''جب تم مسجد کو دیکھو یا مؤذن کو سنو تو کسی کو بھی قتل نہ کرو'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دلیل کے مطابق حکم لگانا جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ فقط اذان کے سننے پر قتال سے رک جاتے تھے اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خون کے معاملہ میں سب سے محتاط پہلو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ آپ ﷺ انہی امور کی وجہ سے رک گئے حالانکہ یہاں یہ احتمال بھی تھا کہ ممکن ہے وہ لوگ حقیقتاً مسلم نہ ہوں اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کا مؤذن کے اللہ اکبر کہنے پر یہ کہنا کہ

(علی الفطرۃ) یہ آدمی فطرت اسلام پر ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تکبیر کا عمل اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے اور اس کلمہ سے علاقہ کے لوگوں کو مسلمان سمجھنا صحیح ہے۔ اور نبی ﷺ کے فرمان ''جب تم مسجد دیکھو'' کے بارے میں فرمایا کہ کسی علاقہ میں مسجد کا ہونا ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے اگرچہ اس سے اذان نہ ہی سنائی دے نبی ﷺ لشکر والوں کو دو چیزیں اذان یا مسجد پر اکتفاء کا حکم دیتے تھے۔ (نیل الاوطار ج ۷/ ۲۷۷، ۲۷۸ کتاب الجہاد باب الاکف عن عندہ شعار الاسلام)

میں کہتا ہوں! امام شوکانی رحمہ اللہ کے سابقہ کلام سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کسی علاقہ میں مسجد کا پایا جانا یا وہاں سے اذان کی آواز کا سنائی دینا ان کے ایمان کی دلیل ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی آیت ھذا (**اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ**..........) یقیناً اللہ کی مساجد کو مومن بندے ہی آباد کرتے ہیں، کی شرح میں یہ بات کہی ہے کہ مسجد میں آباد کاری آدمی کے ایمان کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے ایمان کو اس کے ساتھ منسلک کیا ہے اور اسی پر اس کے مومن ہونے کی شہادت دی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد میں آتے جاتے دیکھو تو اس کو مومن ہونے کی گواہی دے دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ**'' (التوبہ) امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔

(تفسیر قرطبی ج۸/۸۷ طبع دارالحدیث، تفسیر ابن کثیر ج۲/۳۴۱۔ رواہ الترمذی فی کتاب التفسیر والنسائی واحمد، ابن ماجہ، وابن خزیمہ، وابن حبان والدارمی والحاکم والھیثمی فی مواردالظمأن، محمد بن نصر المروزی فی تعظیم قدر الصلاۃ وقال الحاکم ترجمۃ صحیحہ مصریۃ وتعقبہ الذھبی بان فیہ دراج وھو کثیر المناکیر وقال المغلطائی فی شرح ابن ماجہ حدیث ضعیف والحدیث مدارہ عندالجمیع علی دراج ابی اسمح ودراج قال فیہ ابوداؤد السجستانی احادیث مستقیمۃ الا عن ابی الھیثم وفیہ ایضا رشدین بن سعد قال احمد بن حنبل ارجو عقلہ صالھ، قال مرۃ ضعیف، وقال فیہ یحیٰ بن معین لایکتبہ حدیث وقال عمرو بن الفلاس ضعیف الحدیث فالحدیث ضعیف واللہ اعلم۔)

عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ نے فرمایا''اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد ''مساجد دنیا کی جنتیں ہیں جو حقیقتاً اخروی جنتوں جو مومنین کا حقیقی مستقر ہیں ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔جس کو مسجد میں بیٹھا دیکھو یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کا دل اس کے ساتھ معلق ہے۔یا یہ معنی ہے کہ اس کو مسجد سے شدید محبت ہے جس کی وجہ سے نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے اور مسجد کی آبادکاری کا اہتمام کرتا ہے اور مسجد کی چیزیں اگر بوسیدہ ہوگئیں ہوں تو ان کی تجدید اور صفائی ستھرائی و اصلاح کا خیال رکھتا ہے۔سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے جو آدمی مسجد کو لازم پکڑ لیتا ہے۔جیسے اعتکاف یا اجتہاد یا اس کا دل اس کے ساتھ معلق ہے یا اس کو آباد کرتا ہے مثلاً اس میں بیٹھ کر ذکر واذکار،نماز کی ادائیگی یا اس کی تعمیر وترقی کا کام کرے تو اس آدمی کے لیے مومن ہونے کی گواہی دیدو۔(فیض القدیر ج۱/ ۳۵۷،۳۵۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث''اذا سمع اذانا امسك والاغار ''پر یہ باب قائم کیا ہے باب ما یحقن بالاذان من الدماء (وہ لوگ جن کا خون اذان کی وجہ سے محفوظ ہوگیا)اس حدیث سے ان لوگوں کے موقف کی تردید ہوتی ہے جو آج کل مسلمانوں کی مساجد میں نماز پڑھنے والوں اور اسلامی شعائر کا اہتمام کرنے والوں کو مسلمان نہیں سمجھتے،بشرطیکہ مذکورہ حالت میں ان کا اسلام سے متصادم کوئی قول وفعل نہ ہو۔یہ قرائن وعلامات کی چند مثالیں تھیں۔واللہ اعلم

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ یہ علامات وقرائن جب یقینی دلیل کے مقابلہ میں آجائیں تو ان کی وہ حیثیت نہیں جو یقینی دلیل کی حیثیت ہوگی۔اسی طرح جب کسی بستی یا شہر کے لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن صریح کفر کا ارتکاب کر لیتے ہیں سوائے ترک نماز کے تو ان کے علاقہ میں مسجد کا ہونا یا وہاں اذان کا سنائی دینا ان کے ایمان کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ ان کو کافر ہی شمار کیا جائے گا۔جبکہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے کہ کسی علاقے میں مساجد کا عام ہونا اور نمازیوں سے بھرا ہوا ہونا اس قوم کے ایمان کی علامت ہے۔وہ اس باطل نظریہ کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔جن میں سے ہم ایک بطور دلیل بیان کررہے ہیں جس میں ان کے فاسد قول کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔مسیلمہ کذاب کی قوم نے اس کو

نبی تسلیم کیا اور اس کی نبوت کی تصدیق کی حالانکہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے۔لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کافر قرار دیا اور بعض کو تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور یہ سارا کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا۔اسی طرح بنو حنیفہ کا قصہ ہے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کو مسجد میں نماز پڑھنا بہت اچھا لگا اور وہ بہت لگن کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے اپنی ایک مسجد بنالی جو مسجد بنو حنیفہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ بعد میں کچھ مسلمانوں کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے اس مسجد میں نماز پڑھی اور دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر وعظ کر رہا تھا کہ مسیلمہ نبی ہے اور مسیلمہ حق پر ہے یہ ایک بہت بڑی جماعت تھی جنہوں نے یہ بات کہی تھی ان کے سامعین میں سے کسی ایک نے بھی اسکی تردید نہ کی۔ان کا معاملہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ لیا کیا ان سے صرف توبہ کروائی جائے یا توبہ کے باوجود ان کو قتل کر دیا جائے ۔بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ان سے توبہ کروائے بغیر ہی ان کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے ان سے توبہ کروانے کا مشورہ دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں سے توبہ کروائی اور بعض کو بغیر توبہ کروائے قتل کروا دیا۔۔جو ان میں نئے شامل ہوئے تھے ان سے توبہ کرائے بغیر قتل کر دیا تھا۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے فرمایا اس واقعہ پر غور کیجئے کہ انہوں نے نیک اعمال اپنانے میں کتنی مشقت برداشت کی تھی کیونکہ وہ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ان لوگوں کی زبان سے مسیلمہ کی مدح میں ایک کلمہ نکلا جو کچھ مسلمانوں نے سن لیا اس کے بعد کسی نے بھی ان کے کفر میں تردد کا اظہار نہ کیا۔خواہ ان سب نے اس بات کا اقرار کیا یا نہیں ان کے خاموش رہنے پر ہی یہ فیصلہ صادر ہوا صرف اس بات میں اختلاف ہوا تھا کہ آیا ان سے توبہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ یہ قصہ اصلاً بخاری شریف میں موجود ہے جبکہ بالتفصیل بیہقی میں موجود ہے۔(مختصر السیر ۃ:۳۲،۳۳، فتح الباری ج۴/۴۷۰)

اس قصہ سے مشائخ مرجئہ کے موقف کی شدید تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو بھی نماز پڑھتا ہے یا اسلامی شعائر کو اپناتا ہے اسکو کافر کہنا جائز نہیں۔وہ شہادتین کے اقرار کے بعد جو مرضی کہتا رہے یا جو

مرضی کرتا رہے۔اصل میں ان کے یہ دلائل عمومی ہیں جبکہ وہ دلائل جو ان عمومات کو خاص کرتے ہیں وہ ان کو نہیں پرکھتے۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے مخالفین کا رد کرتے ہیں خواہ ان کے پاس پختہ شرعی دلیل ہی کیوں نہ ہو۔اور آج کل ایسے لوگ بہت عام ہیں جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے برعکس فیصلہ پر متفق ہوجاتے ہیں یا محرف شدہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے اور اس پر راضی ہوجاتے ہیں ۔یا اس کو باقاعدہ لوگوں کے لیے قانون بنا کر جاری کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اس قانون کی پاسداری نہیں کرے گا وہ مجرم ہوگا ۔تو ان لوگوں کے کفر میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہیں لیکن دائرہ اسلام سے خارج ہیں خواہ ان کے نام مسلمانوں والے ہوں۔ یہ شہروں کے شہر ہوں یا ان کی مساجد سے مسلمانوں کے علاقے بھرے پڑے ہوں اور اس میں جماعتوں کی جماعتیں نماز پڑھنے والے ہوں۔ کیونکہ ان کا کفر ترک نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے سبب سے ہے ۔اسی لیے شیخ محمد حامد الفقی نے امام ابن کثیر کی تفسیر میں اس آیت ''**افحکم الجاھلیة یبغون** '' کی تعلیق میں فرمایا ہے کہ ان جیسے بلکہ ان سے بدتر لوگ وہ ہیں جنہوں نے انگریز کے قوانین کو اختیار کیا ہے وہ اپنی عزت، جان ومال کے فیصلے اسی کے مطابق کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی آدمی جانتے بوجھتے اس دستور کو کتاب وسنت پر مقدم کرتا ہے اور کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف نہیں پلٹتا تو اس کے کافر مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں یہ جو مرضی نام رکھے یا جو مرضی عمل کرتا پھرے نماز، روزہ، وغیرہ کا اس کو کوئی فائدہ نہیں۔ (ھامش فتح المجید ۴۰۶ ط المکتبہ التجاریہ بمکة)

ظاہر وباطن کا تعلق

سابقہ مسئلہ میں ہم نے بیان کیا ہے کہ جس آدمی میں بھی اسلام کے قرائن وعلامات مین سے کوئی قرینہ یا علامات پائی جائیں گی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان کے ظاہری اعمال کا دل کے ساتھ گونا گوں تعلق ہوتا ہے۔ اگر عمل اچھا ہے تو یہ تعلق بھی بہتر ہوگا اور اگر عمل برا

ہے تو اس کا تعلق بھی برا ظاہر ہوگا۔

اہلسنت والجماعت ظاہر و باطن کے تعلق کے قائل ہیں لیکن مرجئہ اس کے منکر ہیں اس اختلاف کا اصل سبب ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کا نام ہے اس لئے ان کے قریب ظاہر و باطن کا تعلق کوئی ضروری نہیں۔ فقہاء مرجئہ کا موقف یہ ہے کہ دل کے ایمان کا ظاہری اعمال سے کوئی رابطہ نہیں لیکن ظاہری اعضاء کے اعمال دلی ایمان کا نتیجہ ہیں اور تمام لوگ ایمان میں برابر ہیں اور یہ سب کو تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کی وجہ سے مومن کہتے ہیں۔ مرجئہ کی ایک شاخ جہمیہ کا یہ موقف ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد خواہ کوئی بھی عمل نہ کرے نہ نماز، نہ روزہ، دیگر اسلام ادا نہ کرے تو تب بھی مومن ہی ہے۔

اہلسنت والجماعت اور ان کے ہمنواؤں کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بشر کو انسان کے باطن کی معرفت کی طاقت نہیں دی لیکن کچھ ظاہری علامات رکھ دی ہیں جس سے انسان کے باطن کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ یہ ظاہری اعضاء کے اعمال اور دل کے اعمال کے ربط کی واضح دلیل ہے۔ مثلاً جب انسان کا دل اللہ کی محبت، خشیت و انابت اور نبی ﷺ کی اطاعت سے پر ہوگا تو انسان کے اعضاء نیکی وتقرب الی اللہ کے اعمال اپنائیں گے۔

انہی اعمال سے انسان کے باطن کا اچھا ہونا معلوم ہوجائے گا اسی طرح اگر انسان برے اعمال کا مرتکب نظر آئے گا تو اس کے باطن کا برا ہونا واضح ہوجائے گا۔ کیونکہ جب ایک مکلّف انسان سے اللہ پر ایمان اور نبی ﷺ کی اطاعت سے ظاہر ہوگی تو یہ انسان کے باطن کے عمدہ ہونے کی دلیل ہوگی اگر ایسا نہیں تو پھر اس کا باطن بھی ایسا نہیں سمجھا جائے گا۔ قرآن وسنت میں سے تین طرح کے لوگ اس قانون سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں۔

① مجبور

② منافق اور

③ مجبوری سے اپنے ایمان کو چھپانے والا

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ**) یہ اپنے مونہوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں (آل عمران:١٦٧) ۔اور دوسری جگہ فرمایا (**اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ**) جب منافق لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً منافق جھوٹے ہیں (المنافقون:١) ۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا منافقین کے ظاہر وباطن میں تضاد ہے یہ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دینے میں بھی جھوٹے ہیں۔اسی طرح اللہ نے ایسے مجبور آدمی کے بارے میں وضاحت فرمادی جس پر اکراہ وجبر ہو کہ اس کے ظاہر کے مطابق اس پر حکم جاری نہ ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے!(**مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**) اور جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے اسکے کہ جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (سورہ نحل:١٠٦)۔

اور نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء بھول،اور جبر واکراہ کی صورت میں کیا ہوا عمل معاف کردیا ہے۔(رواہ ابن ماجہ والدارقطنی والطبرانی والبیہقی والحاکم فی المستدرک وقال علی شرط الشیخین ،وقال النووی حدیث حسن ۔مزید تحقیق کے لئے دیکھئے تلخیص الحبیر ج۱/۲۸۱،۲۸۳،خلاصہ البدر المنیر ج۱/۱۵۴،المحلی ج۵/۱۹۳اور احمد بن حنبل اور ابن حزم نے کہا ضعیف ہے)

اور ایک آدمی جو کسی ضرورت یا مصلحت کے پیش نظر کفار کے درمیان زندگی بسر کررہا ہو اس کو بھی اسی حکم میں شامل کریں گے اور اس کے ظاہری اعمال پر حکم جاری نہ ہوگا۔لیکن یہ مومن کے بارے میں ہوگا

جس کا معاملہ معروف ہو اللہ نے آل فرعون میں سے ایک مومن کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے(وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ)ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہا کہ کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے(المومن:۲۸)۔

اور اسی طرح جو شخص کفار کے درمیان کسی شرعی ضرورت کے تقاضا کے پیش نظر زندگی گزار رہا ہے اس کے بارے میں تفصیلی بحث اس کتاب کے آٹھویں باب میں آئیگی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا دنیا میں جس ایمان پر دنیاوی احکام لاگو ہوتے ہیں یہ ایمان اخروی ایمان کو مستلزم نہیں کہ جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں نیک لوگوں میں شمار ہوگا۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے(اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ) ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ ظاہراً وہ مومن ہیں(البقرہ:۸)۔(مجموع الفتاویٰ ج۷/۲۱۰)

اور شیخ نے فرمایا اگر مکرہ و مجبور آدمی مسلمانوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا جائے تو اس کا حکم تو کفار والا ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیتوں پر اٹھائے گا۔ جس طرح کہ مسلمانوں میں منافقین ظاہری طور پر تو مسلمان ہی سمجھے جاتے ہیں لیکن قیامت کے دن اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ قیامت کے دن ان کو ان کی نیتوں کے مطابق بدلہ ملے گا نہ کہ ظاہری اعمال کے مطابق۔(مجموع الفتاویٰ ج۱۹/۲۲۴،۲۲۵)

ظاہر و باطن کے تعلق کو ثابت کرتے ہوئے امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی مسببات کو صحت وفساد کے لحاظ سے اسباب علامت کے طور پر دیکھتا ہے تو اس کو ایک بہت بڑا قانون مل جاتا ہے جس کے ساتھ اسباب کا شریعت کے مطابق یا مخالف ہونا منضبط کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت میں ظاہری اعمال کو دلی کیفیات کی دلیل قرار دیا گیا ہے اگر وہ ظاہری طور پر برا ہے تو باطن پر بھی یہی حکم جاری ہوگا اگر ظاہری طور پر صحیح ہے تو باطن کو بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا۔ اس کی صحت کے دلائل بکثرت موجود ہیں۔ یعنی یہ کافر کے کفر، مومن کے ایمان و گناہگار کے عاصی ہونے کی بنیاد ہے اور شریعت کے

تمام احکام اس کے مطابق ہوں گے۔ (الموافقات اللشاطبی ج ۵/۲۳۳ ط المکتبہ التجاریۃ الکبری)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا دل اصل ہے اگر اس میں معرفت وارادہ ہوگا تو بدن میں اثرات ضرور پائے جائیں گے یہ ناممکن ہے کہ دلی ارادہ کا بدن پر اثر رونما نہ ہو۔

اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے اور یہ دل ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی ونسائی وابن ماجہ، ابوعوانہ ودارمی والطبرانی بالفاظ متقاربۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل بادشاہ ہے اور اعضاء اس کے لشکر ہیں۔ جب دل تندرست و مستقیم ہوگا تو اس کا لشکر بھی تندرست و مستقیم ہوں گے اگر دل خبیث ہوگا تو اس کے لشکر بھی خبیث ہوں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے قریب قریب ہی ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بہت واضح ہے بسا اوقات بادشاہ نیک ہوتا ہے لیکن اس کے لشکر والے اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ کبھی بادشاہ کی بات مان لیتے ہیں اور کبھی انکار کر دیتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک نیک ہوتا ہے تو دوسرا برا بھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ جسم ہمیشہ دل کے تابع ہوتا ہے اور اس کے ارادہ سے نہیں نکل سکتا۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اصلحت صلح لھا سائر الجسد و اذا افسدت فسدلھا سائر الجسد. جب دل صحیح ہوتا ہے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب دل فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم برباد ہو جاتا ہے۔ یعنی دل اپنے علمی و عملی اعمال کی وجہ سے نیک وصالح ہوتا ہے تو اس کا اثر انسان کے ظاہری جسم پر بھی نمایاں ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح نیک وصالح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ائمہ نے فرمایا! ایمان قول وعمل کا نام ہے تو قول سے مراد ظاہر و باطنی قول اور عمل سے مراد بھی ظاہری و باطنی عمل ہے۔ کیونکہ جب باطن صحیح ہوگا تو ظاہر بھی درست ہوگا اس لئے کہ ظاہر باطن کے تابع ہوتا ہے، اسی طرح اگر باطن خراب ہوگا تو ظاہر بھی خراب ہوگا۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز میں فضول حرکات کرنے والے نمازی کے بارے میں مروی ہے اگر یہ عاجزی اختیار کرتا تو اس کے اعضاء بھی عاجزی اختیار کرتے۔ (مجموع

الفتاویٰ ج ۷/ ۱۸۷)

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ دل کے وہ حالات جو ایمان کو ملتزم کرتے ہیں یہ مسلمان ومومن سے بغیر قصد وارادہ کے لازم ہوں گے اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آدمی کے دل میں واجبی ایمان داخل نہیں ہوا۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے(لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآئَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ....) اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہرگز نہ پائیں گے بیشک وہ ان کے باپ ، بیٹے ، بھائی اور کنبہ والے کیوں نہ ہوں ۔یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے (مجادلہ: ۲۲)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ مومن آدمی اللہ اور اس کے مخالفین سے محبت نہیں رکھے گا کیونکہ اس کا ایمان اس محبت کے منافی ہے جیسے دو مخالف چیزیں ایک دوسرے کے منافی ہوتی ہیں جب ایمان ہوگا تو اللہ کے دشمنوں سے محبت ایمان کے برعکس چیز ہے اور اگر کوئی اللہ کے دشمنوں سے دلی محبت رکھتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں حقیقی ایمان نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ج ۷/ ۱۸۷)

اسی شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا ! جب انسانی دل کے اندر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور محبت ہوگی تو لازمی طور پر انسان کے جسم ایسے اعمال واقوال اپنائے گا جس سے واضح ہوگا کہ واقعتاً آدمی کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے، کیونکہ جسم کے ظاہری اقوال وافعال اس کی شاخ وفرع ہے اور یہ اپنی اصل سے مدد حاصل کرتی ہے۔ یہ اصل ہی قائم اور پختہ کرتا ہے جیسا کہ کلمہ طیبہ کی مثال ایک درخت سے دی گئی اور اس درخت میں اصل اپنی فرع کو مضبوط وقائم کرتی ہے (مجموع الفتاویٰ: ج ۷/ ۵۴۱)۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا جب دل میں پختہ ارادہ کے ساتھ جب قدرت شامل ہو جائے تو مراد لازمی طور پر

حاصل ہوتی ہے لیکن جب ارادہ وقدرت کاملہ نہ تو اعمال کا وقوع پذیر بھی ناممکن ہوجاتا ہے۔

جب دل نبی ﷺ کی رسالت کا اور آپ ﷺ سے کامل محبت کا اقراری ہو تو ناممکن ہے کہ آدمی شہادتین کا اقرار نہ کرے ہاں اگر کوئی عذر ہو جائے جیسے گونگا پن یا خوف وغیرہ تو دراصل یہ توحید ورسالت کی گواہی پر قادر ہی نہی ہے۔(مجموع الفتاویٰ:ج ۲۷۲/۷)

میں کہتا ہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں جو بات ہے کہ کامل ارادہ وقدرت کا وجود ظاہری افعال کو لازم ہے اور کامل ارادہ وقدرت کا فقدان عدم افعال کا سبب ہے تو اس مسئلہ میں یہ بہترین وعمدہ بات ہے اور حقیقی مشاہدہ بھی اس کی دلیل ہے۔اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وَّ لاَ عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُم ...."ہاں ان پر کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ﷺ انہیں سواری مہیا کر دیں تو آپ ﷺ جواب دیتے ہیں کہ میں تمہاری سواری کیلئے کچھ نہیں پاتا تو وہ رنج وغم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں (التوبہ:۹۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو تمہارے سفر میں برابر کے شریک ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں تب بھی؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں مدینہ میں رہنے کے باوجود بھی کیونکہ ان کو عذر نے روک لیا۔(یہ الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔بخاری، ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ، بیہقی، ابوعوانہ، ابویعلیٰ، ابن ابی شیبہ رواہ عن انس رضی اللہ عنہ)

آدمی جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہوجاتا ہے تو وہ ہر حال میں مطیع وفرمانبردار ہوگا مگر یہ کہ اس کو قدرت نہ ہو یعنی کوئی عارضہ پیش آجائے بیمار ہوجائے یا آفت، پریشانی میں مبتلا ہوجائے۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی صحیح سالم وتندرست آدمی اگر محبت رسول ﷺ اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس پر اطاعت واتباع کا رنگ نہیں تو وہ جھوٹا ہے۔اللہ تعالیٰ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر بے

حساب رحمتیں نازل فرمائے آمین۔وہ دین حنیف میں کس قدر فقیہ تھے۔اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے حالانکہ وہ مجبور نہیں۔یا جو آدمی کفریہ کلمات کہے اور کوئی آدمی اللہ تعالیٰ،اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتا ہے تو یقیناً یہ سب ظاہر و باطن میں کافر ہیں۔اور جو آدمی کہتا ہے کہ ان اعمال کا مرتکب ظاہر میں تو کافر ہے لیکن باطن کے اعتبار سے مومن ہے اس کی بات بالکل فاسد اور بدیہی باطل ہے کیونکہ اللہ نے قرآن مجید میں کفریہ کلمات نقل کر کے ان کے قائلین کو کافر اور وعید کا مستحق ٹھہرادیا ہے۔(مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۵۵۷،۵۵۸ اور ج ۱۴/ ۱۲۰،۱۲۱)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک آدمی کی حرکات وسکنات کی درستگی اور محرمات سے اجتناب اور مشتبہ ومشکوک اشیاء سے گریز کرنا ان سب کا دارومدار دل کی درستگی واصلاح پر ہے۔جتنا دل صحیح وتندرست ہوگا اتنا ہی آدمی ان اعمال میں مضبوط ہوگا۔اگر کسی انسان کا عمل صالح وتندرست ہے کہ اس میں صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور تقویٰ وپرہیزگاری ہے تو یقیناً ایسا آدمی اعمال میں رغبت اور محرمات سے اجتناب اور مشکوک ومشتبہ اشیاء سے اعراض میں بہت اعلیٰ درجہ پر ہوگا۔لیکن اگر اس کے دل پر خواہشات کا غلبہ ہوگا تو ایسا آدمی برے اعمال کا منبع ثابت ہوگا اسی لیے کہا جاتا ہے دل ایک بادشاہ ہے اور اعضاء اس کے لشکر ہیں۔یہ لشکر اپنے بادشاہ کے تابع ہیں اس کے احکام کو نافذ کرنے میں کوشاں ہیں کسی معاملہ میں اس کی مخالفت کرنا گوارا نہیں کرتے اگر یہ بادشاہ نیک دل وصالح ہوگا تو اس کے لشکر (اعضاء) بھی نیک وصالح ہوں گے اگر یہ خبیث وبد ہوگا تو اس کے لشکر بھی ایسے ہوں گے۔(جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی: ٦٥)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اعضاء اگرچہ دل کے تابع ہیں لیکن بسا اوقات یہ دل پر اثر کر جاتے ہیں گو کہ دل ان کا بادشاہ اور رئیس ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک آدمی سچ بولتا ہے تو اس کے دل پر ایک سفید نقطہ لگ جاتا ہے اور اگر جھوٹ بولتا

ہے تو سیاہ ہوجاتا ہے (یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہمیں کہیں نہیں ملی)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہوجاتا ہے اگر وہ توبہ کرلے تو یہ دل ٹھیک ہوجاتا ہے (یہ حدیث صحیح ہے)۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ رنگ ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں فرمایا: ''كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ '' ہرگز نہیں بلکہ ان کے دل ان کے گناہوں کی وجہ سے آلودہ ہوگئے ہیں (المطففين:١٤)۔

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: دل ایک ہتھیلی کے مانند ہے جس کی انگلی ہر گناہ کے بدلے پکڑی جاتی ہے اور اس پر مہر لگادی جاتی ہے۔ (تفسیر قرطبی ج۱/ ۱۸۸)

میں کہتا ہوں: سابقہ بحثوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ دل کے اعتقادات کا اعضاء کے اقوال واعمال کے ساتھ بڑا مضبوط اور گہرا تعلق ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اگر انسان کے ظاہری اعمال میں خرابی ہے تو انسان کے باطن پر اس کے مطابق حکم لگانا صحیح ہے۔ دنیاوی احکام میں یہ ایک بہترین اور عمدہ ذریعہ ہے۔ اور تمام احکام کا دارومدار اسی پر ہے یہ چیز دل کے حالات کو جاننے میں یقینی اور حتمی نہیں بلکہ یہ تو دلالت وتتبیعت کے ذریعہ حکم لگانے کی ایک قسم ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وامام شاطبی رحمہ اللہ کی کلام میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔

ظاہر کے مطابق حکم لگانا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے مخالفین ومنکرین کو کہا! ''وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ '' ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی نیک جزاء) نہیں دے گا جو ان کے دلوں میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کروں تو میرا شمار

ظالموں میں ہوگا)(ھود:۳۱)۔

اس آیت سے استدلال بالکل واضح ہے نوح علیہ السلام نے ان کے ظاہری اعمال کا اعتبار کیا اوران کے دلی معاملات کو عالم بذات الصدور ذات کے سپرد کردیا اور یہ بھی واضح کردیا کہ اگر میں خلاف ظاہر فیصلہ کردوں تو میں ظالموں میں شمار کیا جاؤں گا۔(مزید تفصیل قرآن سے دیکھ لیں)۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا :''وَ لاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً''،جس بات کی تجھے خبر ہی نہیں اس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان،آنکھ اوردل ان میں سے ہرایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا (بنی اسرائیل:۳۶)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی اشیاء جو مجھول ہیں ان کو معلوم وظاہر چیزوں پر مقدم کرنے سے منع کیا ہے دل ایک پوشیدہ چیز ہے جس کی کیفیت وحقیقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے اب اگر کوئی آدمی زبردستی کسی انسان کے باطن پر کوئی حکم لگاتا ہے حالانکہ وہ اس کو نہیں جانتا تو یقیناً یہ آدمی اللہ کی حرام کردہ چیز کا ارتکاب کرنے والا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں کے دل کریدنے اور ٹٹولنے کا حکم نہیں دیا گیا۔(رواہ بخاری ومسلم،احمد وابن حبان،البیھقی وابویعلیٰ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں واضح کردیا کہ صرف ظاہری اعمال کے مطابق انسان پر حکم لگے گا اللہ نے کسی بھی انسان کو دل کریدنے یا اس پر حکم لگانے کا مکلّف نہیں ٹھہرایا۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیں......اسی حدیث میں آگے فرمایا......وحسابھم علی اللہ ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری حالت کے اعتبار پر اکتفاء کیا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا ہے اسی طرح جو لوگ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عذر پیش کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مان لیا اور انکی اندرونی کیفیت وحالت کو اللہ پر چھوڑ دیا۔منافقین کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہی طرزِ عمل رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظاہری معاملات کو قبول کرلیتے اور انکی نیتوں کو اللہ کے سپرد کردیتے تھے۔شرعی

احکام میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیتوں اور مقاصد جن پر دنیاوی احکام مرتب ہوتے ہیں کو جاننے کا مکلّف نہیں بنایا۔جیسا کہ نبی ﷺ نے نکاح وطلاق اور رجوع کے معاملہ میں مذاق کو بھی اصل اور حقیقی حکم کا مصداق کہا ہے یعنی ان معاملات کا اگر کوئی مذاقاً بھی اقرار کرے تو اسے حقیقی تصور کیا جائے گا نہ کہ اس کے دل کے اصل ارادے کو دیکھا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے پیغمبر ﷺ کی اطاعت واتباع فرض کی ہے اور کسی معاملہ میں ان پر بوجھ نہیں ڈالا۔مناسب یہی ہے کہ کسی آدمی کے باطن پر کوئی حکم نہ لگایا جائے کیونکہ انسان کا علم ناقص ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام جن کا علم اتم واکمل ہے جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت پر پابند رہنے کا حکم دیا ہے تو عام انسان بالاولیٰ اسی کا پابند ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ بت پرستوں سے قتال کرو۔یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔جب وہ مسلمان ہوجائیں تو ان کا خون محفوظ ہوجائے گا حالانکہ ان کے دعویٰ اسلام میں سچ جھوٹ کو صرف اللہ ہی جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنے نبی ﷺ پر واضح کردیا جو اسلام کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن اندر سے کافر ہیں اس کے باوجود پیغمبر ﷺ کو حکم یہی ہے کہ جو ظاہری اعمال ہیں اس کے مطابق ان کا اعتبار کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ............'' دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۔آپ ﷺ کہہ دیجئے (حقیقت میں)تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوگئے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہوگئے)حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (الحجرات:١٤)۔

یعنی انہوں نے قید وقتل کے ڈر سے اسلام کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے بارے میں

بتایا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرلیں تو اللہ ہی ان کو جزا دے گا۔اور دوسری قسم منافقین کی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ''جب منافق آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں انہوں نے اپنے (دعویٰ) ایمان کو (قتل کے ڈر سے) ڈھال بنا رکھا ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (المنافقون:۲)۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں واضح کردیا'' سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ''کہ وہ جب آپ ﷺ کے پاس آئیں تو قسم اٹھائیں گے آپ ﷺ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (التوبہ:۵)۔اور یہ بھی واضح کردیا کہ جہنم کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے اللہ نے اگرچہ ان کے باطن پر حکم لگایا ہے لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ کو حکم یہی دیا کہ دنیا میں ان کے ظاہری اعمال کے مطابق ان کے ایمانوں کا اعتبار کرو۔اسی لیے آپ ﷺ ان کی توبہ قبول کرلیتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان منافقین کو ان کے دعوی میں جھٹلایا ہے عدی بن خیار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کیساتھ جارہا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ ﷺ کہاں جارہے ہیں حتیٰ کہ نبی ﷺ نے معاملہ واضح کردیا تو اس آدمی نے نبی ﷺ سے ایک منافق کے قتل کے بارے میں سوال کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتا؟ اس نے کہا کیوں نہیں لیکن اس کی گواہی قابل اعتبار نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس نے جواب دیا پڑھتا ہے لیکن اس کی نماز کا بھی کوئی اعتبار نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا ایسے لوگوں کے قتل سے مجھے منع کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب

تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کر لیتے اسی حدیث میں ہے کہ اس اقرار کے بعد انکا حساب اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ ان کا سچا یا جھوٹا ہونا تو اللہ جانتا ہے علیم بذات الصدور وہی ہے۔ نبی ﷺ کے تمام فیصلے خصوصاً حقوق العباد سے متعلقہ حدود وغیرہ سب ظاہر کے مطابق ہی تھے۔ باقی باطن کا معاملہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے جیسا کہ عویمر عجلانی نے اپنی بیوی سے لعان کیا اسی حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے اس مسئلہ میں اگر اللہ کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میرا فیصلہ اس سے مختلف تھا۔ (رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیدیں ۔نبی ﷺ نے اس سے قسم لی کہ کیا تیرا ارادہ صرف ایک طلاق ہی کا تھا۔اس نے قسم اٹھادی نبی ﷺ نے اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا۔ (رواہ البیہقی اورابوداؤد نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اسی طرح ابن حجر نے موافقت کی ہے۔ابن ماجہ والدارقطنی)

ان احادیث میں اوراسی مفہوم کی دیگر احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قاضی وحاکم پر ضروری ہے کہ آدمی کی احسن اورواضح ظاہری حالت کے مطابق فیصلہ کرے اگرچہ اس میں ابتر حالت کا امکان بھی ہو۔

نبی ﷺ نے دولعان کرنے والوں کے بارے میں فرمایا؛ اگر یہ عورت فلاں فلاں صفات کا حامل بچہ جنم دے تو پھر یقیناً اس کے خاوند نے اس کے بارے میں سچ کہا ہے۔ (رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وابن حبان وابن ماجہ والدارقطنی واللفظ للبخاری)

اس عورت نے ایسی ہی صفات کا حامل بچہ جنا لیکن نبی ﷺ نے اس کے خاوند کو اس عورت کے بارے میں کوئی اختیار نہ دیا۔ کیونکہ نہ تو اس عورت نے اقرار کیا تھا اور نہ ہی کوئی دلیل موجود تھی۔ شیخ نے فرمایا جو آدمی لوگوں کا فیصلہ خلاف ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ قرائن وشواہد ایسے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا باطن ظاہر کے برعکس ہے یہ چیز قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے میری نزدیک قابل قبول نہیں ہے ①............۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی کافر خواہ محارب ہو یا غیر محارب اگر تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔اگر اس کی حالت سے یہ بات نمایاں ہی کیوں نہ ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے برعکس ہے ۔ایسے ہی نبی ﷺ منافقین سے ان کی ظاہری چیزوں کا اعتبار کرتے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر واضح کر دیا تھا کہ انہوں نے ایمان کو ڈھال بنا رکھا ہے ''وہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے کفریہ کلمات کہے ہیں'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر کفر سے توبہ کر لیتا ہے اور اسلام کا اظہار کرے گا اس کی توبہ و اسلام قبول کیا جائے گا۔(الصارم والمسلول علی شاتم الرسول:۳۲۹)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا؛ اللہ کے احکام بندوں کے ظاہری حالات کے مطابق جاری ہوتے ہیں جہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ مل جائے جس کے ظاہر و باطن کا تضاد واضح ہو جائے۔لعان کے قصہ میں جب عورت نے متہم شخص سے مشابہ بچے کو جنم دیا تو نبی ﷺ فرمایا اگر رب کے قرآن کا فیصلہ (اس بارے میں) نہ ہو چکا ہوتا تو میرا اس کے ساتھ کچھ اور ہی فیصلہ ہوتا آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے لعان کے احکامات نازل نہ فرمائے ہوتے تو واضح زنا (جس میں بچہ زانی سے مشابہ ہے) کسی اور حکم کا متقاضی تھا، جب اللہ نے لعان کا حکم نازل کر دیا تو مشابہت والا حکم کالعدم ہو گیا۔فی نفسہ لعان و مشابہت دونوں ہی دلائل ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے قوی ہے لہٰذا اس پر عمل ضروری ہے اسی طرح اگر دو دلیلیں فراش والی (الولد للفراش) اور مشابہت والی متعارض ہوں تو نص و اجماع کے مطابق دلیل فراش قابل عمل ہے دلیل مشابہت لغو ہے۔(اعلام الموقعین لابن القیم ج ۳/ ۱۳۸، ۱۳۹)

قاضی عیاض رحمہ اللہ منافقین کے بارے میں وارد حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں، مسلمان ائمہ اور

---

①:الام للشافعی ج۱/ ۲۹۵، ۲۹۸۔وضاحت: لعان کا مطلب ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ اس نے فلاں آدمی کے ساتھ برائی کی ہے تو ایسی صورت میں دونوں سے اپنے موقف پر سچے ہونے کی قسم لی جاتی ہے اور جھوٹے پر لعنت کی جاتی ہے۔اسی لحاظ سے نبی ﷺ نے یہاں یہ فرمایا کہ اگر اس عورت نے فلاں آدمی کا مشابہہ بچہ جنا تو یہ جھوٹی ہوگی اور اس کا خاوند سچا ہوگا۔

حکمرانوں کے احکام ظاہر پر لاگو ہوتے ہیں کیونکہ کوئی انسان کسی کے دل کی باتوں کو نہیں جان سکتا نہ شریعت اسلامیہ نے کسی کو دلی حالت جاننے کا مکلّف ٹھہرایا ہے بلکہ نبی ﷺ نے تو اس کی مذمت فرمائی ہے ''کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا'' اسی وجہ سے منافقین کو فقط ان کے زبانی اقرار کی وجہ سے مسلمان شمار کرلیا جاتا ہے۔(الشفاء للقاضی عیاض بشرح ملاعلی القاری ج۲/۷)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے قصہ کے ضمن میں فرمایا اس حدیث میں فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا اصول نمایاں ہورہا ہے کہ شریعت کے احکام کا دارومدار ظاہر اور ظن غالب پر ہوگا نہ کہ قطعی اور دل کی حقیقت جاننے پر۔اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ قرآن مجید کی آیت ''اتخذوا ایمانهم جنة'' کے تحت رقمطراز ہیں اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی حالت تو کسی پر مخفی و پوشیدہ نہیں لیکن جو ایمان واسلام کا دعویٰ کرے (دنیا میں)اس کے ایمان واسلام کا اعتبار ہوگا۔(تفسیر قرطبی ج۵/ ۳۳۸،۳۳۹مزید دیکھئے ج۱۸/۱۲۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا تمام ائمہ ومحدثین وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دنیاوی احکام میں ظاہر ہی کا اعتبار ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا ''کیا تو نے اس کا سینہ چاک کرکے دیکھ لیا تھا'' اور آپ ﷺ نے اس آدمی کو فرمایا جو آپ کے ساتھ کسی آدمی کے قتل کے لئے پوچھ رہا تھا'' کیا وہ نماز پڑھتا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں پڑھتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسے لوگوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بعض طرق حدیث کی اسناد میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب ایک آدمی نے آپ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی اور کہا کتنے ہی ایسے نمازی ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں کے دل کریدنے کا حکم نہیں دیا گیا۔اس مسئلہ میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔(فتح الباری ج۱/۴۹۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ لوگوں

کے معاملات کا ظاہر کے مطابق اعتبار کیا جائے گا جو بھی آدمی اسلامی شعائر کو اپنائے گا جب تک اس کے خلاف کوئی عمل ثابت نہ ہو اس کے مطابق اس کے دین کا اعتبار کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: علماء کے کلام سے واضح ہو گیا ہے کہ دنیاوی احکام ہمیشہ ظاہر کے مطابق ہوں گے۔ اگر آدمی نے باطن پر حکم لگایا یا کسی حکم کو باطن پر موقوف کیا حالانکہ مکلّف سے خلاف ظاہر کوئی چیز رونما نہیں ہوئی تو حکم لگانے والا آدمی کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ و ر اجماع امت کی مخالفت کرنے والا ہوگا۔

<u>اس بحث سے دو اہم فوائد حاصل ہوئے۔</u>

① اسلام کے ثبوت کا فیصلہ ظاہری عمل کے مطابق ہوگا نہ کہ باطن اور دل کو کریدنے سے جبکہ اہل توقف کا موقف اس کے برعکس ہے۔

② اگر کوئی آدمی کفریہ کلمات کہتا ہے یا کفریہ عمل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا دل کریدے بغیر اس پر کفر کا حکم جاری ہوگا۔ جبکہ قدیم مرجئہ وجہمیہ اور عصر حاضر کے مرجئہ وجہمیہ کا موقف اس کے برعکس ہے۔

اثبات ظاہر کا طریقہ (عمل وقول) ظاہر کے خلاف ہو تو کیا حکم لگے گا؟

مکلّف پر ایمان و کفر کے احکام جاری کرنے کے لیے ظاہری عمل کے ثبوت کے متعدد طریقہ کار ہیں۔

① **اقرار واعتراف:** امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا اقرار اور اعتراف ایک ہی چیز ہیں اس کی بنیاد قرآن و سنت اور اجماع امت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا اور اس کے بعد فرمایا " وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا ...... " کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو، اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو تو سب (انبیاء علیہم السلام) نے کہا ہمیں اقرار ہے (آل عمران: ۸۱)۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ''اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا جنہوں نے ملے جلے عمل کیئے تھے کچھ برے اور کچھ بھلے اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے(التوبہ:۱۰۲)۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ''اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے انکی اولاد کو نکالا اور ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے (الاعراف:۱۷۲)۔

بے شمار آیات میں اسی طرح اقرار واعتراف موجود ہے۔احادیث رسول ﷺ میں اعتراف کی مثال یہ کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے زنا کا اعتراف کیا تو رسول ﷺ نے اسے رجم کر دیا۔(بخاری ومسلم وغیرہ)

اسی طرح الغامدیہ عورت کے بارے میں ہے۔(مسلم،ترمذی،احمد،ابوداؤد،ابن حبان،ابوعوانہ،دارمی،طبرانی)

اور آپ ﷺ نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس عورت کے پاس جاؤ۔اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا(بخاری،مسلم،ابن ماجہ،احمد وغیرہ)۔تمام محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ اقرار برحق امر ہے کیونکہ اقرار ایک ایسی چیز ہے جو انسان سے شک وتہمت کو دور کر دیتی ہے اور عقل مند آدمی کبھی بھی اپنی ذات پر ایسا جھوٹ نہیں بولتا جو اس کی جان کے لیے نقصان دہ ہو۔اسی لیے یہ گواہی سے زیادہ پختہ سمجھا گیا ہے کیونکہ مدعا علیہ جب اقرار کرے تو اس کے خلاف شہادتوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور شہادتیں اس وقت سنی جاتی ہیں جب وہ انکار کرے۔(المغنی والشرح الکبیر ج۵/۱۷۱)

② اثبات ظاہر کا دوسرا طریقہ دلیل (البینہ) ہے: ہر وہ چیز جو حق کو بیان کردے خواہ

وہ قول ہو یا کوئی دلیل یعنی البینہ اسے تسلیم کیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے گواہوں کو بھی دلیل قرار دیا کیونکہ گواہی سے بات واضح ہوجاتی ہے اور اشکال ختم ہوجاتے ہیں ۔معروف نحوی احمد بن موسیٰ بن نصر رحمہ اللہ اپنی کتاب الحسبہ میں لکھتے ہیں کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ شہود استعمال ہوا ہے اس سے مراد گواہ نہیں بلکہ دلائل و براہین ہیں امام ابن فرس نے احکام القرآن میں قاضی اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ قرائن کے مطابق فیصلہ پر عمل کرنا یہ نبی ﷺ کے اس قول ''مدعی کے ذمہ دلیل ہے جبکہ منکر پر قسم ہے کے مخالف نہیں'' (رواہ الشافعی ،طبرانی ،البیہقی)

مثلاً جیسے میاں بیوی کا باہمی اختلاف ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں اس مقام کا تذکرہ کیا ہے جہاں دلیل ممکن ہو۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ جب ایسے قرائن مل جائیں جو دلیل کے قائم مقام ہوسکتے ہوں تو ان پر عمل ہو۔قرآن مجید میں سورۃ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں قمیص کے پھٹنے کو دلیل کے قائم مقام گواہ تصور کیا گیا ہے امام ابن فرس فرماتے ہیں اس آیت سے علماء یہ دلیل اخذ کرتے ہیں کہ جہاں واضح دلائل نہ ہوں تو وہاں علامات وقرائن کے مطابق حکم جاری ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَجَآءُوْا عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ......'' وہ اس (یوسف علیہ السلام) کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کرلے آئے باپ نے کہا نہیں، بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی پس صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد طلب ہے (یوسف:۱۸)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اسکی قمیص کو اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کرآئے تو اس نے قمیص کو اچھی طرح دیکھا لیکن قمیص بالکل صحیح سالم تھی یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ جھوٹے ہیں اور اپنے بیٹوں کو کہا کہ بھیڑیا بڑا سمجھ دار تھا کہ یوسف علیہ السلام کو کھا گیا لیکن قمیص کو بچا گیا۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے ہم مسلک علماء نے فرمایا کہ اخوان یوسف علیہ السلام نے اپنی سچائی ظاہر کرنے کے لیے خون لگایا تھا لیکن اس خون کے ساتھ قمیص کا صحیح ہونا ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن گیا تمام

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے صحیح وسالم ہونے سے ان کے جھوٹ کو پہچانا تھا۔فقہاء نے بے شمار فقہی مسائل میں علامات کا اعتبار کیا ہے اوران کو دلیل کے قائم مقام ٹھہرایا ہے ۔صحیح بات یہ ہے کہ ہم سے قبل لوگوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت کی حیثیت رکھتی ہے جب تک ہماری شریعت اس چیز کو باطل قرار نہ دیدے کیونکہ شارع کا کسی چیز کو نقل کر کے سکوت اختیار کرنا یہ اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔مزید تفصیل کیلئے درج ذیل کتب ملاحظہ کیجئے۔(المستصفی للغزامی:۱۳۲، الاحکام للآمدی ج ۲/ ۱۸۶،شرح مسلم الثوب لعبدالعلی محمد انصاری ج ۲/۱۸۴، ۱۸۸، الاحکام لابن حزم ج ۵/۶۴ ۷، تفسیر القرطبی ج ۷/ ۳۸ ط دارالحدیث القاہرہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**تعرفهم بسيماهم**'' توان کوان کی علامت سے پہچان لے گا(البقرہ:۲۷۳)۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علامات سے مراد آدمی کی ظاہری حالت ہے۔اگر ہم کسی مردہ آدمی کو دارالاسلام میں دیکھتے ہیں جبکہ وہ مختون بھی نہیں ہے اوراس نے گلے میں کنکریاں پہنی ہوئی ہیں تو اس آدمی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا نہ ہی اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔اکثر علماء کے نزدیک اس کی ظاہری حالت کو دارالاسلام پر مقدم کیا جائے گا اسکی یہی ظاہری حالت کی دلیل کے قائم مقام ہوگی۔

یہاں تک شیخ نے فرمایا اسی قسم سے عفراء کے دوبیٹوں کا قصہ ہے۔جنھوں نے غزوہ بدر میں ابوجہل کے قتل کا دعویٰ کیا تھا۔تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی تلواریں دکھاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار دیکھ کر فرمایا اس شخص نے ابوجہل کو قتل کیا ہے اوراس کا مسلوبہ سامان بھی اسی کو دیدیا۔اس فیصلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار پر خون قتل کے نشانات کو دلیل بنایا۔

اسی طرح ابن ابی الحقیق کے قتل کے قصہ میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے سب نے اپنی تلواروں سے وار کیا ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے وار کیا ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو اس کے پیٹ میں گھونپ دیا جو اس کی کمر کی جانب سے باہر نکل گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواروں کو دیکھا

ایک تلوار پر کھانے کے ذرات دیکھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کا قاتل یہی ہے۔
یہاں تک شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا ،اس طرح حق واضح ہوگیا اور انصاف کا طریقہ نمایاں ہوگیا اور اسی چیز کو اللہ نے اپنا دین وشریعت قرار دیا ہے۔ (تبصرۃ الحکام لابن فرحون المالکی ج۱/۲۴۲،۲۴۴)
میں کہتا ہوں: بیشمار فقہی مسائل میں عدم دلیل کے سبب قرائن پر عمل کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جب کوئی ظاہراً واضح دلیل نہ ہوتو مکلّف پر قوی ترین علامات وقرائن کے مطابق حکم جاری ہوگا اور یہ حکم عین شریعت کے مطابق ہوگا نہ کہ خواہشات کے مطابق۔

جب تمام دلائل باہم متعارض ہوں تو اس وقت کئی صورتیں قابل عمل ہوتی ہیں

① پہلی صورت: اگر دونوں طرف سے دلائل قوت میں برابر ہوں تو دونوں دلائل کالعدم ہوں گے تاوقتیکہ کوئی اور ایسا قرینہ مل جائے جو کسی ایک دلیل کو راجح قرار دیدے۔امام ابن العز بن عبدالسلام نے اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ اگر دو آدمی ایک بچے کا باپ ہونے کے مدعی ہیں اور دونوں کی دلیل بھی موجود ہے تو دونوں کی دلیل کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ قیافہ سے معلوم کیا جائے گا کہ بچہ کس آدمی سے مشابہت رکھتا ہے اس بنیاد پر بچہ اس کو دیدیا جائے گا جس کے مشابہ ہوگا۔ (فوائدالاحکام العزابن عبدالسلام ج۲/۴۴)

② دوسری صورت: دونوں دلیلوں میں سے اگر ایک قوی ہے تو اس پر عمل ہوگا اگر دونوں پر عمل ممکن ہوتو دونوں پر عمل کیا جائے گا۔اس کی مثال یہ حدیث ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبدابن زمعہ کے بیٹے کے بارے میں اختلاف تھا۔سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا کہا تھا کہ یہ میرا بھتیجا ہے میرے بھائی نے مجھے اس کے بارے میں وصیت کی تھی۔عبدابن زمعہ نے کہا یہ میرے باپ کے گھر پیدا ہوا لہٰذا یہ میرا بھائی ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا اے عبدابن زمعہ یہ تیرا بھائی ہے کیونکہ بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا

ہوتا ہے اورزانی کے لئے (اسلام میں) پتھر ہیں آپ نے ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اس سے پردہ کرکیونکہ وہ عبدابن زمعہ کی بہن تھیں۔ (رواہ البخاری ومسلم وابوداؤدوالترمذی وابن ماجہ ومالک فی الموطا والدارمی)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا لعان اور مشابہت دونوں سے لعان بحیثیت دلیل قوی ہے مشابہت اس وقت معتبر ہوگی جب اس سے قوی دلیل موجود نہ ہواسی لیے جب مشابہت اور دلیل فراش متعارض ہوں تو بچہ صاحب فراش کا شمار ہوگا اگرچہ اس کی مشابہت زانی کے ساتھ ہی ہو جیسے عبد بن زمعہ وسعد بن ابی وقاص نے جب ایک بچہ کے بارے میں اختلاف کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت کو لغو قرار دیدیا اور بچہ صاحب فراش کو دیدیا۔ اورام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کا حکم اس لیے دیا کہ بچہ کی مشابت کا اعتبار نہیں کیا۔ (الطرق الحکمیہ لابن القیم ۳۱، مجموع الفتاویٰ ج ۷/ ۴۱۱)

اسی طرح ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ کے احکام بندوں کے ظاہر پر لاگو ہوتے ہیں یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ مل جائے جس سے واضح ہو کہ اس کے ظاہر و باطن میں تضاد ہے۔

لعان والے معاملہ میں جب بچے کی مشابہت ملزم (زانی) کے ساتھ پائی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس بارے میں کتاب اللہ کا فیصلہ لعان کا نہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ کوئی اور سلوک کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ بچہ زانی سے مشابہ ہے جس کا تقاضا کچھ اور ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے لعان کا فیصلہ نازل کرکے مشابہت کے حکم کو کالعدم کردیا ہے۔

حقیقت میں یہ (لعان ومشابہت) دونوں ہی شرعی دلائل ہیں لیکن ان میں پہلا (لعان) دوسرے (مشابہت) سے قوی ہے لہٰذا وہ قابل عمل ہے اسی طرح اگر دلیل فراش ودلیل مشابہت متعارض ہوجائیں تو نص واجماع کے مطابق ہم فراش پر عمل کریں گے اور دلیل مشابہت لغو ہوگی۔ (اعلام الموقعین ج ۲/ ۱۳۸، ۱۳۹)

میں کہتا ہوں: سابقہ کلام سے واضح ہوگیا کہ ظاہری دلائل کے ثبوت کے کئی طریقے ہیں مثلاً مکلّف کا کسی قول یا فعل کے ذریعہ اعتراف یا صحیح دلیل یا عدم دلیل کے موقع پر اس کے قائم مقام قرائن وغیرہ۔ اس

مسئلہ میں قول وفعل ظاہری کا اعتبار ضروری ہے کیونکہ قواعد شرعیہ سے بھی یہی چیز ثابت ہے۔جب ظاہری دلائل متعارض ہوں اور دلیل ثانی کی مخالفت کے بغیر ان پر عمل بھی ممکن ہوتو پھر ان پر حکم لگانا بھی ضروری ہے۔لیکن اگر دونوں دلائل پر عمل ممکن نہ ہوتو قوی دلیل پر عمل ہوگا جیسے عبد بن زمعہ کے قصہ میں ہے۔ہمارے اس موضوع کے مطابق اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی سے ایسے اعمال نمایاں ہیں جو شرعی لحاظ سے اس کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو ہم اس کے اسلام کا اعتبار کریں گے۔اور اگر کسی آدمی سے بغیر جبر واکراہاً مسلمان ہونے کے بعد ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں تو ہم اس کو کافر قرار دیں گے اور اگر ایسے آدمی سے بیک وقت ایسے اعمال ظاہر ہوتے ہیں جن میں بعض اس کے اسلام پر دلیل ہوں اور بعض اس کے کفر پر تو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہم اس کو کافر قرار دیں گے۔اور اسلام کے شعائر واعمال اس کے لئے مفید نہیں ہوں گے کیونکہ اس حالت میں حکم کفر غالب ہے لیکن یہاں کفر سے مراد کفر اکبر ہے جو آدمی کو دین سے خارج کر دیتا ہے۔

اس موقف پر کتاب وسنت سے بیشمار دلائل موجود ہیں۔

انہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:''وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ''(اے پیغمبر ﷺ یقیناً آپ کی طرف اور آپ ﷺ سے قبل انبیاء علیہم السلام کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ ﷺ بھی شرک کریں تو آپ ﷺ کے بھی تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے اور یقیناً آپ ﷺ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے (زمر:٦٥)۔

شرک تمام اعمال کے ضیاع کا سبب اس آیت مبارکہ میں خطاب نبی ﷺ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کو کیا گیا ہے حالانکہ ان کا مرتبہ ومقام اللہ کے ہاں مسلم ہے۔جب کہ شرک جیسا کبیرہ گناہ ان پاکباز ہستیوں کے اعمال کو تباہ کر دینے والا ہے حالانکہ ان سے گناہوں کی ذرہ برابر بھی توقع نہیں تو عام آدمی اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے اعمال تو بالاولیٰ تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا)'' **ذٰلِکَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْن** '' اللہ کی ہدایت ہی ہے جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب ضائع ہو جاتے (الانعام:۸۸)۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: '' **مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لاَ يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَىْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْد** '' جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے آندھی کے دن اس پر زور کی سی ہوا چلے اور اسے اڑا لیجائے اس طرح جو وہ کام کرتے رہے ان پر ان کی کچھ دسترس نہ ہوگی یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے (ابراھیم:۱۸)۔

ائمہ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اعمال کو ثابت تو کیا ہے لیکن انہیں رائیگاں اور بے کار قرار دیدیا ہے۔ مفسرین کی بات سے یہ چیز واضح ہوگئی کہ اسلام کی ظاہری شرائط کے مطابق ان کے اعمال معتبر تھے لیکن کفر کی وجہ سے ان کے لئے سودمند نہ ہوئے۔ انہی دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے'' **وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا** '' اور انہوں نے جو عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان کو اڑتی ہوئی خاک کر دیں گے (فرقان:۲۳)۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' **وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ** '' اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ مشرک بھی ہیں (یوسف:۱۰۶)۔

کتاب اللہ میں اس معنی و مفہوم کی بے شمار آیات موجود ہیں۔

ایمان و اعمال صالحہ کا ضیاع صریح و واضح کفر کی وجہ سے ہوگا نہ کہ احتمال کی وجہ سے کیونکہ احتمالات کو اس وقت تک عدم کفر پر ہی محمول کیا جائے گا جب تک آدمی کی نیت و ارادہ سے کفر واضح نہ ہو جائے۔

(ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان